BNHS401DET

عہد وسطیٰ کی اسلامی دنیا

Medieval Islamic World

بی۔اے۔(آنرس)

چار سالہ پروگرام

چوتھا سمسٹر (تاریخ)

مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-بھارت

Copyright © 2026, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : 978-81-687130-7-9
Course : Medieval Islamic World
First Edition : July 2026
Copies : 3500
Price : 135/- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Vidya Vachaspati **Shaik Mahaboob Basha**, Associate Professor (History), CDOE, MANUU

Editorial Board/Editors

Vidya Vachaspati **Shaik Mahaboob Basha**
Associate Professor (History), CDOE, MANUU

Dr. Syed Meer Abul Hussain
Asst. Prof. of History (Cont.), CDOE, MANUU

Mr. Mohd Aasim
Asst. Prof. of History (Cont.), CDOE, MANUU

Dr. Ikramul Haque
Asst. Professor, Dept. of History, MANUU

Dr. Zeyaul Haque
Asst. Professor, CAS, Dept. of History, AMU

Dr. Daud Ibrahim
Asst. Prof. (Cont.), Dept. of History, MANUU

Dr. Khursheed Ahmad Bhatt
Asst. Prof. of History (Cont.) Lucknow Campus, MANUU

Prof. S. M. Azizuddin Husain
Former Head, Dept. of History & Culture, JMI

Prof. Mushtaq Ahmad Kaw
Former Head, Dept. of History, MANUU

Prof. Perwez Nazir
Centre for Advanced Studies, Dept. of History, AMU

Prof. Danish Moin
Dept. of History, MANUU

Prof. Alauddin Khan
Head, Dept. of History, Shibli National College

Dr. Samana Zafar
Associate Professor, Dept. of Woman Studies, MANUU

Mr. Mohd Aasim
Asst. Prof. of History (Cont.), CDOE, MANUU
(Language Editor)

Production

Prof. Nikhath Jahan
Professor (Urdu),
CDOE, MANUU

Mr P Habibulla
Assistant Registrar, Purchase
& Stores Section, MANUU

Dr Mohd Akmal Khan
Assistant Professor of Urdu (Cont.),
CDOE, MANUU

Mohd Abdul Naseer
Section Officer, CDOE, MANUU

Shaik Ismail
UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC
Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Centre for Distance and Online Education

Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

CRC Prepared by Mr. Mohd Aasim, Faculty of History, CDOE, MANUU
Printed at Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

فہرست

پیغام		وائس چانسلر	5
پیغام		ڈائرکٹر	6
کورس کا تعارف		کورس کوآرڈی نیٹر	7
اکائی نمبر	**اکائی کا نام**	**مصنف**	**صفحہ نمبر**
بلاک I	**عہد قدیم میں عرب اور اسلام کا عروج**		
1۔	ماقبل اسلام عرب اور اسلام کا عروج؛ ابتدائی تاریخی تحریریں	ڈاکٹر محمد تعظیم	9
2۔	پیغمبر محمد ﷺ اور اسلام کے بنیادی عقائد؛ قرآن اور حدیث	ڈاکٹر محمد تعظیم	22
3۔	مدینہ میں ریاست کا ارتقا	جناب محمد عاصم	42
4۔	خلافت راشدہ اور اسلامی ریاست کی توسیع	ڈاکٹر محمد تعظیم	54
بلاک II	**امویوں اور عباسیوں کے تحت ریاست**		
5۔	اموی حکومت کی توسیع اور استحکام	پروفیسر علاؤالدین خان	72
6۔	عباسی حکومت: توسیع اور استحکام	پروفیسر علاؤالدین خان	87
7۔	اموی اور عباسی دور میں سماج اور معیشت	پروفیسر علاؤالدین خان	104
8۔	اموی اور عباسی دور میں سائنسی اور ثقافتی ترقیاں	پروفیسر علاؤالدین خان	121
	تجویز کردہ اکتسابی مواد		147
	نمونہ امتحانی پرچہ		149

مصنفین کی تفصیلات

(Writers' Details)

Dr. Mohammad Tazeem Ex-Lecturer, Jamia Senior Secondary School	**ڈاکٹر محمد تعظیم**، سابق لیکچرر، جامعہ سینئر سیکنڈری اسکول
Mr Mohd Aasim Asst. Prof. of History (Cont.), CDOE, MANUU	**جناب محمد عاصم**، سی ڈی او ای، مانو، حیدرآباد
Prof. Alauddin Khan Head, Department of History Shibli National College, Azamgarh	**پروفیسر علاؤالدین خان** صدر، شعبہ تاریخ، شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ

پروف ریڈرس (Proof Readers)

اول : محمد عاصم

دوم : سید میر ابوالحسین

فائنل : شیخ محبوب باشا

ٹائٹل پیج (Title Page): ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU)، 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ A+ حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 500 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری/گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات واطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثر انداز ہوگا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم وتدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلامعاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو/ہندی/انگریزی/عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدر آباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

عزیز طلباء! آداب۔ کورس 'عہد وسطیٰ کی اسلامی دنیا' میں خوش آمدید۔ این ای پی-2020 کے تقاضوں کے مطابق تاریخ کے مضمون پر یہ خود اکتسابی مواد، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے فاصلاتی تعلیم کے ان طلبا کے لیے تیار کیا گیا ہے جو چار سالہ یو جی پروگرام کے سمسٹر چہارم میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس میں، آپ ماقبل اسلام عرب کے حالات سے لے کر اسلام کے ظہور اور اس کی عالمگیر توسیع کا مطالعہ کریں گے۔ آپ پیغمبر محمد ﷺ کی حیات طیبہ، اسلام کے بنیادی عقائد (قرآن اور حدیث)، اور مدینہ میں ریاست کے ارتقا کے ساتھ ساتھ خلافت راشدہ کے دور میں اسلامی ریاست کی توسیع کو سمجھیں گے۔ آپ دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ، اموی اور عباسی خلافتوں کے تحت ریاست کی توسیع اور استحکام، اور ان ادوار میں سماج اور معیشت (بشمول تجارت اور غلامی کا ادارہ) کا گہرا مطالعہ کریں گے۔ یہ کورس آپ کو اموی اور عباسی دور میں ہونے والی شاندار سائنسی اور ثقافتی ترقی، فن تعمیر، ادب، بیت الحکمت، اور فقہی مکاتب فکر کے ارتقا کو سمجھنے میں بھی مدد دے گا، جنہوں نے عالمی تاریخ اور انسانی تہذیب پر دور رس اثرات مرتب کیے۔

حالیہ دور تک، تاریخ کو بادشاہوں اور شہنشاہوں کے عظیم کارناموں/بداعمالیوں کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ ملکائیں بھی زیادہ تر اپنے عظیم مردوں کے تعلق کی وجہ سے ظاہر ہوئیں۔ دوسرے لفظوں میں، تاریخ کو بادشاہوں اور ریاستوں، شہنشاہوں اور سلطنتوں، کے ناموں کی ایک لمبی فہرست سمجھا جاتا تھا۔ اس میں ان کے ذریعے لڑی جانے والی جنگوں اور ان کی محبوباؤں وغیرہ کا تذکرہ بھی شامل تھا۔ مختصراً، تاریخ کا مطلب سیاسی تاریخ تھا اور بدقسمتی سے یہ سوچ عام لوگوں کے ذہنوں پر ابھی بھی حاوی ہے۔ عام لوگ، محنت کش عوام، جو اصل تاریخ ساز تھے، شاید ہی کبھی تاریخ کے ڈرامے میں نظر آئے۔ لیکن، اب تاریخ کے بارے میں نقطہ نظر بڑی حد تک تبدیل ہو چکا ہے اور اسی لیے تاریخ لکھنے کا طریقہ بھی بدل گیا ہے۔ عام لوگ بشمول مرد و خواتین، نے تاریخ میں اپنے حصے کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب تاریخ کی توجہ حکمرانوں سے رعایا کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ جیسا کہ تیلگو شاعر سری سری (سری رنگم سری نواس راؤ) نے اپنی نظم میں مناسب طریقے سے بیان کیا ہے، اب مورخین اس کی کھوج کرنا چاہتے ہیں اور 'تاریخ کے اندھیرے میں دبی پڑی سب کہانیوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ پوچھنے لگے کہ دریائے نیل کی تہذیب میں عام زندگی کیسی تھی اور تاج محل کی تعمیر میں پتھر ڈھونے والے قلی کون تھے اور سلطنتوں کے باہمی جنگوں میں عام لوگوں کی بہادری کیسی تھی۔ ناوہ ڈولی گنتی کی تھی چڑھ بیٹھا جس پر راجا، اس کے واہک کلی کون تھے؟' یہ بے حد ضروری ہے کہ تاریخ کا مطالعہ عام لوگوں کے نقطۂ نظر سے کیا جائے۔ مشہور ادیب جارج اورویل نے تاریخ کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ: 'جو ماضی کو قابو کرتے ہیں وہی مستقبل کو قابو کرتے ہیں: جو حال کو قابو کرتے ہیں وہی ماضی کو قابو کرتے ہیں۔' ممتاز مورخ پروفیسر کے ایس ایس شیشن نے زور دیا کہ 'تاریخ کا سماج سے وہی رشتہ ہے جو یادداشت کا فرد سے ہے۔' ودیاواچسپتی ایس ایم باشا کے مطابق جو ماضی کو اچھے سے سمجھتے ہیں، وہ حال کو بہترین طریقے سے سمجھ سکتے ہیں؛ اور اسی طرح ماضی کو اچھے ڈھنگ سے سمجھنے کے لیے حال کا گہرا علم ضروری ہے۔

UGC-DEB کی ہدایات کے مطابق، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے سیلف لرننگ مٹیریل لکھنے کے لیے بہترین مصنفین کو راغب کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ یہ نہ صرف آپ کی تعلیمی کارکردگی کے لیے کارآمد ثابت ہوگا بلکہ مختلف مسابقتی امتحانات کو اعتماد کے ساتھ دینے کے قابل بھی بنائے گا۔ ہم شعبہ تاریخ، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم میں، آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ کورس میں ایک بار پھر خوش آمدید۔ میں آپ کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا

کورس کوآرڈی نیٹر

عہد وسطیٰ کی اسلامی دنیا

Medieval Islamic World

اکائی 1۔ ماقبل اسلام عرب اور اسلام کا عروج: ابتدائی تاریخی تحریریں

(Pre-Islamic Arabia and the Rise of Islam: Early Historical Writings)

اکائی کے اجزا

1.0		تمہید
1.1		مقاصد
1.2		عرب کا جغرافیہ
1.3		ماقبل اسلام عرب
	1.3.1	اقوام عرب
	1.3.2	سیاسی حالت
	1.3.3	سماجی حالت
	1.3.4	مذہبی حالت
	1.3.5	اخلاقی حالت
	1.3.6	تجارت
1.4		اسلام کا آغاز و عروج
	1.4.1	ابتدائی حالات
	1.4.2	پیغمبر مدینہ میں
1.5		ابتدائی تاریخی تحریریں
1.6		اکتسابی نتائج
1.7		کلیدی الفاظ
1.8		نمونہ امتحانی سوالات

1.0 تمہید (Introduction)

عرب کا علاقہ حالانکہ دو عظیم و متمدن سلطنتوں ایران کی زرتشتی ساسانی اور قسطنطنیہ کی عیسائی بازنطینی سلطنتوں کے درمیان واقع تھا۔ جن سے ان کے تجارتی مراسم بھی تھے۔ ان کے مذاہب کے اثرات بھی کچھ قبائل میں موجود تھے اس کے علاوہ یہودیت بھی عرب کے کچھ شہری علاقوں میں پائی جاتی تھی۔ لیکن عربی سماج میں ان سلطنتوں کے تمدن کے اثرات مرتب نہ ہوئے تھے۔ اسلام سے قبل عرب قبائل میں تقسیم تھے اور خانہ جنگی میں ملوث تھے۔ عرب زیادہ تر بادیہ نشین تھے۔ شہر کم تھے، مویشی پالنا اور تجارت ان کے اہم پیشے تھے۔ مذہبی اور اخلاقی طور پر دنیا میں سب سے پس ماندہ تھے۔ مکہ جو عربوں کا تجارتی مرکز تھا وہ ان کا سب سے بڑا مذہبی مقام بھی تھا جہاں سینکڑوں معبودوں کی پوجا کی جاتی تھی اور قربانی دی جاتی تھی۔ کوئی اخلاقی اور سماجی برائی ایسی نہ تھی جو ان میں نہ پائی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بہادری، ایفائے عہد، جانثاری، مہمان نوازی، سخت جانی وغیرہ جیسے اوصاف کی حامل بھی تھے۔ یہی وہ عرب کی سرزمین تھی جہاں مذہب اسلام کو ظہور ہوا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے عربوں کی جہالت اور اخلاقی پستی بھری زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور یہ قوم جو سینکڑوں معبودوں کی عبادت کرتی تھی اس کو وحدہٗ لاشریک کی پرستش کرنے والا بنا دیا۔ ساتھ ہی عرب قوم کو جو سماجی اعتبار سے انتشار کا شکار تھی اس کے نسلی و خاندانی تفخر کو مٹا کر اور وحدت و اخوت کا درس دے کر ایک عظیم امت میں تبدیل کر دیا۔ جس کی مثال انسانی تاریخ میں پڑھنے کو نہیں ملتی۔

1.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- قبل از اسلام جزیرہ نما عرب کے جغرافیائی حالات سے واقف ہو جائیں گے۔
- قبل از اسلام عربوں کی سیاسی اور سماجی تنظیم کو سمجھ سکیں گے۔
- عربوں کی مذہبی زندگی اور معیشت سے واقفیت ہونگے۔
- اسلام کے آغاز، اس کے عروج و اثرات کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- اس عہد سے متعلق ابتدائی تاریخی تحریروں کو جان سکیں گے۔

1.2 عرب کا جغرافیہ

لفظ عرب کے ایک معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہیں۔ اہل عرب اپنی زبان کی فصاحت و بلاغت کے مقابلے پوری دنیا سے اپنے کو افضل سمجھتے تھے اور دوسری قوموں کو عجم یعنی گونگا جانتے تھے۔ دوسرا معنی یہ کہ 'عرب' مشتق ہے لفظ عربہ سے جس کی معنی دشت و صحرا کے ہیں۔ واقعتاً عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے اس لئے سارے ملک کو عرب کہا جانے لگا۔ خطۂ عرب جس علاقے پر محیط ہے، وہ بحیرہ احمر، بحر ہند (بحیرہ عرب)، خلیج عمان، خلیج فارس اور دریائے فرات سے گھرا ہوا ہے، جس کی وجہ سے یہ ایک جزیرہ نما معلوم ہوتا ہے۔ پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ یمن سے شروع ہو کر بحیرہ احمر کے متوازی چلتا ہوا شمال میں شام تک پہنچتا ہے۔ اس درمیانی پہاڑی سلسلے کو عربی میں

'حجاز' (یعنی رکاوٹ) کہتے ہیں کیونکہ یہ نشیبی ساحلی علاقے (تہامہ) اور بلند سطح مرتفع (نجد) کے درمیان حائل ہے۔ کہیں کہیں یہ پہاڑ سمندر کے بالکل قریب ہیں اور کہیں ساحل سے دور ہٹے ہوئے ہیں۔ ان پہاڑوں اور ساحل کے درمیان بنجر اور نشیبی علاقے ہیں، جن کے بیچ میں سرسبز وادیاں اور شاداب نخلستان بھی پائے جاتے ہیں۔ حجاز کے پہاڑی سلسلے کے مغرب میں بحیرہ احمر کے ساتھ ساتھ 'تہامہ' کا ساحلی میدان ہے، جہاں عقبہ اور جدہ کی بندرگاہ واقع ہیں۔ دوسری جانب، پہاڑوں کے مشرق میں 'نجد' کا وسیع پٹھار پھیلا ہوا ہے، جو عراق کی سرحد تک چلا گیا ہے۔ اس علاقے میں صحرا، بیابان، گھاٹیاں اور کہیں کہیں ہرے بھرے علاقے (واحے) موجود ہیں۔

تاریخی و جغرافیائی اعتبار سے اس وسیع خطے کو چند اہم حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: شمال کی جانب 'عرب الحجر' کا علاقہ ہے۔ پھر خاص 'حجاز' کا علاقہ آتا ہے جس میں مکہ، مدینۃ النبی (یثرب) اور طائف جیسے مشہور شہر آباد ہیں۔ حجاز کے جنوب میں 'عسیر' کا خطہ ہے جس کی سرحدیں یمن سے ملتی ہیں۔ خاص 'یمن' جزیرہ نما عرب کا جنوب مغربی علاقہ ہے جس کے مغرب میں بحیرہ احمر، جنوب میں بحر ہند، شمال میں عسیر و نجد اور مشرق میں حضر موت واقع ہے۔ قدیم دور میں لفظ 'یمن' وسیع معنوں میں پورے جنوبی عرب کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ عرب کے جنوب مشرقی ساحل پر 'عمان' واقع ہے، اور اس کے شمال میں خلیج فارس کے کنارے 'بحرین' کا تاریخی خطہ ہے۔ اس مشرقی علاقے کو (خاص طور پر اس کے مرکزی حصے کو) 'ہجر' بھی کہا جاتا تھا۔

عرب کا زیادہ تر علاقہ ریگستان پر مشتمل ہے۔ یہاں بارش کم ہوتی ہے۔ پہاڑ بھی کم اور سیاہی مائل ہیں جن میں کسی طرح کی روئیدگی نہیں ہے۔ ان ہی پہاڑوں میں کہیں کہیں پانی کے چشمہ بھی نکلتے ہیں جن کی وجہ سے کہیں کہیں ہریالی نظر آجاتی ہے۔ ایسے ہی علاقوں میں لوگ آباد ہوگئے ہیں ورنہ ملک کا زیادہ تر حصہ پانی کی کمی کا شکار ہے اور غیر آباد ہے۔ بادیہ نشین عرب چارے اور پانی کی تلاش میں سفر کرتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے ان میں جفاکشی اور چستی زیادہ پائی جاتی ہے۔ ان کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار اونٹوں پر ہے جن کا دودھ اور گوشت ان کی غذا کا اہم ذریعہ ہیں اسی کی اون و کھال سے ان کے لباس اور خیمے تیار ہوتے ہیں۔ ریگستان میں اونٹ کی پشت میں سامان لاد کر سفر کرنا آسان ہوتا ہے۔ یمن کا علاقہ زیادہ سرسبز ہے۔ اس میں نخلستان بھی ہیں اور زراعت بھی ہوتی ہے۔ اسی لئے اس علاقے میں شہر زیادہ آباد ہیں۔ جہاں چاہتے وسیع میدانوں میں خیمہ زن ہو جاتے۔ ان کی طبیعت میں سادگی، مزاج میں تندی اور گفتگو میں سختی تھی۔

عرب میں دو طرح کے باشندے، شہری اور بادیہ نشین یعنی بدوی آباد تھے۔ جزیرہ نما عرب میں بہت سے شہر موجود تھے خاص طور پر یمن کے علاقے میں مثلاً مآرب و صنعاء جن کے متعلق اہل یمن کا گمان ہے کہ زمین پر سب سے قدیم ترین شہر ہیں۔ اس کے علاوہ زبید، عدن، مخا اور شبام وغیرہ۔ تہامہ میں، مکہ، طائف، مدینہ اور خیبر، نجد میں حائل، عروض میں حجر اور بحرین میں قطیف وغیرہ۔ ''بدوؤں میں جو اچھائیاں اور برائیاں ہیں: مثلاً ان کی اپنے قبیلے سے محبت، ان کی عجیب و غریب حمیت، ان کا منچلا پن، ان کا جذبہ انتقام اور ان کی انسانی زندگی کے بارے میں لاپروائی... لیکن شہری اور بدو میں چاہے کتنا بھی فرق ہو، عرب جبلتاً بادیہ زاد (خانہ بدوش) ہیں۔ ان کی پرجوش حب آزادی اور ان کی روحانی بلند پروازی، ان کے صحرائی مسکن کی کھلی ہوا اور بیکراں پنہائیوں کا نتیجہ ہے۔ عرب کے قبائل میں کسی قسم کی وحدت نہ تھی۔ ہر قبیلہ مدنی

نشوونمااور مذہب میں دوسرے قبائل سے مختلف تھا۔ جزیرہ نماعرب میں بہت سی قومیں مختلف زمانوں میں آبادرہ چکی تھیں جن کے اچھےاور برے کاموں کی یادبعد کی نسلوں کے ذہن میں تازہ تھیں۔ جوان کی روایتی تاریخ تھی۔

1.3 ماقبل اسلام عرب

1.3.1 اقوام عرب

عرب ان قوموں کو جو جزیرہ نماعرب میں آبادرہ چکی تھیں، تین بڑے گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

- **عرب البائدہ:** عرب بائدہ: یعنی وہ عرب جو سامی قوم سے پہلے اس ملک میں آباد تھےاور اب معدوم ہو چکے تھے جن کے متعدد قبیلے تھے: عاد، ثمود، عمالقہ، طسم، جدیس، امیم، جرہم وغیرہ۔
- **عرب العاربہ یا متعاربہ:** یعنی اصل عرب اور خالص سامی قومیں یعنی یمن کے باشندے ہیں، جو روایت کے مطابق قحطان یایقطان کی اولاد سے تھےاور جنوب کی طرف نقل و حرکت کے دوران ابتدائی باشندوں کو تباہ کر دیا تھا۔ان کے مشہور قبیلے حمیر، کہلان اور ازد ہیں جن کی متعدد شاخیں ہیں۔
- **عرب المستعربہ:** یعنی وہ لوگ جو عرب میں آکر آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ ابراہیمؑ کے خاندان کے سامی نسل کے لوگ تھے جو یا تو پرامن مہاجروں یا فوجی آبادکاروں کی حیثیت سے جزیرہ نماعرب میں آکر آباد ہوئےاور قحطانی عربوں کے ساتھ شادی بیاہ کر کے انہی کے ساتھ رہنے لگے۔ ربیعہ، مضر، بکر، تغلب، ہوازن، غطفان، ہذیل، کنانہ، اسد، قریش، جمح، سہم، مخزوم، تمیم، عدی، زہرہ، عبدالدار، عبد مناف، ہاشم، عبد شمس (بنی امیہ) وغیرہ مشہور شاخیں ہیں۔

1.3.2 سیاسی حالت

چھٹی صدی میں اسلام، بازنطینی سلطنت جس کی راجدھانی قسطنطنیہ تھی اور ایران کی ساسانی سلطنت جس کی راجدھانی دجلہ ندی کے کنارے بغداد شہر کے قریب مدائن (ٹیسی فون) تھی، کے درمیانی علاقے یعنی خطہ عرب میں پھیلا تھا۔ بازنطینی سلطنت کا مرکز بحیرہ روم تھا۔ جس میں بلقان، اناطولیا، شام، مصر اور فلسطین کے علاقے بھی شامل ہو چکے تھے۔ قسطنطین کے عہد میں سلطنت کا مذہب عیسائیت قرار پایااور حکومتی سطح پر اس کو فروغ دیا گیا۔اس نے چرچ اور ریاست کے درمیان ایک تال میل قائم کرنے کی کوشش کی اور شہنشاہ سیاسی و مذہبی طاقت کی علامت بن گیا۔ یہاں یہودی اقلیت جو تجارتی سرگرمی میں مشغول تھی، اس کو مذہبی جبر و تشدد کا شکار ہونا پڑا۔ دوسری مرکزیت پر مبنی سلطنت، ساسانی تھی جو ایران، سندھ، عراق اور وسطی ایشیاء کے علاقے پر پھیلی ہوئی تھی۔ ساسانی زرتشتی مذہب کے پیروکار تھےاور یہ ان کا سرکاری مذہب بن گیا تھا۔ پروہت طبقہ ریاستی امور میں شریک کار تھا۔ بازنطینی انتظامیہ کے مقابلے میں ساسانی انتظامیہ زیادہ منظم تھا۔

جزیرہ نماعرب یعنی یمن کے علاقے میں مختصر مدتی طاقتور ریاستیں ابھریں۔ یہ زرخیر علاقہ تھا جہاں کی خاص پیداوار لوبان تھی جس کی بازنطینی سلطنت میں بہت مانگ تھی اور ایک مہنگی چیز تھی۔ان ریاستوں میں حکمراں طبقہ عموماً پجاری راجہ ہوا کرتا تھا۔ یہاں کی تجارت کافی

ترقی یافتہ تھی کیونکہ یہ بحر احمر اور بحر ہند کے درمیان واقع تھا۔ مشرقی ممالک اور ہندوستان کی قیمتی اشیاء یمن کے راستے ہی بحیرہ روم اور یوروپ جاتی تھیں۔ تاہم یہ یمنی ریاستیں دو بڑی سلطنتوں کے درمیان پس کر رہ گئیں۔ بازنطینی ان پر مستقل عیسائی مذہب قبول کرنے کا دباؤ بناتے تھے۔ ان علاقوں کے بہت سے لوگوں نے اس کی مخالفت میں یہودی مذہب قبول کر لیا تھا۔ ریگستانی راستوں کے ذریعہ جنوبی عرب کے لوگوں کی شمال کی طرف تجارت کی ترقی و سرگرمی نے بہت سے بدو قبیلوں کو بھی اس تجارت میں شامل کر لیا تھا۔ اس تجارت سے مکہ کو تجارتی مرکز کی حیثیت سے عروج حاصل ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ اس علاقے میں عیسائیت اور یہودیت کی موجودگی نے یہاں کے مذہبی یقین و اعتقاد میں وحدانیت یعنی ایک خدا کی عبادت کا تصور پیدا کیا۔ ساسانی اور بازنطینی سلطنتوں کے درمیان ہونے والی جنگوں کی وجہ سے خلیج فارس اور بحر احمر کا راستہ غیر محفوظ ہو گیا جس کی وجہ سے مکہ کے راستہ ہونے والی تجارت کی اہمیت بڑھ گئی اور یمن کے راستے ہونے والی ہندوستان و مشرقی ایشیاء کی تجارت پر اہل مکہ کا کنٹرول ہو گیا جو ان کی خوشحالی کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوئی۔

1.3.3 سماجی حالت

اسلام کے آغاز سے قبل عربوں کی حالت ایک پسماندہ قوم کی مانند تھی جس کی سماجی بنیاد قبیلائی تنظیم تھی۔ ہر خیمہ ایک گھر یا خاندان تھا۔ ان خیموں کا باہم پڑاؤ 'حی' کہلاتا تھا۔ اس کے افراد سے برادری بنتی تھی۔ اس طرح کی برادریاں مل کر ایک قبیلہ کہلاتی تھی۔ جس کے افراد ایک دوسرے کو ہم خاندان سمجھتے تھے۔ عرب قوم کے لئے قبیلہ ریڑھ کی ہڈی کی مانند تھا۔ چونکہ یہی وہ بنیاد تھی جس پر عربوں کی تہذیب و تمدن کی عمارت کھڑی تھی۔ لیکن سیاسی اعتبار سے عربوں میں اتحاد نہ تھا۔ کیونکہ ان کا شیرازہ قبیلوں میں بکھرا پڑا تھا۔ عرب قبائل و خاندان کی آپسی کشمکش، باہمی جھگڑوں اور خانہ جنگی جیسے حالات نے عربوں کو ایک جھنڈے کے تلے متحد نہیں ہونے دیا۔ یہ کشمکش اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہ تھی بلکہ ذاتی بغض و عناد اور خاندانی جھگڑوں وغیرہ پر مبنی تھی، اس وجہ سے یہ لوگ متحد نہ ہو سکے تھے۔ نتیجتاً ان میں تہذیب و تمدن کا فقدان رہا۔ ہر قبیلے کا ایک حقیقی یا افسانوی جد امجد ہوا کرتا تھا اور ہر قبیلہ اپنے معاملات میں خود مختار و آزاد تھا۔ کسی بھی طرح کے باہری دباؤ یا اقتدار کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔

برادری کا سردار شیخ (سید) کہلاتا تھا۔ جو عموماً قبیلے کا سن رسیدہ شخص، عقل و فہم کا مالک، معتدل رائے والا، بہادری و فیاضی کی مثال ہوتا تھا۔ ان ہی ذاتی اوصاف کی بنیاد پر برادری یا قبیلے کے لوگ اس کا حکم مانتے تھے۔ شیخ کی سن رسیدگی اور اس کے ذاتی اوصاف و اخلاق کی بنیاد پر ہی اس کا انتخاب ہوتا تھا۔ جنگی معاملات اور مشترکہ امور میں برادری اور قبیلے کے بزرگ و ذی فہم افراد سے مشورہ کرنا اس کے لازمی امور میں شامل تھا۔ بالفاظ دیگر وہ معاملات میں خود مختار اور مطلق العنان نہ تھا۔ شیخ اپنے منصب پر اسی وقت تک بنا رہ سکتا تھا جب تک قبیلے و برادری میں اسے مقبولیت حاصل رہتی تھی۔ بنیادی طور پر عرب جمہوریت پسند تھے ساتھ ہی ساتھ عیش و عشرت کے دلدادہ اور خاندانی امیروں کا مزاج رکھتے تھے۔ نسلی تفاخر کی بنیاد پر عرب دیگر تمام اقوام سے اپنے آپ کو افضل و شریف اور تخلیق انسانی کا کامل نمونہ سمجھتے تھے۔ نسلی طہارت، زبان کی فصاحت و بلاغت، شاعری، تلوار، بہادری و جرأت، حوصلہ مندی، اپنے گھوڑے اور سب سے بڑھ کر اپنے حسب و نسب اور بزرگ اسلاف پر اہل عرب کو بے حد ناز اور فخر تھا۔ جس نے خطۂ عرب کو مختلف قبائل اور خاندان کا میدان کارزار بنا دیا تھا ان قبائل میں صدیوں پرانی

باہمی عداوتیں چلی آرہی تھیں جس نے انہیں متحد نہ ہونے دیا۔ایران، روم ویمن جیسے متمدن علاقوں سے تجارتی روابط کے باوجود یہ علاقہ تہذیب وتمدن سے کوسوں دور بنا رہا۔

1.3.4 مذہبی حالت

جزیرہ نماعرب میں اسلام کے ظہور سے قبل یہودی اور عیسائی مذہب بھی رائج تھا۔یہودیوں کو اشوریوں، یونانیوں اور رومیوں کے ذریعہ بے گھر کئے جانے کے بعد عربوں کے یہاں امان مل گئی تھی۔ لیکن ان کی شورہ پسندی اپنی جگہ جاری تھی۔یہودیوں نے عربوں کے بہت سے قبائل کو جیسے یمن میں کہلان اور دو قبیلے بنو قریظہ اور بنو نضیر جو بنی اسماعیل سے تھے، کو یہودی مذہب میں داخل کر لیا تھا۔اسی طرح خیبر اور یثرب میں یہودی آباد تھے۔دوسری طرف بین النہرین میں بنی تغلب اور بحرین میں بنی عبدالقیس، عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے۔ نجران میں بنی حارث ابن کعب، عراق میں بنی عباد، شام میں آل غسان اور خزاعہ اور دومتہ الجندل میں بنی کلب بھی عیسائیت قبول کر چکے تھے۔ فلسطین اور مصر کے بادیہ نشین قبائل میں سے کچھ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔آل حمیر میں مجوسیت اور صابیت کے پیروکار موجود تھے۔ان کے علاوہ بہت سے قبائل ستارہ پرستی کرتے تھے۔ جیسے بنی اسد عطارد، بنی جرہم مشتری، بنی طے سہیل اور قیس عیلان کے جانشین شعریٰ کی عبادت کرتے تھے۔بت پرستی تو عام تھی۔قریش تین چاند دیویوں، لات، منات، عزیٰ کو پوجتے تھے اور انہیں اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے۔مکہ اس زمانے میں بت پرستی کا مرکز تھا۔اس دور میں بہت سے قبائل میں جانور، پودے، غزال، گھوڑے، اونٹ، کھجور کا درخت، چٹانیں، پتھر معبود تصور کئے جاتے تھے۔بتوں کے ذریعہ غیب کی اطلاعات حاصل کرنے کا عقیدہ عام تھا۔بتوں کے تیروں کے ذریعہ فال نکالی جاتی تھی۔پروہتوں کو بیش بہا ہدئے دیے جاتے تھے۔اسی کے ساتھ وہ ایک خدائے بزرگ و برتر کے تصور سے بھی آشنا تھے اور کچھ لوگ بت پرستی کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔اپنے زمانے کی مادہ پرستی اور فحاشی سے سخت متنفر تھے۔ یہ لوگ رب اعلیٰ کے صراحتاً قائل تھے اور ایک نجات وہندہ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔اس سب کے باوجود بھی خانہ کعبہ تمام قبائل کے نزدیک سب سے زیادہ مقدس اور باعظمت تھا۔ یہاں پر یہودی اور صابی بھی نذریں چڑھاتے تھے۔ ہر خاندان کا ایک علاحدہ بت تھا۔انسانی قربانی کا دستور بھی تھا۔یہودیت اور عیسائیت بھی ان عربوں میں انسانی خوبیاں پیدا کرنے میں ناکام رہی تھی۔

1.3.5 اخلاقی حالت

سید امیر علی عربوں کی اخلاقی حالت کے متعلق لکھتے ہیں ''وہ (عرب) صرف تجارتی مال ہی نہیں لائے، ان کے جلو میں عیش وعشرت کی وہ تمام عادتیں اور وہ تمام خرابیاں بھی آئیں جنہوں نے ہمسایہ سلطنتوں کو زنگ کی طرح کھالیا تھا۔یونانی وایرانی کنیزیں، جو شام اور عراق سے لائی جاتی تھیں نہ صرف رقص وسرود سے امیروں کے لئے مشغلۂ بیکاری مہیا کرتی ہیں بلکہ ان کی نفسانی تسکین کا ذریعہ بھی بنتی تھیں۔وہ شاعر جس کا کلام عربوں کو مایۂ افتخار ہے صرف موجودہ زندگی کی لذتوں کے گیت گاتا تھا اور لوگوں کی اخلاقی خرابیوں کو شہ دیتا تھا۔ فکر فردا کسی کو نہ تھی۔''

عربوں میں شراب، رقص و سرود، جوا و قمار بازی غیرہ کا چلن عام اور باعث فخر تھا۔ حالانکہ ناچ گانا، ادنی اور عصمت فروش عورتوں کا پیشہ تھا مگر ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ تعداد ازواج پر قید نہ تھی۔ خواتین کو ایک استعمال کی شہ سمجھا جاتا تھا۔ بیٹی کی پیدائش خاندان کے ماتھے پر کلنگ تصور کی جاتی تھی اسی لئے بیٹیوں کو قتل کرنے اور زندہ در گور کرنے کا شیطانی رواج بعض قبائل قریش اور کندہ میں عام اور قابل فخر سمجھا جاتا تھا۔ محرمات سے نکاح کا عام دستور تھا۔ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اپنی سگی ماں کے سوا باقی تمام سوتیلی ماؤں کا مالک بن جاتا تھا جو اس کی وراثت کا حصہ تھا۔ عموماً مرد و عورت کے اولیا کی رضامندی کے بعد عقد نکاح ہوتا تھا۔ طلاق کا حق مرد کو حاصل تھا مگر بعض مرتبہ لڑکیاں بوقت نکاح طلاق کا حق اپنے ہاتھ میں رکھتی تھیں۔ جنگوں میں مال غنیمت میں ملی عورتیں حلال تھیں اور ان سے پیدا اولاد کنیز زاد کہلاتی تھی۔ اس لئے عرب شرفاء اپنی اولاد کو اس ننگ سے بچانے کے لئے اس سے احتراز کرتے تھے۔ بھائی حق پر ہو یا نہ ہو اس کی مدد کرنا فرض تھا۔ قبیلے کے کسی بھی فرد کا لڑائی کے لئے آواز لگا دینا ہی کافی تھا۔ قبائل کے درمیان رؤسا اور افراد کے ذریعہ باہم ہو جانے کے بعد، حلیف قبیلوں کو مدد کرنا فرض ہو جاتا تھا۔ پانی کے چشموں اور چراگاہوں پر حق ملکیت کو لے کر باہمی جھگڑے جنگ کی شکل اختیار کر لیتے تھے اور یہ سلسلے طویل عرصے تک جاری رہتے۔ اس کے ساتھ عربوں کی مہمان نوازی ضرب المثل تھی وہ مہمان کی ضیافت کی خاطر اپنی سواری کی اونٹنی کو بھی ذبح کرنے میں نہ ہچکچاتے تھے۔ ایفائے عہد کی پابندی اہل عرب کے لئے فرض کا درجہ رکھتی تھی۔ جان جائے پر عہد نہ جائے کے مصداق ایفائے عہد کو نبھاتے تھے۔ بہادری و شجاعت عربوں کا خصوصی وصف تھا۔ انجام کی پرواہ کئے بغیر وہ سخت سے سخت مہموں پر پیش قدمی کر گذرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان میں سفاکی کا عنصر غالب تھا اور حلم کی صفت کم پائی جاتی تھی۔

1.3.6 تجارت

جزیرہ نما عرب کی تاریخ میں مکہ ایک انتہائی اہم مقام تھا۔ جہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ تعمیر کیا جس نے آگے چل کر عرب کی مذہبی اور تجارتی زندگی کے مرکز کے طور پر شہرت حاصل کی اور عرب کے تمام شہروں پر اس کو فوقیت ملی۔ یہ عرب قوم کا مقدس ترین معبد بن گیا۔ جس میں آگے چل کر 360 بت نصب ہو گئے تھے۔ اس کے مرکز میں سرخ عقیق کا بنا ہبل کا بت تھا۔ ایک سونے اور ایک چاندی کے غزالین تھے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے بھی بت تھے۔ لات و عزیٰ کے اہم بت تھے۔ ''لوگ ہر سال یہاں آتے اور سنگ اسود کا بوسہ دیتے اور سرتاپا برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا سات بار طواف کرتے۔'' چنانچہ مکہ ابتدائی ایام سے نہ صرف عربوں کی مذہبی عقیدت کا مرجع بلکہ ان کی تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ چونکہ پرانے زمانے کی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا اس لئے ہمسایہ ملکوں کی ساری دولت اور تجارت اس کی طرف کھنچی چلی آتی تھی۔ مکہ اس تجارتی سرگرمی کا مرکز تھا جس نے ہمیشہ عربوں کو دوسری ایشیائی اقوام سے ممتاز کیا ہے۔ مکہ سے وہ قافلے روانہ ہوتے جو یمن اور شہرۂ آفاق ہندوستان کی پیداوار اور مصنوعات لے جا کر بازنطینی ولایتوں اور ایران میں پہنچاتے تھے اور عراق و ایران کے شہروں کے ریشمی کپڑے لاتے تھے۔ ان تجارتی قافلوں کی حفاظت کی ذمہ داری عربی قبائل کے رؤسا کی ہوتی تھی۔ عرب میں بہت سے مشہور بازار تھے جہاں تجارتی اشیاء کی خرید و فروخت کے لئے عرب باشندے جمع ہوتے۔ قریش بھی ہر سال دو تجارتی سفر کرتے تھے۔ موسم گرما میں ان کے قافلے ملک شام جاتے تھے اور موسم سرما میں ان کے تجارتی سفر ملک یمن کے لئے ہوتے تھے۔

1.4 اسلام کا آغاز و عروج

1.4.1 ابتدائی حالات

سیاسی اعتبار سے غیر متحد، قبیلائی تقسیم، آپسی نزاع، خانہ جنگی، ذاتی بغض و عناد نے عربوں کو سیاسی طور پر متحد نہ ہونے دیا۔ حالانکہ یہ سیاسی اقتدار کی کشمکش نہ تھی بلکہ ذاتی و قبیلائی کشمکش تھی۔ ان حالات کے سبب ان میں تہذیب و تمدن کا فقدان رہا اور ان کی شان امتیاز کشت و خون، نفرت و عداوت، کینہ، بغض و حسد، عائلی و قبائلی عصبیت، فتنہ پروری، شر انگیزی، جرأت و بہادری، توہم پرستی، بدعقیدگی و بدکاری بن گئی۔ تقریباً 610ء میں پیغمبر عربی ﷺ نے اس مردہ و افسردہ قوم میں اسلام کے ذریعہ ایک نئی روح پھونک دی اور ان باہم جنگ و جدل میں مشغول متفرق قبیلوں کو وحدت بخش کر ایک ملت بنا دیا۔ گلہ بانوں و نیم خانہ بدوش افراد کو ایک عالمی مذہب کا پیشوا اور ہمہ گیر قانون کا امین بنا دیا۔ کیونکہ ''تم اس امر پر مبعوث ہوئے ہو کہ ساری نوع انسانی کو رحمت ربی اور وحدت کا پیغام پہنچاؤ''۔ مولانا محمد اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں ''25 رمضان کو جیسا کہ بعض مورخین کی تحقیق ہے غار حرا میں حضرت محمد ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ یہ تاریخ مطابق تھی 6 اگست 610ء کے۔ اس وقت حضور اکرمؐ کی عمر چالیس سال چھ مہینے 16 دن تھی اور شمسی حساب سے 39 سال 3 ماہ اور 16 دن کی۔ یہی تاریخ جاہلیت اور اسلام کی حد فاصل ہے کیوں کہ اسی دن خاتم النبیین محمدؐ کی نبوت کا آغاز ہو گیا۔''

ابتداء میں آپؐ کے انتہائی قریبی ساتھیوں میں آپؐ کی شریک حیات حضرت خدیجہؓ آپ کے دوست حضرت ابو بکر صدیقؓ، آپ کے دس سالہ چچازاد بھائی حضرت علیؓ اور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ جو آپؐ کے متبنٰی تھے، نے آپؐ کی اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔ تقریباً تین سال تک آپ خفیہ طور پر حق پسندوں کے درمیان اسلام کی تبلیغ و دعوت دیتے رہے۔ اس عرصے میں کچھ ہی لوگوں نے اسلام کو قبول کیا۔ کیونکہ ایک اللہ کو تسلیم کرنا اور اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کر دینا اس کے احکام کا پابند ہونا، اس زمانے کے رائج عقائد و ایمان کے تناظر میں یہ تصور و نظریہ بالکل نیا تھا۔ آہستہ آہستہ لوگ آپ کے خیالات و نظریات سے متفق ہونے لگے اور پیروکاروں میں اضافہ ہونے لگا۔ آپؐ نے کمزوروں کے استحصال سے لوگوں کو روکا اور مالدار طبقے کو ان کی سماجی ذمہ داری کے لئے ابھارا تاکہ سماج میں اخوت و مساوات کا رشتہ مضبوط ہو۔ ایک اللہ کی عبادت، نماز، اخلاقی اصول، خیرات جیسے کاموں کی طرف راغب کیا۔ چوری، شراب نوشی، قمار بازی، عیاشی جیسی برائیوں سے روکا اور مسلمانوں کو ایک امت میں تبدیل کر دیا۔

جلد ہی آپؐ کو مکہ کے قریش کے باثر لوگوں کی پر تشدد مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ آپؐ کے چچا اور سردار ابو طالب جو اگرچہ مسلمان نہ ہوئے تھے مگر آپؐ کی توحید پرستانہ تعلیمات سے اتفاق رکھتے تھے، نے آپؐ کی حتی المقدور حفاظت کی۔ آپؐ کے خاندان بنو ہاشم کا اہل مکہ کی طرف سے معاشی، سماجی و ازدواجی بائیکاٹ بھی کیا گیا۔ 619ء میں حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کے انتقال کے بعد اہل مکہ کی طرف سے جب مصائب و مشکلات میں اضافہ ہوا تو آپؐ نے اپنی امت کو ہجرت کرنے کے لئے کہا۔ شروع میں 83 مرد اور 17 عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ستمبر 622ء میں اہل یثرب (مدینۃ المنورہ) سے جان و مال کی حفاظت کے وعدہ و یقین کے بعد آپؐ مسلمانوں کے ساتھ مدینہ ہجرت

کر گئے جو بعد ازاں اسلام کا مرکز قرار پایا۔ اسی سال سے اسلامی کلینڈر کا آغاز ہوا جسے ہجری کلینڈر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آپؐ کی یہ ہجرت اسلام کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئی۔

1.4.2 پیغمبر مدینہ میں

مدینہ میں ایک طرف مسلمانوں کو حفاظت ملی، خانہ جنگی کا خاتمہ ہوا اور ملت اسلامیہ ایک بڑی امت میں تبدیل ہوئی۔ مدینہ کے یہودی اور مشرکین سے معاہدے ہوئے تاکہ ان کو آپؐ کی سیاسی قیادت میں شامل کیا جاسکے۔ یہ مدینہ کا آئین یا میثاق مدینہ کے نام سے تاریخ میں محفوظ ہے۔ اہل مکہ و قریش نے اور یہود نے حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے مقصد سے کئی جنگیں لڑیں۔ جیسے غزوہ بدر 623، غزوہ احد 624ء، غزوہ قینقاع 2ھ، غزوہ بنی نضیر 5ھ، غزوہ بنی المصطلق 5ھ، غزوہ احزاب (خندق) 5ھ، غزوہ خیبر 7ھ، غزوہ موتہ 8ھ، فتح مکہ 8ھ، غزوہ تبوک 9ھ وغیرہ۔ جن میں مسلمانوں کو فتوحات و کامیابیاں ملیں۔ بہت سے قبائل نے سمجھوتے کئے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ آہستہ آہستہ پورا عرب کا علاقہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ مدینہ منورہ، اسلامی حکومت کی راجدھانی بن گیا کیونکہ حضرت محمدؐ نے عرب کے بڑے حصے کو نئے عقیدے و مذہب میں داخل کر کے ایک امت بنا دیا اور اس قوم کو نئی اسلامی حکومت کے ماتحت متحد کر دیا تھا۔ لہٰذا اس ریاست میں عیسائی و یہودیوں کو ذمی کا درجہ دیا گیا۔ مکہ اسلام کا مذہبی مرکز بن گیا۔ جسے فتح مکہ کے وقت بتوں سے پاک کر دیا گیا تھا کیونکہ یہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا تھا جس کی طرف منہ کر کے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔ عربوں نے محسوس کیا کہ اسلام میں ثقافتی، معاشی اور مذہبی معاملات ایک دوسرے کے ساتھ باہم پیوست ہیں اور عربوں کی ضروریات کے مطابق یہ مذہب ان کے لئے مکمل دین تھا۔ حضرت محمدؐ نے لوگوں کو مذہب تبدیل کرنے کے لئے زبردستی نہیں کی اور عربوں کو مجبور نہیں کیا تھا۔ عربوں کے لئے اسلامی تعلیمات کی آفاقیت، اخوت و مساوات امن و آشتی کا درس ان کی بقاو ترقی کا ضامن ثابت ہوا۔ لہٰذا بڑی تیزی سے لوگوں نے مذہب اسلام کو قبول کر لیا۔

1.5 ابتدائی تاریخی تحریریں

ماقبل اسلام کے عرب سماج، جسے عام طور پر دورِ جاہلیت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، کی تاریخ اور اسلام کے ظہور سے لے کر عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے ابتدائی دور کی تاریخی تحریروں کا ارتقاء انسانی تاریخ کے ایک انتہائی دلچسپ، پیچیدہ اور عظیم الشان علمی سفر کی عکاسی کرتا ہے جس نے ایک غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ قوم کو دنیا کی منظم ترین تاریخ نویس قوم میں تبدیل کر دیا۔ اس سفر کے آغاز کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل اسلام کا عرب سماج، بنیادی طور پر ایک خالص زبانی (oral) معاشرہ تھا۔ اس وقت کے عربوں کے یہاں تاریخ نویسی کا کوئی باقاعدہ تحریری رواج یا ادارہ موجود نہیں تھا، بلکہ ان کا تاریخی شعور، سماجی روایات اور ماضی کی یادیں ان کے انتہائی طاقتور حافظے، قبائلی داستانوں اور خاص طور پر ان کی بے مثل شاعری پر منحصر تھیں۔ **'ایام العرب'** (یعنی عربوں کے ایام یا جنگوں کے دن) کی کہانیاں، جن میں مختلف قبائل کے درمیان ہونے والی طویل جنگوں، خونی جھڑپوں اور انفرادی و اجتماعی بہادری کے کارناموں کا تذکرہ ہوتا تھا، سینہ بہ سینہ اور نسل در نسل منتقل ہوتی تھیں۔ علم الانساب (genealogy) ان کا ایک اور محبوب مشغلہ تھا جس کے ذریعے وہ اپنے آباءواجداد کے شجرے حفظ

کرتے تھے تاکہ اپنی نسلی برتری اور قبائلی شناخت کو برقرار رکھ سکیں۔ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز جیسے تجارتی اور ثقافتی میلوں میں شعراء اپنے قبائل کے ترجمان اور مؤرخ سمجھے جاتے تھے، اور '**معلقات**' جیسے شاہکار قصیدے ان کے معاشرتی، ثقافتی اور قبائلی تفاخر کے ساتھ ساتھ ان کے طرزِ زندگی، صحرائی ماحول اور نفسیات کے اہم ترین تاریخی ماخذ تھے۔ تاہم، جب چھٹی صدی عیسوی کے اواخر اور ساتویں صدی کے اوائل میں مکہ کے افق سے اسلام کا نور طلوع ہوا، تو اس نے عربوں کے اس روایتی زبانی معاشرے میں ایک عظیم فکری اور ثقافتی انقلاب برپا کر دیا۔

اسلام کے ظہور اور عہدِ نبوی کے دوران، قرآنِ مجید خود ایک سب سے مستند اور بنیادی ہم عصر تاریخی ماخذ کے طور پر نازل ہوا، جو اگرچہ روایتی معنوں میں تاریخ کی کوئی سال بہ سال لکھی گئی کتاب نہیں ہے، لیکن اس میں اس دور کے معاشرتی حالات، اہم غزوات (جیسے بدر، احد، حنین اور خندق)، منافقین کی سازشوں، جزیرہ نما عرب کے سیاسی و سماجی تغیرات اور نئے اسلامی سماج کی تشکیل کا نہایت گہرا، مستند اور براہِ راست تاریخی مواد موجود ہے۔ عہدِ نبوی میں تحریری تاریخ کا باقاعدہ آغاز تو نہ ہو سکا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تمام تر توجہ قرآن مجید کی حفاظت اور اس کی تعلیمات پر مرکوز تھی، البتہ احادیث اور سنتِ رسول ﷺ کو محفوظ کرنے کا شعور بیدار ہو چکا تھا۔ میثاقِ مدینہ جیسی دستاویزات، جو کہ دنیا کے پہلے تحریری آئین کی حیثیت رکھتی ہیں، اور صلح حدیبیہ کے معاہدے سمیت وہ خطوط جو نبی کریم ﷺ نے روم، فارس، مصر اور حبشہ کے حکمرانوں کو لکھے، ابتدائی اسلامی دور کی پہلی باقاعدہ تاریخی اور سفارتی دستاویزات تصور کی جاتی ہیں۔ صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے اقوال، افعال، اور سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اپنے ذہنوں میں نقش کر لیا اور بعض صحابہ نے نجی طور پر '**صحیفے**' (جیسے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا صحیفہ صادقہ) بھی مرتب کیے۔

حضرت محمد ﷺ کے وصال کے بعد خلافتِ راشدہ کے دور میں، جب اسلامی سلطنت کی سرحدیں جزیرہ نما عرب کی حدود سے نکل کر شام، عراق، ایران اور مصر کے وسیع علاقوں تک پھیل گئیں، تو نئی انتظامی، قانونی، سیاسی اور سماجی چنوتیوں کے ساتھ ساتھ اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی گئی کہ مسلمانوں کی تاریخ، بالخصوص نبی کریم ﷺ کی سیرت اور غزوات کو آنے والی نسلوں اور نئے مسلمان ہونے والے عجمیوں کے لیے باقاعدہ طور پر محفوظ کیا جائے۔ خلافتِ راشدہ کے اواخر اور بنو امیہ کے ابتدائی دور میں باقاعدہ اسلامی تاریخ نویسی کی بنیادیں '**مغازی**' (جنگی مہمات کی تاریخ) اور 'سیرت' (نبی کریم ﷺ کی سوانح حیات) کی شکل میں رکھی گئیں۔ ابتدائی طور پر جن ممتاز شخصیات اور تابعین نے ان تاریخی روایات کو باقاعدہ جمع کرنے کا کام شروع کیا، ان میں عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان، وہب بن منبہ اور عاصم بن عمر بن قتادہ کے نام نمایاں ہیں۔ انہوں نے صحابہ اور عینی شاہدین سے براہِ راست روایات اکٹھی کر کے انہیں ایک خاص ترتیب دینا شروع کیا۔

اس کے بعد تاریخ نویسی کا وہ سنہرا دور آیا جس میں باقاعدہ کتابی شکل میں عظیم الشان اور مبسوط تاریخی تصانیف منظرِ عام پر آئیں۔ اس سلسلے میں دوسری صدی ہجری میں محمد بن اسحاق (ابن اسحاق) کا نام سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے جنہوں نے سیرت النبی پر پہلی باقاعدہ اور جامع کتاب '**سیرۃ رسول اللہ**' مرتب کی، جسے بعد ازاں ابن ہشام نے مزید تہذیب و تنقیح کے ساتھ 'سیرت ابن ہشام' کے نام سے پیش کیا، جو آج بھی عہدِ نبوی اور سیرت کے ابتدائی اور مستند ترین حوالوں میں شمار ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ الواقدی کی تصنیف '**کتاب التاریخ والمغازی**'،

عہدِ نبوی کی جنگی مہمات کی انتہائی باریک اور جغرافیائی تفصیلات فراہم کرتی ہے۔ اسی دور میں محمد بن سعد نے **'کتاب الطبقات الکبیر'** (طبقات ابن سعد) تصنیف کی جس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام، تابعین اور بعد کے راویوں کے حالاتِ زندگی کو طبقات اور نسلوں کی صورت میں بیان کیا گیا، جو علمِ رجال، راویوں کی جانچ پڑتال اور تاریخی شخصیات کے سوانحی جائزے کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔

اسلامی تاریخ نویسی کے اس عظیم ارتقائی سفر نے اس وقت عروج کو چھوا جب تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل میں عظیم مؤرخ امام محمد بن جریر الطبری نے اپنی شہرہ آفاق اور ضخیم تصنیف **'تاریخ الرسل والملوک'** (جو تاریخِ طبری کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہے) پیش کی۔ طبری نے اسلامی تاریخ نویسی میں حدیث کے علم سے مستعار لیا ہوا 'اسناد' (chain of narrators) کا طریقہ کار پوری سختی اور کمال مہارت کے ساتھ متعارف کرایا، جس کے تحت ہر تاریخی واقعے کو اس کے اصل راویوں کے تسلسل کے ساتھ بغیر کسی ذاتی تبصرے کے بیان کیا گیا، تاکہ پڑھنے والا اور محقق خود روایات کے تسلسل اور راویوں کے ثقہ ہونے کا اندازہ لگا سکے۔ تاریخِ طبری ماقبل اسلام کے انبیاء کی تاریخ، قدیم اقوام بالخصوص ساسانی سلطنت، اور خاص طور پر اسلام کے ظہور، عہدِ نبوی، خلافتِ راشدہ، بنو امیہ اور عباسی دور تک کے واقعات کا ایک ایسا جامع اور انسائیکلوپیڈیائی ماخذ ہے جس کے بغیر ابتدائی اسلامی تاریخ کا کوئی بھی مطالعہ نامکمل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فتوحات کی تاریخ پر احمد بن یحییٰ البلاذری کی **'فتوح البلدان'** بھی خلافتِ راشدہ کے دور کی تاریخ کا ایک انتہائی کلیدی ماخذ ہے جس میں اس دور کی اسلامی ریاست کی توسیع، مختلف علاقوں کی فتح، جنگی حکمت عملیوں اور وہاں کے مقامی باشندوں کے ساتھ ہونے والے انتظامی اور مالیاتی معاہدوں کی انتہائی مستند، معروضی اور مفصل دستاویزات پیش کی گئی ہیں۔

مجموعی طور پر، ماقبل اسلام کی شفہی اور قبائلی روایات سے لے کر اسلام کے ابتدائی ادوار کی انتہائی پیچیدہ، مفصل اور اسناد پر مبنی مربوط تاریخ نویسی تک کا یہ سفر مسلمانوں کی اس بے مثال اور گہری فکری بیداری کا ثبوت ہے جو انہیں اپنے مذہب، اپنے آخری نبی ﷺ کی سیرت اور اپنی نوزائیدہ اسلامی ریاست کے تشخص اور نظریے کو ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھنے کے لیے عطا ہوئی۔ عربوں کی وہ قوم جو اسلام سے قبل محض اپنے حافظے کی بنیاد پر صرف اشعار اور خون ریز کہانیوں میں اپنی تاریخ ڈھونڈتی تھی، اسلام کی تعلیمات اور قرآنی شعور کے زیرِ اثر ایک ایسی منظم، محققانہ اور کثیر الجہتی تاریخ نویسی کی بانی بن گئی جس نے نہ صرف مسلمانوں کے شاندار ماضی کو مکمل تفصیل کے ساتھ تحریری شکل میں محفوظ کیا بلکہ دنیا بھر کی تاریخ نویسی کے لیے علمی اصولوں، خاص طور پر تنقیدِ روایات، سوانح نگاری اور علمِ اسناد کے ذریعے، تحقیق و جستجو کے نئے عالمی اور سائنسی معیارات بھی قائم کیے جن پر آج کی جدید تاریخ نویسی بھی کسی نہ کسی شکل میں انحصار کرتی ہے۔

1.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبہ جزیرہ نما عرب کے جغرافیائی خدوخال، شہریوں اور بادیہ نشینوں کے تجارتی و مال مویشی پالنے کے پیشوں کے ساتھ ساتھ قبل از اسلام کے قبائلی نظام، معاشرتی برائیوں اور بت پرستی سے مکمل واقفیت حاصل کر سکیں گے۔ وہ یہ جان پائیں گے کہ 610ء میں پیغمبر محمد ﷺ کی بعثت اور مدینہ ہجرت کے بعد کس طرح اسلامی تعلیمات نے عرب قبائل کو مساوات اور اخوت کی بنیاد پر

ایک متحد ملت اور فلاحی ریاست میں تبدیل کر دیا۔ مزید برآں، طلبہ ابتدائی تاریخی تحریروں کے ارتقائی سفر سے بھی آگاہ ہو سکیں گے اور یہ سمجھ پائیں گے کہ ماقبل اسلام کا عرب معاشرہ ایک خالص زبانی معاشرہ تھا، جہاں تاریخ اور روایات کو محض حافظے اور شاعری کے ذریعے سینہ بہ سینہ محفوظ رکھا جاتا تھا۔ وہ جان سکیں گے کہ اسلام کے ظہور کے بعد قرآن مجید ایک مستند ترین تاریخی ماخذ کے طور پر ابھرا، اور میثاقِ مدینہ نیز نبوی خطوط نے باقاعدہ تحریری و سفارتی دستاویزات کی بنیاد رکھی۔ طلبہ اس بات کا بھی ادراک کر سکیں گے کہ عہدِ خلافت راشدہ اور بنو امیہ میں مغازی اور سیرت نگاری کے آغاز نے کس طرح ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد اور بالخصوص امام طبری کے دور میں عروج پایا۔ اس طرح وہ سمجھ سکیں گے کہ اسلام کی بدولت عربوں کی یہ ان پڑھ قوم کس طرح علمِ اسناد اور تحقیق کے سائنسی اصولوں پر مبنی دنیا کی منظم ترین تاریخ نویس قوم بن گئی۔

1.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

بادیہ نشین	:	خانہ بدوش، جنگل میں رہنے والے، صحرا نشین
روئیدگی	:	اگاوٹ، نباتات کا اگنا، نشوونما
حی	:	زندہ، اللہ تعالیٰ کا نام، خاندان، قبیلہ
لوبان	:	خوشبودار گوند
شیخ	:	بوڑھا، بزرگ، استاد، پیر
سید	:	سردار، پیشوا
غزالین/غزال	:	ہرن، جوان ہرن
فال	:	شگون، پیشن گوئی
مبعوث	:	بھیجا ہوا
متبنیٰ	:	گود لیا بچہ، بیٹا بنانا

1.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

1.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. ظہورِ اسلام کے وقت ایران پر کس متمدن سلطنت کی حکومت تھی؟

(الف) بازنطینی سلطنت (ب) ساسانی سلطنت (ج) رومن سلطنت (د) اشوری سلطنت

2. عرب معاشرے میں خیموں کے باہم پڑاؤ کو کیا کہا جاتا تھا؟

(الف) حی (ب) شیخ (ج) طراز (د) موالی

3. قبل از اسلام قریش مکہ کن تین چاند دیویوں کی پوجا کرتے تھے؟

(الف) ہبل، اساف، نائلہ (ب) عاد، ثمود، طسم (ج) لات، منات، عزیٰ (د) کہلان، ازد، حمیر

4. مشہور و ضخیم تاریخی کتاب 'تاریخ الرسل والملوک' (تاریخ طبری) کس کی تصنیف ہے؟

(الف) محمد بن اسحاق (ب) ابن ہشام (ج) محمد بن جریر الطبری (د) احمد بن یحییٰ البلاذری

5. مسلمانوں نے ظلم و ستم سے تنگ آکر مکہ سے سب سے پہلی ہجرت کس ملک کی جانب کی تھی؟

(الف) مدینہ (یثرب) (ب) طائف (ج) یمن (د) حبشہ

1.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. جزیرہ نما عرب کے قرب و جوار میں کون کون سی سلطنتیں موجود تھیں؟
2. عرب کے جغرافیائی حالات پر مختصر نوٹ لکھئے؟
3. شہر مکہ کی اہمیت کی وضاحت کیجیے؟
4. عرب قبیلے کی ساخت پر روشنی ڈالئے؟
5. ایک عرب شخص کے اوصاف بیان کیجیے؟

1.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. قبل از اسلام عربوں کی سیاسی و معاشی نظام پر تفصیل سے لکھئے؟
2. اسلام سے قبل عربوں کی اخلاقی اور مذہبی زندگی پر ایک تفصیلی مضمون لکھئے؟
3. اسلام کے فروغ کے ساتھ عربوں میں کس طرح کی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ وضاحت کیجیے؟

جوابات

1. (ب) ساسانی سلطنت
2. (الف) حی
3. (ج) لات، منات، عزیٰ
4. (ج) محمد بن جریر الطبری
5. (د) حبشہ

اکائی 2۔ پیغمبر محمد ﷺ اور اسلام کے بنیادی عقائد: قرآن اور حدیث

(Prophet Muhammad and the Basic Tenets of Islam: The Quran, and Hadith)

اکائی کے اجزاء

2.0		تمہید
2.1		مقاصد
2.2		حضرت محمدؐ کی پیدائش و پرورش
2.3		بعثت
2.4		مکی دور
2.5		ہجرت
2.6		مدنی دور
2.7		سیرت
2.8		اسلام کے بنیادی ارکان و عقائد
	2.8.1	اجزائے ایمان
	2.8.2	ارکان اسلام
2.9		قرآن
2.10		حدیث
2.9		اکتسابی نتائج
2.10		کلیدی الفاظ
2.11		نمونہ امتحانی سوالات

2.0 تمہید (Introduction)

یہ اکائی پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ، اسلام کے بنیادی عقائد، اور اس کے دو اہم ترین ماخذ یعنی قرآن مجید اور علمِ حدیث کے تفصیلی مطالعے پر محیط ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح آپ ﷺ نے مکہ کے جاہلانہ معاشرے میں توحید کا پیغام دیا، شدید مخالفتوں اور تکالیف کا سامنا کیا، اور مدینہ ہجرت کر کے ایک مثالی، پرامن اور مساوات پر مبنی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس اکائی میں آپ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کی جدوجہد، اہم غزوات، فتح مکہ، حجۃ الوداع کے آفاقی خطبے اور آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے امتیازی پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ، اسلام کے بنیادی اجزائے ایمان (اللہ، فرشتوں، الہامی کتابوں، انبیاء اور آخرت پر یقین) اور ارکانِ اسلام (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کی سادہ اور واضح تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مزید برآں، اس اکائی میں قرآن مجید کے نزول و تدوین، اس کے اعلیٰ اخلاقی و سماجی نظام، حقوق العباد، اور علمِ حدیث کے ارتقاء، صحابہ کرامؓ کے ابتدائی صحیفوں، علم اسماء الرجال جیسے سائنسی اصولوں اور صحاح ستہ کی تدوین تک کے عظیم الشان علمی سفر کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے

2.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- حضور اکرمؐ کی پیدائش اور پرورش سے واقف ہو جائیں گے۔
- حضرت محمدؐ کی بعثت اور تبلیغ دین سے متعلق واقفیت حاصل کر سکیں گے۔
- پیغمبر کی مکی زندگی، اعلان نبوت اور اس کی مخالفت سے روشناس ہونگے۔
- پیغمبر اسلام کی مدینہ ہجرت اور اس کے نتائج کا اندازہ لگا سکیں گے۔
- پیغمبر کی مدنی زندگی، غزوات اور اسلام کی توسیع سے واقف ہو سکیں گے۔

2.2 حضرت محمدؐ کی پیدائش و پرورش

قبیلۂ قریش میں خاندان بنو ہاشم بڑی عزت و عظمت کا مالک تھا اور ان کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ آپ کے جد ہاشم نے اپنی کوشش سے قیصر و نجاشی کی سلطنتوں کی حدود میں قریش کے مال کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرا دیا تھا۔ حجاج کے ساتھ بڑی فیاضی سے پیش آتے اور حج کے زمانے میں ان کے کھانے پینے کا انتظام بڑی فراخدلی کے ساتھ کرتے تھے۔ ان کی فیاضی اور دریادلی کی وجہ سے قریش میں ان کی بڑی عزت و وقعت تھی۔ ان کی شادی مدینہ کے خاندان بنو نجار میں ہوئی تھی لیکن شادی کے بعد شام کے تجارتی سفر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ جسے ہاشم کے بھائی مطلب مدینہ سے مکہ لے آئے۔ مطلب کی پرورش کی وجہ سے ہی شیبہ کا نام عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام مشہور ہو گیا۔ جو پیغمبر اسلام کے دادا تھے۔ آگے چل کر عبدالمطلب خانہ کعبہ کے متولی اور مکہ کے سردار بنے۔ ان کے ہی زمانے میں زم زم کے کنوئیں کو جو پٹ کر گم ہو گیا تھا، تلاش کر کے صاف کرایا گیا تھا۔ عبدالمطلب کے ایک بیٹے عبداللہ تھے جو ان کے

سب سے چہیتے بھی تھے۔ان کا نکاح قبیلہ زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی آمنہ سے ہوا۔یہی دونوں پیغمبر اسلام کے والدین تھے۔رسول اللہ ﷺ کی پیدائش بروز پیر، 9 ربیع الاول مطابق 17 اپریل 571ء میں ہوئی۔آپ کے والد عبداللہ کا انتقال آپ کی پیدائش سے چند مہینوں قبل ہو گیا تھا۔دادا عبد المطلب کو اپنے جوان اور محبوب ترین بیٹے عبداللہ کی بے وقت موت کا بڑا غم تھا۔پوتے کی پیدائش کی خبر سن کر نومولود بچے کو خانہ کعبہ میں لے جا کر دعائیں مانگی اور ساتویں دن عقیقہ کر کے ''محمد'' نام رکھا،اور پورے قبیلہ قریش کی دعوت کا اہتمام کیا۔''محمد'' عربوں کے لئے ایک نیا نام تھا۔لوگوں نے نام رکھنے کا سبب معلوم کیا تو عبد المطلب نے کہا کہ ''میرا فرزند ساری دنیا میں مدح و ستائش کا سزاوار قرار پائے۔''

عربوں کے شرفاء، دستور کے مطابق نومولود بچوں کو رضاعت کے لئے دیہاتوں میں بھیج دیتے تھے۔عبد المطلب نے بھی اسی دستور کے مطابق چھ ماہ کے اپنے پوتے حضرت محمدؐ کو دایہ حلیمہ کے حوالے کر دیا۔جنھوں نے پیغمبر اسلام کو دو سال تک اپنا دودھ پلا کر پرورش و پرداخت کی۔تیسرے سال اماں آمنہ کے حوالے کر دیا۔ابھی آپؐ چھ سال کے ہی تھے، والدہ آمنہ کا اپنے مرحوم شوہر عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ جاتے ہوئے ابواء کے مقام پر انتقال ہو گیا۔اب اس در یتیم کی پرورش کی ذمہ داری دادا عبد المطلب نے اٹھائی جنہیں اپنے پوتے سے غیر معمولی محبت تھی۔مگر یہ سایہ بھی ماں کے انتقال کے دو سال بعد سر سے اٹھ گیا۔اب اس یتیم کی پرورش کی ذمہ داری آپؐ کے چچا ابو طالب نے نبھائی۔وہ بھی آپؐ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔چونکہ ابو طالب ایک بڑے تاجر تھے اور تجارت کی غرض سے ملک شام کا اکثر سفر کرتے تھے۔اسی سبب 12 سال کی عمر میں پیغمبر ﷺ نے بھی اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا تھا۔جہاں ایک راہب بحیرا نے آپؐ کے نبی آخر الزماں ہونے کی بشارت دی تھی۔

حدود حرم میں قریش کی کنانہ اور قیس کے قبیلوں کے ساتھ جنگ ہوئی جو حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔اس میں آپؐ نے بھی شرکت کی تھی۔اس وقت آپ کی عمر 15 سال تھی۔آپؐ دشمنوں کے تیر چن کر اپنے چچاؤں کو دیتے لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی تھی۔اس جنگ کے بعد اہل مکہ، بنی ہاشم، بنی اسد، بنی تمیم وغیرہ نے یہ عہد کیا کہ کوئی بھی مظلوم چاہے اس کا تعلق کسی بھی قبیلے سے ہو اور مکہ میں وارد ہو تو ہم سب اس کی مدد کریں گے۔اس حلف کے موقع پر آپؐ بھی موجود تھے۔عہد رسالت میں آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ ''میں خوش ہوں کہ اس معاہدے میں شریک تھا، اگر بدلے میں مجھے سرخ اونٹ دیے جاتے تو بھی میں نہ لیتا اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی اس قسم کا عہد کرنا چاہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔''کسب معاش کی خاطر آپؐ نے جوانی کے عالم میں تجارت کا خاندانی پیشہ اپنایا لیکن سرمائے کی کمی کی وجہ سے مستقل تجارت نہیں کر سکتے تھے۔حالانکہ خاندانی پیشہ ہونے کی وجہ سے آپؐ کو تجارت کا خاصہ تجربہ تھا اور آپؐ کی دیانت داری، ایمانداری، سچائی اور تجربہ کی شہرت تھی۔اس لئے بہت سے تاجر منافع کی شرکت پر آپؐ کو کاروبار کے لئے سرمایہ دیتے تھے۔

پیغمبر اسلام کی دیانت داری، کاروباری تجربہ، پاکیزہ اخلاق اور امین ہونے کی شہرت سن کر مکہ کے قریش کی ایک دولت مند تاجر بیوہ حضرت خدیجہؓ نے اپنا سامان تجارت، منافع کی شرکت کی بنیاد پر آپ کے حوالے کیا۔آپؐ ان کا مال لے کر ملک شام گئے جس میں بہت نفع

حاصل ہوا۔اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی آپؐ کے ہمراہ تھا جو آپؐ کے پاکیزہ اخلاق، دیانت داری و عادات سے بہت متاثر ہوا تھا، واپس آکر اس نے حضرت خدیجہؓ سے ذکر کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنی لونڈی بھیج کر آنحضرتؐ سے نکاح کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ بیوہ تھیں اور اپنا کاروبار چلانے کے لئے انہیں بھی ایک پاکیزہ اخلاق اور امین شوہر کی ضرورت تھی۔آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کی درخواست کو منظور کیا اور ابو طالب نے 500 طلائی درہم مہر پر نکاح پڑھایا۔اس وقت آپؐ کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کے چار بیٹیاں اور تین بیٹے پیدا ہوئے۔ لیکن بیٹے سب کے سب بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔قریش نے اسی وجہ سے آپؐ کے لئے ایک ناشائستہ خطاب 'الابتر' تراشا تھا جس کا لغوی معنی دم کٹا ہوا اور ثانوی معنی بے اولاد تھا۔

35 سال کی عمر میں آپؐ نے اپنے حسن تدبیر سے مکہ کے قبائل کی باہم خونریزی کے امکان کو ختم کر دیا تھا۔ہوا یوں تھا کہ سیلاب کے سبب خانہ کعبہ کی عمارت کمزور ہو گئی تھی۔قریش نے اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کیا لیکن جب حجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو اس شرف کے حصول کے لئے قبائل میں نزاع پیدا ہوا اور تلواریں نکل آئیں۔اس مسئلہ میں پیغمبر کو لوگوں نے حکم بنایا۔آپؐ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود اس پر رکھا اور سرداران قبائل سے اس چادر کے کنارے پکڑ کر اٹھانے کے لئے کہا اور جب چادر اس مقام پر آگئی تو پھر آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر نصب فرما دیا۔اس حسن تدبیر سے قبائل میں آپس میں ہونے والی ممکنہ جنگ ٹل گئی۔آپؐ اپنی قوم میں شروع سے ہی اخلاقی حیثیت سے ممتاز تھے۔آپؐ کی پاکیزہ زندگی، خود داری، فرض شناسی، راست گوئی، امانت داری، فطرت سلیم، اخلاق حسنہ، شرافت اور ہر طرح کی جاہلی رسوم سے مبرا کردار نے عوام الناس میں آپؐ کو ''الامین'' بنا دیا تھا۔ازدواجی زندگی کے پندرہ سال مجاہدہ و مراقبہ، غور و فکر اور توجہ الی اللہ میں گزرے۔ صرف نجی ضروریات اور مدنی زندگی کے تقاضوں کے تحت گوشۂ خلوت سے باہر آتے۔آپؐ کا معمول تھا کہ کبھی اہل و عیال کے ساتھ اور کبھی تنہا غار حرا میں جا کر عبادت و مراقبہ میں منہمک رہتے۔ یہ عزلت نشینی اور عمیق غور فکر آپؐ کا معمول بن گیا تھا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی عمر چالیس برس کی ہو گئی۔

2.3 بعثت

دنیا کی نظروں سے الگ عزلت نشینی، مجاہدہ، ریاضت اور مراقبے کے ذریعہ پیغمبر اسلام ایک نئے روحانی تجربے کی طرف گامزن تھے۔ فیضان الٰہی سے قلب پر اسرار منکشف ہونے لگے۔ خواب واقعہ کی شکل میں ظاہر ہونے لگے۔ایسی ہی ایک رات مراقبے میں مشغول تھے کہ ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ایک فرشتہ غیب (حضرت جبرائیلؑ)، وحی الٰہی لے کر حاضر ہوا اور کہا کہ ''پڑھ''آپؐ نے کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا،اس نے پکڑ کر اپنے سینے سے لگا کر کس کر دبایا کہ آپؐ بے حال ہو گئے۔ پھر چھوڑ کر بولا ''پڑھ''آپؐ نے وہی جواب دیا تین مرتبہ اسی طرح ہوا اور پھر اس فرشتے نے کہا: اِقرَاءِ باسمِ رَبکَ الّذِی خَلَق۔ خَلَقَ الاِنسَانَ مِن عَلَقَ۔ اِقرَاءَ وَرَبّکَ الاَکرَمُ الَّذِی عَلَّمَ الاِنسَانَ مالَم یَعلَم۔(پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے تجھے پیدا کیا جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے، پڑھ، تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ انسان کو علم سکھایا، وہ علم جسے وہ نہیں جانتا تھا۔)اس واقعہ سے آپؐ پر خوف طاری ہو گیا۔ لرزتے گھبرائے گھر واپس آئے اور حضرت

خدیجہؓ سے کہا کہ مجھ کو چادر اڑھادو، جب اطمینان قلب ہوا تو حضرت خدیجہؓ کو پورا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے آپؐ کو تسلی دی کہ آپؐ پریشان نہ ہوں، خدا کبھی آپؐ کو ضائع نہ کرے گا۔ حضرت خدیجہؓ اپنے ایک عزیز ورقہ بن نوفل جو توریت وانجیل کے عالم تھے، کے پاس لے گئیں۔ اس نے تمام واقعہ سننے کے بعد کہا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں وہ فرشتہ جس کو محمدؐ نے دیکھا ہے، ناموس اکبر ہے۔ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔ یقیناً یہ اس امت کے نبی ہوں گے۔ ثابت قدم رہیں آپؐ کی قوم آپؐ کو جھٹلائے گی، اذیت دے گی، جلاوطن کرے گی۔ میں اگر اس وقت تک زندہ رہا تو ضرور آپؐ کی مدد کروں گا۔''

2.4 مکی دور

غار حرا میں نزول وحی کا یہ واقعہ 25 رمضان المبارک مطابق 6 اگست 610ء کا ہے اس وقت پیغمبر اسلام کی عمر چالیس سال چھے مہینے اور سولہ دن بہ حساب قمری تھی اور شمسی حساب سے 39 سال 3 ماہ اور 16 دن تھی۔ اور اس طرح دور نبوت کا آغاز ہو گیا۔ ابتداء میں آپ کے انتہائی قریبی افراد جن میں آپ کی شریک حیات حضرت خدیجہؓ، آپ کے دس سالہ چچازاد بھائی حضرت علیؓ، آپ کے محرم راز اور رفیق حضرت ابو بکر صدیقؓ اور آپ کے محبوب آزاد کردہ غلام و متبنٰی حضرت زیدؓ بن حارثہ داخل اسلام ہوئے۔ تین سال تک آپؐ اسلام کی خفیہ طور پر اپنے قریبی عزیزوں اور واقف کاروں کے درمیان تبلیغ کرتے رہے۔ آہستہ آہستہ آپ کے پیروکاروں میں اضافہ ہونے لگا۔ تین سال بعد کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور عذاب سے خبردار کیا۔ اپنے معتقدات کے خلاف اس غیر متوقع بات پر قریش بگڑ گئے اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ جیسے جیسے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، مشرکین مکہ کی مخالفت بڑھتی گئی، اسی کے ساتھ بنو ہاشم سے دیگر قبائل خاص طور پر بنو امیہ کی پرانی رنجشیں ابھرنے لگیں اور سارے قریش آپ کے مخالف ہو گئے۔ معززین قریش نے آپ کے چچا ابو طالب سے اپنے بھتیجے کو توحید کی تبلیغ سے دستبردار ہونے کے لئے کہا۔ مگر آپؐ اپنے مشن سے پیچھے ہٹنے کے لئے کسی قیمت پر تیار نہ ہوئے۔ ابو طالب نے جو آپؐ کو حق پر سمجھتے تھے مگر ایمان نہ لائے تھے انھوں نے دلجمعی سے آپؐ کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔

اہل قریش نے اب آپؐ کے ساتھ کھلی دشمنی کا اعلان کر دیا۔ آپؐ کو اور مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں، جبر و ستم کیے۔ یہاں تک کہ جان سے مارنے کی کوششیں بھی کیں۔ مگر آپ ان تمام مصائب کو برداشت کرتے ہوے اپنے مشن پر گامزن رہے۔ قریش اس سے آپ کا مقصد دولت واقتدار اور نام و نمود کا حصول سمجھے تھے، اسی لئے مشرکین نے آپؐ کو باز رکھنے کے لئے تمام دنیاوی لالچ دیے مگر آپؐ کو تبلیغ دین سے روکنے میں ناکام رہے۔ اسی زمانے میں آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور قبلۂ عدی کے جری و بہادر حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا جس سے مسلمانوں اور اسلام کو ایک نئی طاقت ملی اور اب مسلمانوں نے اعلانیہ نماز پڑھنا شروع کر دیا جو پہلے ممکن نہ تھا۔ کیونکہ اب کمزوروں، لاچاروں اور غرباء کے علاوہ سرداران خاندان و معززین نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تھا جن سے مقابلہ کرنا مشرکین مکہ کے لیے مشکل تھا۔ لہٰذا مشرکین نئے نئے طریقوں سے کمزروں، لاچاروں، بے یار و مددگار اور غرباء پر ظلم و ستم کرنے لگے مگر انہیں اسلام سے نہ پھیر سکے۔ ان مسلمانوں کے لئے حالات انتہائی مشکل تھے تو آپؐ نے کچھ لوگوں کو جن میں تقریباً گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں، پانچویں سال میں

حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا جہاں کا بادشاہ نجاشی منصف مزاج اور رحم دل تھا۔ قریش مکہ نے نجاشی سے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ نجاشی نے مسلمانوں سے استفسار کیا اور قرآن کی آیتیں سنیں جن کو سن کر اس نے مشرکین مکہ کو ان لوگوں کو واپس دینے سے انکار کر دیا۔

قریش نے اپنی اس ناکامی کے بعد مسلمانوں پر ظلم و تعدی اور تیز کر دی جس کے نتیجے میں 83 مرد اور بیس خواتین (کل 102) نے پھر حبشہ کی جانب ہجرت کی، اس ظلم و ستم کے باوجود دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ اس ناکامی وندامت نے مشرکین مکہ کی بوکھلاہٹ اور غصہ میں اضافہ کر دیا۔ انہوں نے طے کیا اگر بنی ہاشم نے محمدؐ کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کیا تو ان سے ہر طرح کے سماجی، معاشی وازدواجی تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ اس شرط کو بنی ہاشم نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ابو طالب مشرکین کی اس جانی دشمنی سے بچنے کے لئے اپنے خاندان کو ایک گھاٹی میں جو ان کے نام سے شعب ابو طالب مشہور ہوئی، لے کر چلے گئے۔ بنی ہاشم نے تین سال تک اس گھاٹی میں انتہائی مصائب وآلام کے ساتھ زندگی بسر کی۔ مشرکین نے ضروریات زندگی کی ہر چیز کی ناکہ بندی کر دی تھی۔ بنی ہاشم کے بعض رحم دل قریبی اعزاء واقارب چھپ چھپا کر غلہ پہنچا دیتے تھے۔ بعد میں اہل مکہ کے رحم دل لوگوں کو غیرت آئی اور وہ بنی ہاشم کو اس قید و نظر بندی سے باہر نکال لائے۔ اسی سال معراج کا واقعہ پیش آیا جب آپؐ نے عالم افلاک کے سیر کی اور پانچ وقت کی نماز مسلمانوں پر فرض ہوئی۔

شعب ابو طالب سے نکلنے کے کچھ ہی دنوں بعد آپ کے سرپرست، پشت پناہ اور انتہائی محبت کرنے والے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعہ کو کچھ ہی عرصہ بیتا تھا کہ آپؐ کی شریک حیات حضرت خدیجہؓ بھی انتقال فرما گئیں۔ ایک ہی سال میں آپؐ کو یہ دو عظیم صدمے برداشت کرنے پڑے۔ آپؐ کے یہ دو بڑے سہارے ختم ہونے کے بعد مشرکین جور وستم میں اور بے باک ہو گئے۔ آپؐ نے طائف کا سفر کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو دین حق کی دعوت دیں مگر یہاں کے لوگوں نے بھی نہایت گستاخانہ اور سفاکانہ سلوک کیا۔ اوباشوں کے آپؐ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے آپؐ کو پتھروں سے مار کر لہولہان کر دیا۔ آپؐ مایوسی کے عالم میں مکہ واپس آ گئے۔ ابو لہب جو اب بنی ہاشم خاندان کا سربراہ تھا، پیغمبر کا شدید دشمن تھا۔ آپؐ تبلیغ دین کے لئے جہاں بھی جاتے وہ بھی جاتا اور لوگوں کو آپؐ کے خلاف بھڑکاتا اور آپؐ کو جھوٹا اور بے دین کہتا۔

2.5 ہجرت

اسی دوران مدینہ کے دو قحطانی قبیلے اوس و خزرج کے بعض لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اوس کے لوگ خزرج کے خلاف قریش کو اپنا حلیف بنانے آئے تھے مگر داخل اسلام ہو گئے۔ حج کے زمانے میں قبیلۂ خزرج کے بھی چند آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اگلے سال کچھ اور لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مدینہ کے ان لوگوں کی درخواست پر پیغمبر اسلام نے مصعب بن عمیرؓ کو جو سابقین اولین سے تھے اور قبیلہ بنی عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے، مدینہ روانہ کر دیا تاکہ یہ مدینہ کے لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور اسلامی احکام کا درس دیں۔ یہ مدینہ کے سردار سعد بن زرارہ کے یہاں مقیم ہوئے اور مدینہ میں تبلیغ دین کی۔ ان کی کوششوں اور تعلیم کا اہل مدینہ پر زبردست اثر پڑا اور وہاں رؤساو شرفاء نے اسلام قبول کر لیا۔ اوس کے سردار اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ اور ان کے قبیلے کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ میں تیزی

سے اسلام پھیلنے لگا۔ اگلے سال یعنی نبوت کے تیرہویں سال سے بہت سے مسلم اور غیر مسلم حج کے لئے آئے۔ ان آنے والوں مسلمانوں نے چھپ کر رات کے وقت مقام عقبہ میں آپ سے بیعت کی۔ یہ پہلی بیعت تھی۔ اس موقع پر آپ کے چچا حضرت عباسؓ بھی موجود تھے جو ابھی تک اسلام نہ لائے تھے اور بھتیجے کی محبت میں ساتھ آگئے تھے۔ اس بیعت کے وقت اہل مدینہ نے جانثاری اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور آپؐ نے بھی مسکرا کر فرمایا ''نہیں میں تمہارا اور تم میرے ہو۔ میرا خون اور تمہارا خون ایک ہے۔''

اس بیعت کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی کیونکہ وہاں اب مسلمانوں کے حامی و مددگار لوگوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اکثر صحابہ مدینہ ہجرت کر گئے۔ مکہ میں صرف آپؐ، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ، غریب و نادار صحابہ جو مدینہ جانے کی قدرت نہ رکھتے تھے یا وہ مسلمان جن کو کفار مکہ نے زبردستی روک لیا تھا، رہ گئے تھے۔ بقیہ تمام مسلمان مدینہ ہجرت کر گئے۔ مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہوتا گیا۔ مشرکین مکہ کے لئے یہ بڑی سبکی کی بات تھی۔ لہٰذا جھنجھلاہٹ، غصہ اور انتقام آگ بجھانے کے لئے آنحضرت کے قتل کا پلان تیار کیا تاکہ اس قصہ کو ہی ختم کیا جائے۔ ابو جہل کی رائے سے سرداران مکہ عتبہ، ابو سفیان، جبیر بن مطعم، امیہ بن خلف اور حکم بن حزام آپؐ کے قتل پر متفق ہوئے اور ہر قبیلے کے ایک ایک شخص کی اس منصوبہ میں شمولیت نے اس خوف کو دور کر دیا کہ بنی ہاشم بدلہ لے سکیں گے۔ رات گزرنے کے بعد پیغمبر اسلام کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپؐ کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگے۔ آپؐ کو ان مشرکین کے ارادے کا علم ہو گیا تھا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلا کر اہل مکہ کی کچھ امانتیں ان کے سپرد کیں اور حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا دیا اور اپنی چادر اڑھا دی اور کہا کہ ''آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا اور صبح کو سب کی امانتیں پہنچا دینا اور اس کے بعد مدینہ چلے آنا۔'' مشرکین کو غافل پا کر آپؐ ابو بکر صدیقؓ کے مکان پر گئے یہاں سواری اور سامان سفر پہلے سے تیار تھا۔ یہاں سے دونوں سوار ہو کر خاموشی سے نکل گئے اور مکہ سے تین میل کے فاصلے پر غار ثور میں جا کر چھپ گئے۔

جب محاصرہ کرنے والوں کو صبح اس بات کی خبر ہوئی اور گھر میں آپؐ کی جگہ حضرت علیؓ کو پایا تو چراغ پا ہو گئے۔ ہر طرف آپؐ کی تلاش میں لوگوں کو بھیجا اور آپؐ کو مردہ یا زندہ لانے والے کو سو اونٹ انعام میں دینے کا اعلان کیا، حالانکہ تلاش کرنے والے غار ثور تک پہنچ گئے مگر آپؐ پر نظر نہ پڑی اور تھک کر نامراد واپس چلے گئے۔ پیغمبر نے غار ثور میں تین دن تک قیام کیا۔ عبداللہ بن ابو بکرؓ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، دن بھر کفار کے ارادوں اور مشوروں کا پتا لگاتے تھے اور شام کو آکر سنا دیا کرتے۔ اسماء بنت ابو بکرؓ رات کو کھانا پہنچا دیتی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ صبح سویرے اپنی بکریاں لے کر جاتا اور دودھ پلا دیتا تھا۔ اس کے ریوڑ عبداللہ بن ابو بکرؓ اور اسماء بنت ابو بکرؓ کے قدموں کے نشانات مٹا دیتے۔ چوتھے دن ایک راہبر عبداللہ بن اریقط دو اونٹنی لے کر رات کو پہنچا، حضرت ابو بکرؓ نے پیغمبر کی خدمت کے لیے عامر بن فہیرہ کو بھی اپنی اونٹنی پر سوار کر لیا اور قریش سے حفاظت کی غرض سے مدینہ کا عام راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا۔ بروز پیر 8 ربیع الاول مطابق 20 ستمبر 622ھ کے دن آپؐ مدینہ سے متصل قبا میں پہنچے اور بنی عمرو بن عوف کے کلثومؓ بن ہدم کے مہمان ہوئے۔ آپؐ نے قبا میں چودہ دن قیام کیا اور یہیں پر اسلام کی سب سے پہلی مسجد تعمیر کی۔ اس کے بعد مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں محلہ بنی سالم میں پہلی نماز جمعہ ادا کی۔ یہ واقعہ 12 ربیع الاول مطابق 24 ستمبر 622ھ کا ہے۔

2.6 مدنی دور

قبا میں قیام کے بعد آپؐ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے جہاں اہل مدینہ جو خود کو پیغمبر کا حامی یعنی انصار کہتے تھے، بڑی بے تابی سے آپؐ کا استقبال کے لئے موجود تھے اور ہر شخص شرف میز بانی کے لئے بے تاب و بے قرار تھا۔ اس بات کو لے کر ان میں باہم سخت کشمکش بھی تھی۔ اتفاق سے آپؐ کی اونٹنی حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی جہاں آپؐ نے سات ماہ قیام کیا۔ مدینہ میں آپؐ نے ایک ایک مہاجر شخص کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنادیا جن سے مدینہ کے انصار نے حقیقی بھائیوں جیسا سلوک کیا، یہاں تک کہ اپنی دولت و جائیداد میں برابر کا شریک بنالیا۔ جہاں آپؐ کی اونٹنی بیٹھی تھی وہ جگہ یتیم بچوں سے خرید کر آپ نے مسجد نبوی اور اس کے ارد گرد ازواج مطہرات کے رہنے کے لئے حجرے تعمیر کئے۔ ان کے تیار ہونے کے بعد آپؐ نے ان ہی مکانات میں قیام کیا اور ابوایوب انصاری کے گھر کی سکونت ترک کردی۔ یہ مسجد کچی اینٹوں، کھجور کے تنوں کے ستون اور کھجور کے پتوں کی چھت سے سادہ انداز میں تعمیر کی گئی اور باجماعت نماز کا آغاز ہوا جو اس سے قبل نہ تھا۔ نادار مسلمانوں کے لئے اس کے قریب ایک چبوترہ بھی تعمیر ہوا جو صفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ مدینہ میں مسلمان اب صاحب اقتدار تھے۔ مدینہ میں یہود جو دولت و شہرت کے مالک تھے اور پہلے اقتدار رکھتے تھے، ان کی طرف سے شرارت و سازش کا امکان تھا۔ ان خدشات سے بچنے کے لئے آپؐ نے یہودیوں کے ساتھ معاہدے کئے۔ اس معاہدہ میں طے پایا کہ باہری دشمنوں کے مقابلے میں ہر فریق دوسرے فریق کی مدد کرے گا۔ کسی بھی فریق کے دین و مذہب اور جان و مال سے کسی کو بھی کوئی تعرض نہ ہوگا۔ مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ کوئی یہود، قریش یا اس کے حلیفوں کو امان نہیں دے گا۔ اگر کوئی جھگڑا ہوگا تو اس کا فیصلہ آنحضرتؐ کے ہاتھ میں رہے گا۔ لیکن یہود دل سے اسلام اور مسلمانوں کے مخالف تھے۔ مدینہ میں مسلمانوں کے غلبے کے ساتھ ان کا امتیاز بھی جاتا رہا۔ مدینہ کا رئیس عبداللہ ابن ابی، جس کو آنحضرتؐ کی مدینہ ہجرت سے قبل یہاں کے لوگ بادشاہ بنانے والے تھے، مسلمانوں سے دل میں کینہ رکھتا تھا۔ مگر اہل مدینہ کے زیادہ تر مسلمان ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف کچھ کرنے سے ڈرتا تھا۔ حالانکہ مکہ کے قریش اس سے مسلمانوں کو مدینہ سے نکالنے یا قتل کرنے کے لئے کہہ رہے تھے اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں جنگ کرنے کی دھمکی دے رہے تھے اور تیاریاں بھی شروع کر چکے تھے۔ ان مخالفتوں اور سازشوں کی وجہ سے مدینہ کے مسلمان خطرہ محسوس کرتے تھے اس لئے راتوں کو ہتھیار لگا کر سوتے اور پہرہ دیتے تھے۔

قریش کے تجارت کے قافلے ہر سال ملک شام جاتے تھے۔ مسلمانوں نے مکہ کے قریش پر دباؤ بنانے اور ان کی تجارت روکنے کی کوششیں کیں تاکہ مکہ کے قریش عاجز آکر صلح کرلیں۔ ایک دو جھڑپیں ہوئیں۔ کچھ قبائل سے جیسے جہینہ، مزنیہ، مزدلج وغیرہ سے کسی کا ساتھ نہ دینے یا ایک دوسرے کی جنگ میں مدد کرنے کے معاہدے بھی ہوئے۔ اس دوران مکہ کے ایک قبیلے کے سردار کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے قریب ایک چراگاہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کے اونٹ لوٹ لئے۔ مسلمانوں نے مقام سفوان تک اس کا پیچھا کیا مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ اسی دوران ابوسفیان کی قیادت میں تیس چالیس آدمیوں کی ایک جماعت حسب معمول ایک تجارتی قافلہ کی شکل میں شام سے خرید و فروخت کر کے واپس جارہی تھی۔ مدینہ کے قریب ابوسفیان کے جاسوسوں نے اسے بتایا کہ مسلمان اس کے قافلے پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس نے فوراً ایک تیز رفتار قاصد مدد کے لئے روانہ کیا۔ اس خبر کے ملتے ہی قریش مکہ جوش و خروش کے ساتھ روانہ ہوئے مگر ابوسفیان ساحلی علاقے سے اپنے

قافلے کو بحفاظت نکال لے گیا۔اس نے قریش کو واپس بلانے کے لئے قاصد بھیجا مگر ابو جہل نے نخوت و غرور میں انکار کر دیا اور کہا کہ بدر کے مقام پر تین دن قیام کر کے دعوت و جشن کا اہتمام کریں گے تا کہ ہماری قوت و طاقت کا رعب مسلمانوں پر پڑے۔

9 رمضان المبارک 2ھ مطابق 5 مارچ 624ء کو آنحضرتؐ اپنے تین سو تیرہ 313 جانثاروں، جن میں 83 مہاجر اور بقیہ انصار تھے، لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور مقام بدر میں خیمہ زن ہوئے۔ چشموں پر پہلے ہی دشمن قبضہ کر چکا تھا مگر اچانک بارش ہونے سے اہم مدینہ کی طرف پانی کی کمی ختم ہو گئی اور اہل قریش کے پڑاؤ میں کیچڑ ہو گئی۔ عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں کفار کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ سوائے ابو لہب کے قریش کے تمام سردار موجود تھے جو ذاتی وجوہ کی بنا پر نہیں آیا تھا۔ 17 رمضان المبارک 2ھ مطابق 13 مارچ 624ء کے دن دونوں جانب سے فوجیں آراستہ ہوئیں۔ یہ بڑے امتحان اور آزمائش کا موقع تھا۔ مسلمانوں کے بزرگ اور عزیز و اقارب مد مقابل تھے۔ لیکن مسلمانوں پر اسلام کی محبت غالب تھی۔ عربی دستور کے مطابق ابتدا میں فرداً فرداً مقابلہ ہوا اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی۔ جس میں بہت سے قریش کے سردار جیسے عتبہ، ولید، شیبہ، ابو جہل، زمعہ بن اسود، ابو البتحری، امیہ بن خلف وغیرہ مارے گئے۔ جس سے کفار قریش میں بد دلی پیدا ہوئی اور بھاگنے لگے۔ تقریباً ستر افراد گرفتار کر لئے گئے جن میں آپؐ کے چچا عباس، داماد ابو العاص، عقیل بن ابو طالب (حضرت علیؓ کے بھائی)، نوفل، اسود، عبد بن زمعہ وغیرہ شامل تھے۔ان تمام قیدیوں کے ساتھ انسانی سلوک کیا گیا۔ صحابہ سے مشورہ کے بعد چار ہزار درہم فدیہ لے کر ان سب کو چھوڑ دیا گیا۔ جو فدیہ نہ دے سکتے تھے اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ وہ دس، دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں اس کے بعد رہا کئے جائیں گے۔ کچھ لوگوں کو بنا فدیہ لئے بھی رہا کر دیا گیا۔

یہ شکست قریش کے لئے بڑی سبکی کی بات تھی مکہ کے گھر گھر میں ماتم تھا اور فتح مسلمانوں کے لئے، شوکت اسلام کا حقیقی سنگ میل ثابت ہوئی۔ مسلمانوں نے انتہائی کم جنگی ساز و سامان کے ساتھ یہ فتح حاصل کی تھی۔ابو سفیان بن حرب نے بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے کی قسم کھائی اور دو سو سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب مقام عریض پر حملہ کیا۔ نخلستان میں آگ لگا کر دو انصاریوں کو بھی قتل کر دیا اس طرح اس نے اپنی قسم پوری کی۔اسے غزوہ سویق کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مدینہ کے یہود کے قبیلے بنی قینقاع جس نے آپ سے معاہدہ کر لیا تھا، مدینہ کے منافقوں کے ساتھ مل کر اس نے مسلمانوں کو پریشان کرنا اور ایذا دینا شروع کر دیا۔آپؐ نے ان پر فوج کشی کی۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا آخر طے ہوا کہ بنی قینقاع کو جلا وطن کر دیا جائے۔اسی سال 2ھ 623ء میں مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض قرار پائے۔آپ نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کے ساتھ عید گاہ میں عید کی نماز ادا کی۔ نماز کے لئے قبلہ اب بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ قرار پایا۔اور مسلمانوں کو اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔اسی برس آپؐ کی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرہؓ کا نکاح حضرت علیؓ کے ساتھ ہوا اور جہیز کی شکل میں ایک چار پائی، چمڑے کا گدا، ایک مشکیزہ، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے دئے گئے۔

اگلے سال یعنی 3ھ، 624ء قریش، جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لئے بڑی تیاری و جوش و خروش کے ساتھ ابو سفیان کی قیادت میں مدینہ کی سمت روانہ ہوئے اور احد کے مقام پر ایک چشمے کی وادی میں اترے۔ رسول اکرمؐ بھی ایک ہزار افراد کے ساتھ 14 شوال 3ھ مطابق

29مارچ 625ء کو میدان احد کے لئے روانہ ہوئے۔ رئیس المنافق عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں، جن کی تعداد تین سو تھی، کے ساتھ چلا مگر بیچ راستے سے واپس آگیا جس سے مسلمان سات سو کی تعداد میں رہ گئے۔ آپؐ نے ایک پہاڑی کی پشت پر صف بندی کی اور 50 تیر اندازوں کو اس پہاڑی پر متعین کیا۔ انہیں تاکید کی کہ وہ کسی بھی حال میں اس مقام کو نہ چھوڑیں۔ جنگ شروع ہوئی اور کفار مکہ کو پسپا ہونا پڑا۔ مسلمان مال غنیمت کو جمع کرنے لگے جسے دیکھ کر پہاڑی سے تیر انداز بھی اتر آئے۔ خالد بن ولید جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے انہوں نے مسلمانوں کی پشت پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں رسول اللہؐ کی جان بھی خطرے میں پڑ گئی تھی مگر مسلمانوں نے سنبھالا لے کر کفار مکہ کو واپس دھکیلا اور انہیں فرار ہونے کے لئے مجبور کر دیا۔ اس جنگ میں 70 مسلمان شہید ہوئے اور 22 مشرکین مارے گئے۔ آپؐ کے چچا حضرت امیر حمزہؓ بھی شہید ہوئے جن کی نعش کو ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے مثلہ کر دیا تھا۔

اس کے بعد چھوٹے موٹے معرکہ ہوئے۔ اہل مکہ نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے پھر ایک بڑی فوج جمع کی جس میں عرب کے بہت سے قبائل مکہ والوں کے ساتھ تھے۔ اس لشکر کی کل تعداد 24 ہزار تھی۔ سلمان فارسی کے مشورے سے مسلمانوں نے مدینہ کی میدانی حصے میں حملے سے بچنے کے لئے ''خندق'' کھودی کیونکہ دیگر اطراف قدرتی طور پر گھنے باغات، لاوا کے میدانوں اور پہاڑوں کی بدولت محفوظ تھے۔ یہ عربوں کے لئے نئی چیز تھی جس کی وجہ سے اہل مکہ پھر ناکام رہے۔ اسی وجہ سے اس جنگ کو ''غزوہ خندق یا احزاب'' کہا جاتا ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے والے لوگوں اور یہودیوں کے خلاف سخت تادیبی کاروائیاں کی گئیں اور ان مشرکین و یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کر کے امان لینی پڑی یا پھر یہود کو جلاوطن ہونا پڑا۔ ذی قعدہ 6ھ میں رسول خداؐ اپنے 1400 ہمراہیوں کے ساتھ عمرہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام ٹھہرے۔ قریش نے مسلمانوں کے مکہ میں داخلے کی مخالفت کی۔ سفارت و گفت و شنید کے بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا:

- مسلمان اس سال بنا عمرہ کئے واپس لوٹ جائیں۔
- اگلے سال آئیں گے اور تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں گے اور ان دنوں میں قریش مکہ کے باہر نکل جائیں گے۔
- آئندہ سال ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلواریں ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں ہو گی۔
- مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان کو مسلمان اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور جو مسلمان مکہ میں رہنا چاہے گا اس کو مسلمان یہاں قیام کرنے سے نہ روکیں گے۔
- اہل مکہ یا مکہ کے مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلے آئے تو مسلمان اس کو واپس کریں گے اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے گا تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔
- قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں۔
- فریقین میں دس سال تک جنگ نہیں ہو گی اور باہم امن امان بنائے رکھیں گے۔

اس معاہدے کی پانچویں شرط بہ ظاہر مسلمانوں کے لئے کافی سخت تھی۔ کچھ صحابہ نے اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کیا تھا۔ مگر جب بہت

سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا اور مکہ کی تجارتی قافلوں پر حملے شروع ہوئے تو یہ معاہدہ اپنے آپ کمزور پڑنے لگا۔ کیونکہ اس ٹکراؤ سے پورے جزیرہ نما کی تجارت خطرے میں پڑنے کا خدشہ تھا۔ جب رسولؐ خدا کو تھوڑا اطمینان نصیب ہوا تو آپؐ نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کی غرض سے روم، ایران، مصر، حبشہ، یمامہ، شام وغیرہ ممالک میں خطوط بھیجے۔ 7ھ میں یہودیوں کا گڑھ خیبر بھی فتح ہو گیا۔ اسی سال آپؐ نے صحابہ کے ساتھ عمرہ ادا کیا۔ کفار مکہ، شرط کے بموجب شہر خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے۔

سن 8ھ میں قریش مکہ نے صلح حدیبیہ سے انحراف کیا کیونکہ انہوں نے بنی بکر جو قریش کے حلیف تھے اور بنی خزاعہ جو مسلمانوں کے حلیف تھے کہ درمیان جنگ میں بنی بکر کا ساتھ دیا تھا۔ خزاعہ نے شکست کھا کر حدود حرم میں پناہ لی تھی مگر بنی بکر نے وہاں پر بھی انہیں قتل کر دیا، جہاں پر خونریزی حرام تھی۔ مسلمانوں نے خزاعہ کی مدد کا اعلان کیا۔ آپ 10 ہزار صحابہ کے ساتھ 10 رمضان المبارک 8ھ یکم جنوری 630ء میں مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ قریش مکہ کی مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور مسلمانوں نے مکہ بنا کسی بڑی جنگ کے فتح کر لیا۔ مسلمانوں کو آپؐ نے حکم دیا تھا کہ جب تک کوئی حملہ نہ کرے تلوار نہ اٹھائیں، جو شخص حرم میں چلا جائے یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے یا تلوار میان میں رکھے یا ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اس کو امان ہے۔ چند سر پھروں نے مزاحمت کی جس میں 2 مسلمان شہید اور 13 کفار مارے گئے۔ اس کے بعد آپؐ نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا اور شکرانے کی نماز پڑھی۔ اور تمام اہل قریش و مکہ کے لوگوں کو معاف کر دیا۔ اہل قریش نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد بہت سے دیگر قبائل نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ پندرہ دن قیام کے بعد آپؐ مدینہ واپس تشریف لے گئے۔ مکہ اور طائف کے درمیان مقیم بنی ثقیف اور ہوازن نے بھی جنگ میں شکست کھائی اور داخل اسلام ہوئے۔

تبوک جو عرب اور شام کا سرحدی مقام ہے، رومی سلطنت کا حصہ تھا اور اس پر رومیوں کے ماتحت غسانی خاندان کے عرب سردار حکومت کرتے تھے۔ غسانی خاندان نسلاً عرب اور مذہب کے اعتبار سے عیسائی تھا۔ مدینہ کے مسلمانوں کو خبر ملی کہ شام میں ایک بڑی فوج جمع ہو گئی ہے اور وہ مسلم ریاست پر حملہ کے ارادے سے جمع ہوئی ہے۔ مسلمانوں کو رومیوں کی جانب سے حملے کا خطرہ ہمیشہ سے رہتا تھا لہٰذا رجب 9ھ میں پیغمبر اسلام تیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ تبوک پہنچ گئے۔ رومی فوج جو اس علاقے میں موجود تھی مگر اپنے شہنشاہ ہرقل کے کہنے پر مسلمانوں کے سامنے نہ آئی۔ آپؐ نے یہاں بیس دن قیام کیا اور آس پاس کے سرداروں کو مطیع بنا کر مدینہ واپس آ گئے۔

سن 9ھ وہ سال تھا جب مسلمانوں نے خود حج کا اہتمام کیا۔ اس سال آنحضرتؐ بذات خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ حضرت ابو بکرؓ کی قیادت میں 300 مسلمانوں کو حج کے لئے روانہ کیا۔ اس حج کو حج اکبر کہا جاتا ہے یہ اسلامی اصولوں کی بنیاد پر ہوا تھا۔ اگلے سال 10ھ میں آپؐ نے خود حج کا ارادہ کیا۔ 25 ذی قعدہ 10ھ کو آپؐ مدینہ سے صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے جو تاریخ میں حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی تھی۔ اسی موقع پر آپؐ نے تکمیل دین کا اعلان فرمایا۔

اس موقع پر آپؐ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا وہ سنہری الفاظ میں لکھنے کے قابل ہے۔ اسے انسانی حقوق کا پہلا منشور بھی کہہ سکتے ہیں۔ ''اس خطبے میں نہ تو اتنی شاعری ہے نہ اتنا تصوف جتنا حضرت عیسیٰؑ کے پہاڑی خطبے میں تھا لیکن اس میں نہ صرف ایسی عملی دانشمندی ہے جو اعلیٰ

طبائع کو پسند آتی ہے بلکہ ادنی طبائع کی صلاحیتوں اور تقاضوں سے مطابقت بھی ہے جنہیں اخلاقی رہنمائی کے لئے مثبت اور مکمل ہدایات کی ضرورت ہوتی ہے''۔ یہ خطبہ اسلامی اخلاقیات، اسلام کے انفرادی و اجتماعی امور اور محسنؐ انسانیت کی تمام تر تعلیمات کے خلاصے پر مشتمل ہے ''خطبہ حجۃ الوداع، وحدت الٰہی اور وحدت آدم کا ایسا آفاقی اعلان نامہ ہے جسے انسانی تہذیب کے روحانی دانشورانہ اور تخلیقی سفر کی منزل مراد کہا جاسکتا ہے۔ یہ اعلان اس ازلی و ابدی انسانی موقف کی حتمی دستاویز ہے کہ تمام انسان اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہیں۔ ان کا خالق ایک ہے اور مورث اعلیٰ ایک ہے اور سب انسانوں کی تخلیقی ساخت ایک ہے یعنی مٹی۔ یہ اعلان ایک ایسی تلوار ہے جس نے انسانوں کے دل و دماغ اور نفس کے گرد لپٹی رنگ و نسل، ذات برادری، خاندان اور طبقوں کی زنجیریں کاٹ کر رکھ دیں اور انسانی روح کو اس کے بے پناہ تخلیقی امکانات سے آشنا کیا اور اس کی فطری صلاحیتوں کو پھلنے پھولنے کا ایسا وسیع میدان عطا کیا جہاں ہر چیز کا معیار صرف انسانی عمل ہے۔ ایسا عمل جو تقویٰ اور پرہیز گاری سے عبارت ہے۔''

اب آپؐ صرف حکم یا ثالث نہیں تھے بلکہ فتح مکہ کے بعد آپؐ بلا اختلاف مدینہ کی ریاست کے حکمراں تھے۔ لوگوں کو اپنے نمائندے کی حیثیت سے تقرر کرنے لگے۔ اب آپؐ کے سیاسی اور مذہبی کردار کو الگ کرنا مشکل امر تھا۔ آپؐ کی قیادت میں مدینہ کی ریاست اور امت مسلمہ میں مختلف العناصر گروپ خونی رشتوں سے نہیں بلکہ مذہب کی بنیاد پر متحد ہوئے تھے۔ دیگر قبائل بھی اس قوم میں یا تو مسلمان بن کر یا پھر معاہدے کے ذریعہ داخل ہوئے اور انہیں ریاست سے تحفظ پانے کے لئے جزیہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ آپؐ نے تبدیلی مذہب کے لئے زبردستی نہیں کی۔ بلکہ عرب قبائل نے محسوس کیا کہ اسلام میں ثقافتی، معاشی، اور مذہبی معاملات کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے یہ باہم پیوست ہیں۔ اور یہ مذہب ان کی روحانی، سیاسی، ثقافتی، معاشی اور نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اسلام نے باہمی اتفاق کا نیا تصور پیش کیا جس کے نتیجے میں عربوں میں بڑی تیزی کے ساتھ اسلام قبول کیا جانے لگا۔ اپنی آخری سانس تک یہ محسن انسانیتؐ اپنے اصحاب کو وصیتیں، نصیحتیں اور تبلیغ و تلقین کا درس دیتا رہا۔ ایک مختصر سی علالت کے بعد 12 ربیع الاول 11ھ بروز پیر مطابق 8 جون 632ء کی شام کے وقت قمری 63 سال کی عمر دنیا میں بسر کر کے وہ روح عظیم، عالم علوی میں پہنچ گئی۔

2.7 سیرت

سید امیر علی 'روح اسلام' میں لکھتے ہیں ''آپؐ کی زندگی ایک گرانقدر کام کے بعنوانِ احسن انجام دینے کی ایک بہترین سرگذشت ہے۔ آپؐ نے ایک مردہ و افسردہ قوم میں زندگی کی روح پھونک دی۔ آپؐ نے باہم برسرپرخاش قبیلوں کے مجموعۂ متفرقات کو وحدت بخش کر ایک ایسی قوم بنا دیا، جس کا محرک عمل حیات ابدی کی امید تھی۔ روشنی کی جو منتشر شعاعیں اس وقت تک علیحدہ علیحدہ دل انسانی پر پڑ رہی تھیں انہیں لے کر آپؐ نے ایک نقطۂ ماسکہ پر مرکوز کر دیا۔ یہ تھا آپ کا کارنامہ اور آپؐ نے اسے ایک ایسے ذوق و شوق اور جوش و خروش سے انجام دیا جو مخالف قوتوں سے کسی قسم کی مصالحت قبول نہ کرتا تھا اور جس کے لئے کسی ایک مقام پر پہنچ کر ساکن ہو جانا بعید از تصور تھا، ایک ایسی ہمت مردانہ سے انجام دیا جو کسی قسم کی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتی تھی اور جو خوف نتائج سے بالکل بری تھی۔ ایک ایسی وحدت مقصد سے انجام دیا

جس میں اپنی ذات کے خیال کی کوئی گنجائش نہ تھی۔''

آپؐ کی سیرت نظافت، فصاحت و بلاغت، حلم و کرم، شجاعت و حیا، حسن معاشرت، مہربانی و رحمت، وفائے عہد، پاس مروت تواضع، حق وراستی اور وقار کا ایک مثالی نمونہ تھی۔ کیونکہ آپؐ نے جن مکارم اخلاق کی تعلیم دی اس پر عمل کر کے دنیا کو دکھایا، شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں ''آپؐ کی ذات گرامی مکارم اخلاق کی جملہ جزئیات کا مجسم پیکر تھی۔ رقت قلب، زہد وورع، عفت و عصمت، حسن معاملہ، حسن خلق، عدل وانصاف، جود وسخا، ایثار و قربانی، محبت و رحمت، زہد و قناعت، صداقت وامانت، تواضع و مساوات، ضبط و حلم، عفو ودرگذر، حسن سلوک، دشمنوں، کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، عیادت و تعزیت، مہمان نوازی، سادگی و بے تکلفی، مسکینوں اور محتاجوں کی دلجوئی، صبر و شکر، شرم وحیا، عزم واستقلال، شجاعت و شہامت و گداگری اور سوال سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، ہدیہ دنیا اور قبول کر لینا، تعظیم و بے جا مدح کی ناپسندیدگی اور دوسروں کی حاجت روائی وغیرہ۔ غرض ذات گرامی شرافت انسانی کے جملہ اوصاف و کمالات کی جامع تھی''۔ جب آپؐ مدینہ میں عرب قوم کے فرمانرواں بن گئے اور دنیا آپؐ کے آگے سرنگوں ہو گئی تب بھی آپؐ کی سیرت و فطرت کے امتیازی اوصاف میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ وہی انکسار و فروتنی، وہی کریم النفسی، وہی پاکیزہ دلی، وہی زہد و قناعت وہی نفاست و لطافت احساس، ادائے فرض میں وہی جاں فشانی، یعنی تمام وہ خوبیاں اور محبوبیاں جنھوں نے انہیں ''الامین'' کا لقب دلوایا تھا، قائم رہیں۔

2.8 اسلام کے بنیادی ارکان وعقائد

ہر مذہب اپنے کچھ ارکان وعقائد رکھتا ہے جن پر اس مذہب کی اساس قائم ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کے بھی ارکان وعقائد ہیں جو دنیا کا دوسرا سب سے بڑا مذہب ہے۔ اسلام ایک توحیدی مذہب ہے جس کو حضرت محمدؐ کے ذریعہ اللہ رب العزت نے انسانوں تک پہنچایا ہے۔ جس کا آغاز 610ء میں ہوا اور تکمیل 632 میں 23 سال کے طویل عرصہ میں ہوئی۔ اسلام کے معنی اطاعت، داخل ہو جانے، بندگی اور امن و سلامتی ہیں۔

2.8.1 اجزائے ایمان

توحید (اللہ پر ایمان): اسلام بنیادی طور پر ایک اللہ پر یقین رکھنے کا نام ہے جو غیر مجسم ہے، ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، جو بے نیاز ہے، ازلی ہے، زندہ ہے، جسے اونگھ نہیں آتی، اس کا کوئی باپ یا بیٹا نہیں ہے۔ وہ رحیم و کریم ہے۔ توبہ قبول کرنے، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ انسانی تصور میں نہیں آسکتا، وہ جزا و سزا کا مختار ہے۔ مسلمان اس کو دیکھے بغیر اس کے وجود کی شہادت دیتے ہیں ایمان رکھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔

انبیاء پر ایمان: جب ایک مسلمان اللہ پر ایمان لے آیا تو پھر اس کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل پر ایمان رکھنا لازمی ہو جاتا ہے۔ نبی یا رسول وہ افراد ہیں جن کو اللہ نے منتخب کیا اور کسی قوم یا علاقے میں مبعوث کیا۔ ان میں بعض کو اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے کچھ معجزات کرنے کی صلاحیت تفویض کی اور لوگوں کی ہدایت کے لئے ان پر اپنی کتابیں نازل کیں۔ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہ سلسلہ آدمؑ سے شروع ہوا اور آخری پیغمبر

حضرت محمدؐ تک جاری رہا۔

اللہ کی کتابوں پر ایمان: اللہ نے مختلف قوموں اور خطوں میں اپنے نبیوں کو مبعوث کیا تاکہ وہ لوگوں کو راہ راست پر لائیں۔ برائیوں سے بچائیں اور نیکیوں کی طرف راغب کریں۔ اللہ نے اپنے بہت سے پیغمبروں پر ان کی امت کو ہدایت کے لئے اور اللہ کی واحدانیت پر یقین و عمل کے لئے صحیفے اور کتابیں نازل کیں۔ قرآن کریم کو اس نے حضرت محمدؐ پر حضرت جبرائیلؑ ایک فرشتے کے ذریعہ نازل کیا جو بنی نوع کی ہدایت کے لئے قیامت تک باقی رہے گا۔ جس طرح مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہدایت ہے اسی طرح اس کا ایمان ہے تورات حضرت موسیٰؑ پر، زبور حضرت داؤدؑ اور انجیل حضرت عیسیٰؑ پر اللہ کی طرف سے، ان کی امتوں کی ہدایت کے لئے ان پر نازل کی گئیں تھیں۔ ان باتوں سے انکار کرنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔

فرشتوں پر ایمان: اللہ کی نوری مخلوق جو اللہ کی فرمانبرداری، اس کی تسبیح، اور اللہ کے احکام کی بجاآوری کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ان فرشتوں کے ذریعہ ہی اللہ نے اپنے پیغامات انبیاء تک پہنچائے ہیں۔ انسان کے اچھے اور برے اعمال کا ریکارڈ اور اس کی روح قبض کرنے وغیرہ امور بھی ان کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔ اس لئے ہر مسلمان کو فرشتوں پر ایمان رکھنا اسلام کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے۔

آخرت پر ایمان: مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں ایک حیات بعد الممات میں اس کے اعمال کا محاسبہ بھی شامل ہے۔ ایک دن قیامت آئے گی اور یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور اللہ تمام انسانوں کو زندہ کرے گا اور ان کے اعمال کا محاسبہ ہوگا اور ان کے اعمال کی بنیاد پر ان کا ٹھکانا جنت یا جہنم ہوگا۔ قرآن واحادیث میں قیامت قریب آنے کی نشانیاں بیان کی گئیں ہیں۔ جن میں جنت کی نعمتوں اور جہنم کی ہولناکیوں کا ذکر کیا گیا۔

تقدیر پر ایمان: مسلمان کا اس بات پر یقین ہے ہر چیز خالق کائنات نے پہلے سے طے کر دی ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے فہم و فراست سے نواز کر صحیح اور غلط کے درمیان انتخاب کا اختیار دیا اور اسی لئے وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار پایا ہے۔

2.8.2 ارکان اسلام

شہادت: مسلمان کا دل و زبان سے خالق باری تعالیٰ اور رسولؐ پر یقین کی گواہی دینا شہادت کہلاتا ہے۔ یعنی اللہ کو ہر چیز کا خالق جاننا اسے وحدہٗ لا شریک سمجھنا اور اس کے مبعوث کئے رسول کو تسلیم کرنا اور ان کے ذریعہ لائی ہدایات پر عمل کرنا اسلام کا بنیادی اکارن میں سے ایک ہے۔ تبھی وہ مومن و مسلمان کہلائے گا۔

نماز: ہر مسلمان پر ایک متعین وقت پر دن میں پانچ مرتبہ پاک و صاف حالت میں عبادت یعنی نماز فرض ہے جو وہ انفرادی یا اجتماعی طور پر (باجماعت) ادا کر سکتا ہے۔ اس کو چھوڑنے والا گناہ عظیم کا مرتکب ہوگا۔ نماز گناہوں سے روکتی ہے۔ طہارت و پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔

روزہ: اسلام میں ماہ رمضان میں ایک ماہ کے روزے ہر بالغ و عاقل مسلمان پر فرض قرار کئے ہیں۔ یعنی طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک خورد و نوش سے ممانعت، روزہ انسان میں صبر، قناعت اور تقویٰ پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ بعض مخصوص حالتوں میں روزہ ملتوی بھی ہو جاتا ہے جن کی بعد میں قضا لازم ہے۔

زکوٰۃ: صاحب حیثیت مسلمانوں پر فرض ہے۔ اپنی ضروریات پوری ہو جانے کے بعد، اپنے مال پر ایک سال گذر جانے کے بعد، اس کا چالیسواں

حصہ زکوٰۃ کی شکل میں نکال کر اس سے غریبوں، ناداروں، بیواؤں، یتیموں وغیرہ کی امداد کرنا۔

حج: صاحب استطاعت مسلمان جس کے پاس اتنا مال ہو کہ حج کے سفر اور مدت قیام کے دوران اس کے اہل خانہ کی کفالت ہو سکے ایسے مسلمان کو زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔ وہ مکہ کی جانب سفر کرے اور کعبۃ اللہ میں عبادت اور حج کے ارکان ادا کرے۔

2.9 قرآن مجید

قرآنِ مجید اسلام کی سب سے مقدس اور بنیادی کتاب ہے، جسے اللہ تعالیٰ کا آخری اور حتمی کلام تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ کلامِ الٰہی نبی کریم حضرت محمد ﷺ پر حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے تقریباً 23 سال کے عرصے میں بتدریج نازل ہوا۔ قرآن مجید مجموعی طور پر 114 سورتوں پر مشتمل ہے جو اپنے مضامین اور زمانۂ نزول کے اعتبار سے مکی اور مدنی ادوار میں تقسیم ہیں۔ اس عظیم کتاب کا مرکزی موضوع 'انسان' ہے، جبکہ اس کی تعلیمات کا بنیادی محور توحید (ایک خدا کی عبادت)، رسالت، آخرت، اور نوعِ انسانی کے لیے ایک مکمل اخلاقی، سماجی، قانونی اور روحانی ضابطۂ حیات کی فراہمی ہے۔ خالص عربی زبان میں نازل ہونے والی یہ بے مثل کتاب اپنی بے مثال فصاحت و بلاغت اور آفاقی پیغام کے لیے جانی جاتی ہے۔ نزولِ وحی کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کاتبینِ وحی کے ذریعے قرآن مجید کی آیات کو کھجور کی شاخوں، پتھروں، ہڈیوں اور چمڑے پر لکھوا کر محفوظ کروادیا کرتے تھے۔ تاہم، تدوینِ قرآن کا باقاعدہ آغاز خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا، جب جنگِ یمامہ میں کثیر تعداد میں حفاظِ قرآن کی شہادت کے بعد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے پر قرآن مجید کو مکمل طور پر ایک کتابی شکل (مصحف) میں یکجا کیا گیا۔ اس عظیم کام کو خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کمال تک پہنچایا، جنہوں نے امت کو قرأت کے اختلاف سے بچانے کے لیے قرآن کو قریش کی معیاری زبان پر جمع کیا اور اس کے مستند نسخے تمام اسلامی ریاستوں میں بھجوادیے (اسی بنا پر آپؓ کو 'جامع القرآن' کہا جاتا ہے)۔ مسلمانوں کا پختہ عقیدہ ہے کہ اسی تاریخی تدوین اور خدائی حفاظت کے وعدے کی بدولت قرآن اپنے نزول سے لے کر آج تک ہر قسم کی تحریف یا تبدیلی سے مکمل طور پر محفوظ ہے، اور یہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے عقائد، عبادات اور طرزِ زندگی کا سب سے مستند اور اولین سرچشمہ ہے۔

قرآنِ مجید کا نظامِ اخلاق

قرآنِ مجید انسانی زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی کا وہ عظیم اور بے مثل سرچشمہ ہے جس کا بنیادی محور اخلاقیات اور تہذیب و شائستگی کی تعمیر ہے۔ یہ محض عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو بتاتا ہے کہ ایک فرد اور قوم کی بقا اور ترقی کے لیے کس قسم کے آداب اور کردار کی ضرورت ہے۔ قرآن کا نظریۂ اخلاق دنیا کے دیگر تمام نظاموں سے اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ اخلاقیات کی بنیاد محض سماجی یا مادی مفادات پر نہیں رکھتا، بلکہ اس کا حتمی مقصد 'رضائے الٰہی' کا حصول ہے۔ قرآن نے واضح کیا ہے کہ اچھے یا برے اخلاق کا فیصلہ انسانی عقل کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایات پر منحصر ہے۔ نبی اکرم ﷺ قرآنی اخلاقیات کا سب سے اعلیٰ اور عملی نمونہ تھے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم: 4) یعنی "اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبے پر ہیں"۔ اس نظام

میں بے پناہ توازن پایا جاتا ہے، جہاں معاشرے کے مفاد کے لیے مجرم کو سزا دینے کا تصور موجود ہے، وہیں عفو و درگزر کی بھی بھرپور تلقین ہے: إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا (النساء:149) یعنی "اگر تم ظاہر و باطن میں بھلائی کیے جاؤ یا برائی سے درگزر کرو تو اللہ بھی بڑا معاف کرنے والا ہے۔"

حقوق العباد اور معاشرتی ذمہ داریاں

اسلامی تعلیمات کا ایک بہت بڑا اور اہم حصہ حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق کی ادائیگی پر محیط ہے۔ قرآن کی نظر میں کائنات کی ہر شے بامقصد ہے اور انسان پر اپنے ارد گرد موجود ہر ذی روح اور بے جان اشیاء تک کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے بلند اور محترم مقام والدین کا ہے۔ قرآن میں صریح حکم ہے: وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (الاسراء: 23) یعنی "اور والدین کے ساتھ بھلائی کرو"۔ ان کے احترام کی اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ فرمایا: فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا (الاسراء: 23) یعنی "انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑک کر جواب دو"۔ اولاد کے حقوق میں ان کی جان کا تحفظ سب سے مقدم ہے۔ قرآن نے غربت کے خوف سے نسل کشی کو ایک بھیانک جرم قرار دیا ہے: وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ (الاسراء: 31) "اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی"۔ اور جاہلیت میں بچیوں کو قتل کرنے کی رسم پر فرمایا: وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (التکویر: 8-9) "اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا وہ کس گناہ میں ماری گئی؟"۔ خاندانی نظام کو استوار رکھنے کے لیے رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں کے حقوق ادا کرنے کو ایمان کا لازمی حصہ قرار دیا گیا ہے۔

فضائل و رذائل کا توازن

قرآنی نظامِ اخلاق انسان کی شخصیت کو سنوارنے کے لیے فضائل کو اپنانے اور رذائل سے بچنے کی پرکشش ترغیب دیتا ہے۔ سچائی، صبر، شکر، عدل اور امانت داری وہ بنیادی اوصاف ہیں جو مومن کے کردار کو جلا بخشتے ہیں۔ حق کی راہ میں ڈٹے رہنے والوں کے لیے فرمایا: وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ (البقرہ: 177) "اور تنگی و مصیبت کے وقت اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کرنے والے"۔ امانتوں کو ان کے اصل حقداروں تک پہنچانے کا واضح حکم ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا (النساء: 58) "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کر دو"۔ اس کے برعکس، قرآن نے ان بری عادتوں سے سختی سے روکا ہے جو معاشرے کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ کسی کا مذاق اڑانا اور برے ناموں سے پکارنا ممنوع ہے: وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ (الحجرات: 11)۔ اسی طرح غیبت کرنا ایک سنگین اخلاقی جرم ہے، جسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے: وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ (الحجرات: 12) "اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟"۔

اسلامی سماج کی تشکیل اور تکریمِ انسانیت

قرآن مجید جس پر امن اور متوازن معاشرے کی تشکیل کرتا ہے، اس کی بنیاد رنگ و نسل کے بجائے خالصتاً انسانی مساوات اور تقویٰ پر رکھی گئی ہے: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات: 13) "درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔ معاشرے کو اخلاقی گراوٹ سے بچانے کے لیے قرآن نے جامع تدابیر وضع کی ہیں۔ زنا اور بے حیائی سے سختی سے روکا گیا ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (الاسراء: 32) "زنا کے قریب نہ پھٹکو، وہ بہت بُرا فعل ہے اور بڑا ہی بُرا راستہ ہے"۔ پاکیزگی کو فروغ دینے کے لیے مرد و زن کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کا پابند کیا گیا ہے: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ (النور: 30) "اے نبی، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں"۔ ان تمام سماجی ضوابط کی معراج تکریمِ انسانیت کا وہ اٹل فیصلہ ہے جس کی مثال تاریخِ انسانی میں نہیں ملتی: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (المائدہ: 32) "جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی"۔

2.10 حدیث

علمِ حدیث اسلامی علوم میں قرآنِ مجید کے بعد سب سے بنیادی اور اہم ترین ماخذ ہے، جس کا مقصد نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات (خاموشی سے کی گئی تائید) کو محفوظ کرنا اور ان کی صحت کو جانچنا ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ اور اس کے فوراً بعد کے دور میں احادیث کی منتقلی پر زیادہ تر زور زبانی روایت اور قوی حافظے پر دیا جاتا تھا۔ تاہم، صحابہ کرامؓ کو احادیث محفوظ کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ متعدد صحابہ نے اپنے انفرادی تحریری مجموعے بھی تیار کیے تھے، جنہیں اصطلاح میں ''صحیفہ'' کہا جاتا تھا۔ ان ابتدائی صحیفوں کی کل تعداد پچاس (50) کے آس پاس تھی، جن میں کتاب الصادقہ، صحیفہ حضرت علیؓ، صحیفہ اہل یمن، صحیفہ وائل بن حجرؓ اور صحیفہ جابرؓ (صحیفہ صادقہ وغیرہ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس ابتدائی تحریری و زبانی دور میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے احادیث کی روایت اور علم حدیث کی بنیادیں استوار کرنے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔

خلفائے راشدین نے قرآن کریم کی حفاظت و اشاعت کی طرح احادیثِ نبوی ﷺ کی نشر و اشاعت اور ان کے درست اطلاق پر بھی خصوصی اور سرکاری سطح پر توجہ دی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان احادیث کو، جن کا تعلق ریاست کے ضروری اور روزمرہ مسائل سے تھا، عوام میں عام کیا تاکہ سب اس سے مستفید ہو سکیں۔ انہوں نے زکوٰۃ کے نصاب کا ایک مفصل ہدایت نامہ پوری اسلامی ریاست میں تقسیم کرایا اور سختی سے تاکید کی کہ اگر کوئی عامل (سرکاری اہلکار) اس مقررہ نصاب سے زیادہ طلب کرے تو اسے ہرگز نہ دیا جائے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے احادیث کی تلاش، حفاظت اور درس و تدریس میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان کے عہدِ خلافت میں جب اسلامی سلطنت وسیع ہوئی اور نت نئے مسائل سامنے آئے، تو وہ صحابہ کرامؓ سے متعلقہ احادیث دریافت کرتے۔ حضرت عمرؓ مختلف مسائل اور احکام پر مبنی احادیث کو باقاعدہ

نقل کرا کے اپنے صوبائی عمال اور حکام کو بھیجتے تھے۔اس ریاستی سرپرستی کے نتیجے میں احادیث کا ایک بہت بڑا حصہ جمع ہو کر وسیع پیمانے پر شائع ہوا۔احادیث کی ترویج واشاعت کا یہ سلسلہ محض سرکاری سطح تک محدود نہیں رہا، بلکہ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعین نے حدیث کو سننے، سمجھنے اور اگلی نسلوں تک پہنچانے کے لیے بے مثال قربانیاں دیں۔ یہ وہ دور تھا جب علم کے متلاشی محض ایک حدیث کی تصدیق یا اسے براہِ راست سننے کے لیے دور دراز کے کٹھن سفر (جسے اصطلاح میں 'رحلۃ فی طلب الحدیث' کہا جاتا ہے) کیا کرتے تھے۔پوری اسلامی ریاست کے طول و عرض میں جیسے مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق میں قرآنی حلقوں کی طرز پر احادیث کے عظیم الشان علمی حلقے قائم ہو چکے تھے۔ان مساجد اور مراکز میں مختلف محدثین کی جانب سے باقاعدہ حدیث کے دروس دیے جاتے تھے۔ صحابہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے سعید بن جبیرؒ اور عروہ بن زبیرؒ جیسے جلیل القدر تابعین نے بھی اپنے اساتذہ کی بیان کردہ ان احادیث کو اپنے صحیفوں میں قلم بند کیا تاکہ یہ علمی امانت ضائع نہ ہو جائے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی جانب سے احادیث کو زبانی یاد کرنے اور انہیں تحریری صحیفوں میں محفوظ کرنے کی ابتدائی کوششیں محض روایات کے ذخیرے تک محدود نہ رہیں، بلکہ بتدریج ایک باقاعدہ، انتہائی منظم اور جامع علم کی صورت اختیار کر گئیں، جسے ہم 'اصولِ حدیث' (علوم الحدیث) کے نام سے جانتے ہیں۔ جب اسلامی سلطنت کی وسعت، سیاسی و نظریاتی اختلافات، اور بعض مفاد پرست عناصر کی وجہ سے امت میں من گھڑت روایات کی دراندازی کا سنگین خطرہ پیدا ہوا، تو محدثین نے دین کے دفاع کے لیے روایات کی سند اور راویوں کی جانچ پڑتال کے لیے بے نظیر سائنسی اصول وضع کیے۔ان اصولوں کو 'علم اسماء الرجال' اور 'جرح و تعدیل' کا نام دیا گیا، جن کے تحت حدیث بیان کرنے والے ہر ہر شخص کی زندگی کا نہایت باریک بینی سے جائزہ لیا گیا۔راویوں کو پرکھنے کے لیے دو بنیادی اور کڑی شرطیں رکھی گئیں:

- **عدالت:** اس سے مراد راوی کے کردار کی پاکیزگی ہے۔یعنی دیکھا جاتا تھا کہ کیا راوی سچا، دیندار، باعمل اور پرہیزگار ہے یا نہیں؟
- **ضبط:** اس سے مراد راوی کی یادداشت اور حافظے کی پختگی ہے۔یعنی کیا اس کا حافظہ اتنا مضبوط ہے کہ وہ حدیث کو بغیر کسی غلطی کے من و عن آگے پہنچا سکے؟

اس کڑی چھان بین کے بعد روایات کو پرکھا گیا اور احادیث کو ان کے پایۂ ثبوت کے اعتبار سے صحیح، حسن اور ضعیف جیسے درجات میں تقسیم کیا گیا۔ابتدائی صحیفوں اور طویل علمی سفروں سے شروع ہونے والا یہ عظیم الشان سفر تیسری صدی ہجری میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ یہ وہ دور تھا جب عظیم محدثین نے اپنی طویل تحقیق، کڑی شرائط اور لاکھوں روایات کی چھان پھٹک کے بعد 'صحاح ستہ' یعنی حدیث کی چھ مستند ترین کتابیں مرتب کیں۔ان لازوال تصانیف میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ شامل ہیں۔ محدثین کی ان بے لوث اور محتاط کاوشوں کی بدولت ہی علمِ حدیث نے اسلامی شریعت کے ایک محفوظ اور ناگزیر ستون کی مکمل شکل اختیار کر لی، جو آج قرآنِ مجید کے بعد امتِ مسلمہ کے لیے دین کی تفہیم کا سب سے مستند سرچشمہ ہے۔

2.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبہ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی پیدائش، پرورش، اعلانِ نبوت، اور مکی دور کی مشکلات و ہجرت کے واقعات سے بخوبی آگاہ ہو سکیں گے۔ وہ یہ جان پائیں گے کہ مدینہ میں کس طرح ایک فلاحی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا، مختلف غزوات (بدر، احد، خندق) میں مسلمانوں نے کس طرح دفاع کیا، اور فتح مکہ و حجۃ الوداع کے خطبے کے ذریعے کس طرح انسانی مساوات اور حقوق البشر کا عظیم منشور دنیا کے سامنے آیا۔ اس کے علاوہ، طلبہ اسلام کے بنیادی عقائد (توحید، رسالت، ملائکہ، کتبِ الٰہی، تقدیر اور آخرت) اور اس کے عملی ارکان کی اہمیت کو بخوبی سمجھ سکیں گے۔ اس اکائی کے مطالعے سے طلبہ اسلام کے بنیادی ماخذوں یعنی قرآن اور حدیث کی اہمیت و تاریخ سے بھی مکمل واقفیت حاصل کر سکیں گے۔ وہ قرآن مجید کی تدوین کے تاریخی سفر کو جانیں گے اور سمجھ سکیں گے کہ قرآن کس طرح ایک متوازن اخلاقی و سماجی نظام، حقوق العباد، اور تکریمِ انسانیت کی تعمیر کرتا ہے۔ آخر میں، طلبہ علمِ حدیث کے ارتقاء کو سمجھیں گے؛ کہ کس طرح زبانی روایات اور ابتدائی صحیفوں سے شروع ہونے والا یہ سفر، علم اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے کڑے سائنسی اصولوں سے گزرتا ہوا تیسری صدی ہجری میں "صحاح ستہ" (حدیث کی چھ مستند ترین کتابوں) کی تدوین کی شکل میں اپنے نقطۂ عروج پر پہنچا۔

2.12 کلیدی الفاظ (Keywords)

بعثت	:	ظہور، بیداری
الامین	:	امانت دار
متبنّٰی	:	لے پالک
عالم علوی	:	آسمانی دنیا
نقطۂ ماسکہ	:	منتہائے خط، روکنے والا آخری پوائنٹ
حلم	:	بردباری
فروتنی	:	عاجزی
حجت	:	دلیل

2.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

2.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. نوجوانی کے دور میں حضور ﷺ نے کس جنگ میں شرکت کی لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی؟

(الف) جنگ بدر (ب) جنگ احد (ج) حرب فجار (د) غزوہ خندق

2. غار حرا میں نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی کب نازل ہوئی؟

(الف) 610ء (ب) 615ء (ج) 620ء (د) 622ء

3. ہجرتِ مدینہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے مدینہ سے متصل کس مقام پر اسلام کی سب سے پہلی مسجد تعمیر کی؟

(الف) بدر (ب) قبا (ج) حدیبیہ (د) طائف

4. خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے کتنے مسلمانوں کے مجمع میں تکمیل دین کا اعلان فرمایا؟

(الف) دس ہزار (ب) تیس ہزار (ج) پچاس ہزار (د) ایک لاکھ سے زائد

5. علمِ حدیث میں راوی کے کردار کی پاکیزگی، پرہیز گاری اور سچائی کو پرکھنے کی شرط کو کیا کہا جاتا ہے؟

(الف) ضبط (ب) عدالت (ج) جرح (د) اسناد

2.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. عہد جاہلیت میں مکہ کی اہمیت کے بارے میں مختصراً لکھئے۔
2. شعب ابو طالب کے واقعہ پر روشنی ڈالئے۔
3. صلح حدیبیہ کی شرائط تحریر کیجئے۔
4. اجزائے ایمان پر نوٹ لکھیے۔
5. فتح مکہ پر مختصراً ایک نوٹ لکھئے۔

2.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. رسول اکرمؐ کی مکی زندگی کو تفصیل سے بیان کیجیے۔
2. اسلام کے بنیادی ارکان و عقائد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیجیے۔
3. علم حدیث پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔

جوابات

1. (ج) حرب فجار 2۔(الف) 610ء 3۔(ب) قبا 4۔(د) ایک لاکھ سے زائد
5۔(ب) عدالت

اکائی 3۔ مدینہ میں ریاست کا ارتقا

(Evolution of State in Madina)

اکائی کے اجزا

3.0		تمہید
3.1		مقاصد
3.2		مآخذ
3.3		قبل از اسلام عرب کی 'غیر ریاستیت'
3.4		میثاق مدینہ: شہری ریاست کا ظہور
	3.4.1	دستورِ مدینہ کے قانونی خدوخال
	3.4.2	دستاویز کی وحدت پر مورخین کی آراء
3.5		مدنی ریاست کی نوعیت
	3.5.1	امہ کا تصور اور عظیم قبیلہ
	3.5.2	کرشماتی قیادت اور ثالثی اختیار
3.7		سماجی، معاشی اور فوجی تنظیم
3.8		پیغمبر ﷺ کی سیاسی میراث
3.9		اکتسابی نتائج
3.10		کلیدی الفاظ
3.11		نمونہ امتحانی سوالات
	3.11.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
	3.11.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
	3.11.3	طویل جوابات کے حامل سوالات

3.0 تمہید (Introduction)

عالمی تاریخ نویسی میں ساتویں صدی عیسوی کا ابتدائی دور ایک غیر معمولی، ہمہ گیر اور ساختیاتی سیاسی انقلاب کا گواہ ہے، جس کا مرکز جزیرہ نما عرب کا شہر یثرب (مدینہ) تھا۔ عہدِ قدیم کی عظیم الشان سلطنتوں، خصوصاً شمال مغرب میں بازنطینی (Byzantine) اور شمال مشرق میں ساسانی (Sassanid) سلطنتوں کے اُلٹ، جزیرہ نما عرب کا زیادہ تر حصہ کسی بھی مرکزی سیاسی اقتدار سے لگ بھگ محروم تھا۔ اس لامرکزیت اور شدید قبائلی جھگڑوں کے پس منظر میں، مدینہ میں ایک باقاعدہ، آئینی اور نظریاتی ریاست کا قیام انسانی تاریخ کے اہم ترین اور حیرت انگیز واقعات میں شمار ہوتا ہے۔ نوآبادیاتی مورخین عموماً اس خطے کو عالمی تاریخ کے حاشیے پر تصور کرتے تھے اور عرب قبائل کو محض خانہ بدوش قرار دیتے تھے، لیکن جدید مورخین اور ماہر عمرانیات جن میں مارشل ہاجسن، پیٹریسیا کرون، ڈبلیو منٹگمری واٹ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ شامل ہیں، نے مدینہ میں ریاست سازی (State Formation) کے اس عمل کو ایک بے مثال سیاسی ترقی اور ادارہ جاتی کمال قرار دیا ہے۔ مدینہ میں ریاست کی ترقی محض ایک جغرافیائی منتقلی (مکہ سے ہجرت) کا نتیجہ نہیں تھی، بلکہ یہ ایک نئے سماجی معاہدے، ایک مستحکم آئینی ڈھانچے اور ایک ہمہ گیر اخلاقی ضابطے کی بنیاد پر آہستہ آہستہ ترقی پذیر ہوئی۔ اس دور کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ریاست کی بنیاد، روایتی خون، نسل یا قبیلے (Kinship) کے بجائے ایک مشترکہ نظریاتی اور عقیدتی شناخت پر رکھی گئی، جسے تاریخی اور قرآنی اصطلاح میں 'اُمہ' (Ummah) کہا جاتا ہے۔ 622 عیسوی میں رسول اکرم ﷺ کی مدینہ ہجرتِ کے بعد، قبائلی عصبیتوں اور خونی رقابتوں میں بٹے ہوئے سماج کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لیے جو ریاستی اور دستوری اقدامات کیے گئے، انہوں نے جدید شہری ریاستوں (City-States) کے لیے ایک منفرد اور متنوع نمونہ فراہم کیا، جس نے بعد ازاں ایک عظیم عالمی سلطنت کی شکل اختیار کر لی۔ سیاسیات، عمرانیات اور قانون کے اعتبار سے، مدینہ کی ریاست نے پہلے سے چلے آرہے قبائلی قانونِ انتقام یعنی خون کے بدلے خون کا خاتمہ کیا اور جائز تشدد پر ریاست کی مکمل اجارہ داری (Monopoly of legitimate violence) کا تصور پیش کیا۔ میکس ویبر (Max Weber) کے ریاستی نظریات کی روشنی میں، مدینہ کی اس نوخیز ریاست نے کرشماتی قیادت کو ایک ادارے کی شکل دی اور قبائلی سرداروں کی خود مختاری کو ایک مرکزی عدالتی اور فوجی نظام کے تابع کر دیا۔ یہ اکائی مدینہ میں ریاست کے تدریجی ارتقا، 'میثاقِ مدینہ' کے دستوری اوصاف، تکثیریت (Pluralism) اور سماجی و سیاسی ہم آہنگی کے تجزیے پر زور دیتی ہے اور ان ساختی تبدیلیوں اور ریاستی اداروں کے قیام کو گہرائی سے سمجھاتی ہے جنہوں نے نہ صرف عرب بلکہ بعد میں پوری دنیا کی تہذیبی اور سیاسی تاریخ کا دھارا بدل دیا۔

3.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد

- ماقبل اسلام عرب کی غیر ریاستی ساخت اور قبائلی نظام کی سیاسی و معاشی پیچیدگیوں کو سمجھ سکیں گے۔
- ہجرتِ مدینہ کے اسباب اور اس کے نتیجے میں ابھرنے والے نئے سیاسی اور سماجی ڈھانچے کو جان سکیں گے۔

- 'میثاق مدینہ' کی قانونی، سماجی اور دستوری اہمیت کا عصری اور تاریخی تناظر میں تجزیہ کر سکیں گے۔
- 'اُمہ' کے تصور، ڈبلیو منٹگمری واٹ کے 'عظیم قبیلہ' کے نظریہ اور مارشل ہاجسن کی 'اخلاقی برادری' کے مابین فرق اور یکسانیت کو سمجھ سکیں گے۔
- میکس ویبر کے 'کرشماتی قیادت' کے نظریے کی روشنی میں پیغمبر ﷺ کی ریاستی، فوجی اور ثالثی حیثیت کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- مدینہ کی ریاست کی ہم آہنگی، مذہبی آزادی اور اقلیتوں (ذمیوں) کے حقوق پر جدید تاریخی مباحث کو جان سکیں گے۔

3.2 مآخذ (Sources)

کسی بھی عہد کی ریاست اور اس کے اداروں کی ساخت کو سمجھنے کے لیے اس کے مآخذ کا تنقیدی مطالعہ ضروری ہے۔ مدینہ کی ابتدائی ریاست کی سیاسی، معاشی اور سماجی حالات کو جاننے کے لیے مورخین کو کئی طرح کے مآخذ پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ان مآخذ کو بنیادی طور پر دو بڑے زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: پہلا کلاسیکی اسلامی ادب، جن میں سیرت، مغازی، احادیث اور فقہ کی کتب شامل ہیں اور دوسرا جدید عصری تاریخ نویسی، جس میں مستشرقین (Orientalists) اور جدید مسلم محققین کے تجزیاتی کام شامل ہیں۔ ابتدائی اسلامی تاریخ اور مدینہ کی ریاست کے اہم ترین کلاسیکی ماخذ میں محمد ابن اسحاق (م 767ء) کی تصنیف 'سیرت رسول اللہ' شامل ہے، جسے بعد میں ابن ہشام (م 833ء) نے دو مرتب کیا اور یہ آج 'سیرت ابن ہشام' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس تصنیف کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس میں 'میثاقِ مدینہ' کا مکمل متن من و عن موجود ہے، جسے عصری محققین بشمول جولیس ویلہوزن (Julius Wellhausen) اور پیٹریسیا کرون (Patricia Crone) بھی ساتویں صدی عیسوی کی مستند ترین دستاویز تسلیم کرتے ہیں۔ اردو مآخذ کی بات کی جائے تو بیسویں صدی میں علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی شہرہ آفاق تصنیف 'سیرت النبی' انتہائی اہمیت کی حامل ہے جس میں مدینہ کی ریاست کے عدالتی، اخلاقی اور سماجی ڈھانچے کا روایتی مگر انتہائی جامع اور محققانہ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تصنیف 'الرحیق المختوم' میں مدینہ کے ابتدائی ایام، غزوات اور قبائلی تلون پذیری پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے جو ریاست کے سیاسی ارتقاء کو سمجھنے میں مددگار ہے۔

جدید اور مغربی تاریخ نویسی میں، ڈاکٹر محمد حمید اللہ (Dr. Muhammad Hamidullah) کی عربی زبان میں بے مثال تصنیف 'مجموعۃ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی والخلافت الراشدہ' ایک تاریخی سنگِ میل ہے۔ انہوں نے عہدِ نبوی کے تمام سیاسی عہد ناموں، خطوط اور اقلیتوں کے ساتھ معاہدات کو یکجا کیا ہے، جس کے ذریعے مدینہ کو محض ایک مذہبی مرکز کے بجائے ایک باقاعدہ دستوری ریاست کے طور پر ثابت کیا گیا۔ انگریزی مآخذ میں، شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر مارشل ہاجسن (Marshall G.S. Hodgson) کی تین جلدوں پر مشتمل کتاب *The Venture of Islam* اسلامی تہذیب کی عالمی اور سماجی تشکیل کا ہمہ گیر جائزہ لیتی ہے اور 'اُمہ' کے تصور کو ایک عوامی (populist) اخلاقی انقلاب کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اسی طرح ممتاز مستشرقہ پیٹریسیا کرون (Patricia Crone) کی کتاب *Slaves on Horses: The Evolution of the Islamic Polity* جزیرہ نما عرب کی غیر ریاستی ساخت

سے ایک طاقتور شاہی ریاست کے ابھرنے کے اسباب پر بحث کرتی ہے۔ ڈبلیو منٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) کی کتاب *Muhammad at Medina* سیاسی اتحاد، قبائلی وفاداریوں کے خاتمے اور سماجی اصلاحات کو سمجھنے کے لیے ایک کلیدی ماخذ سمجھی جاتی ہے۔ فریڈ ڈونر (Fred Donner) کی حالیہ تحقیق *Muhammad and the Believers* مدینہ کے سماج کو ایک وسیع بنیاد والی 'تحریکِ مومنین' کے طور پر پیش کرتی ہے جس میں ابتداً دیگر توحید پرست (یہودی و عیسائی) بھی سیاسی انضمام کا حصہ تھے۔

ماخذ کی قسم/زمرہ	اہم کتاب/دستاویز	مصنف/مرتب	تاریخی اہمیت اور علمی نقطہ نظر
سیرت و کلاسیکی ادب	سیرت ابن ہشام (سیرت رسول اللہ)	ابن اسحاق/ابن ہشام	میثاق مدینہ کا قدیم ترین محفوظ متن، قبائلی معاہدات، اور مدینہ کی ابتدائی فوجی و سیاسی مہمات کا مفصل اور زمانی بیان۔
اردو سیرت نگاری	سیرت النبی	علامہ شبلی نعمانی	پہلی اسلامی ریاست کے قانونی، اخلاقی، تعلیمی اور سماجی ڈھانچے کا مستند اور عقیدت و تحقیق پر مبنی تجزیہ۔
سیاسی دستاویزات کی تدوین	الوثائق السیاسیہ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	عہدِ نبوی کے تمام سیاسی خطوط، بین الاقوامی معاہدات (نجران و سیناء) اور میثاق مدینہ کے عربی متون کی جدید سائنسی تدوین۔
مغربی تاریخ نویسی (تمدنی)	دی وینچر آف اسلام (جلد اول)	مارشل ہاجسن	'امہ' کے ارتقا، مساوات پر مبنی اخلاقی برادری کے قیام اور عالمی تاریخ کے تناظر میں اسلام کا تجزیہ۔
عمرانیاتی اور ادارہ جاتی تاریخ	محمد ایٹ مدینہ	ڈبلیو منٹگمری واٹ	مدینہ میں قبائل کے انضمام، سپر ٹرائب کے نظریے، اور ریاست کے معاشی، فوجی اور سیاسی پہلوؤں پر تفصیلی تحقیق۔
تنقیدی اور ساختی تاریخ	سلیوز آن ہارسز	پیٹریسیا کرون	غیر ریاست بدوی سماج میں ریاست سازی اور فوجی طاقت کے مرکزیت حاصل کرنے کی علمی اور سماجی بحث۔
عصری نظرِ ثانی (Revisionist)	محمد اینڈ دی بیلیورز	فریڈ ڈونر	ابتدائی اسلامی ریاست کو ایک وسیع 'ایمان والوں کی تحریک' قرار دینا اور قبلہ کی تبدیلی کو سیاسی انضمام کا اہم موڑ ثابت کرنا۔

3.3 قبل از اسلام عرب کی 'غیر ریاستیت' (Statelessness of Pre-Islamic Arabia)

مدینہ کی ریاست کے ارتقا کی حقیقی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ساتویں صدی کے جزیرہ نما عرب کی جغرافیائی، سماجی اور سیاسی حالت کا باریک بینی سے جائزہ لینا ضروری ہے۔ پیٹریسیا کرون کے مطابق، عرب سماج، بالخصوص حجاز اور نجد کے علاقے، مکمل طور پر ایک 'غیر ریاستی' (Stateless) سماج کی عکاسی کرتے تھے۔ یمن اور جنوبی عرب کے علاقوں کے برعکس، جہاں بادشاہتوں اور باقاعدہ تہذیبوں کی قدیم تاریخ موجود تھی، وسطی اور شمالی عرب میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ سیاسی اقتدار، پولیس کا نظام، منظم فوج یا عدالتی افسر شاہی کا سرے سے کوئی وجود نہیں تھا۔ اس غیر ریاستی نظام میں، سماج کی بنیادی اکائی فرد نہیں بلکہ 'خاندان' اور 'قبیلہ' تھا۔ بقا اور تحفظ کی واحد ضمانت قبائلی عصبیت (Asabiyyah) اور وابستگی پر مبنی تھی۔ ایک فرد کی شناخت اور اس کی جان و مال کا تحفظ اس کے قبیلے کی فوجی طاقت سے جڑا تھا۔ جرائم کی

صورت میں سزا دینے کا اختیار کسی مرکزی اقتدار یا ریاست کے پاس نہیں تھا، بلکہ یہ مقتول کے قبیلے کا حق تصور کیا جاتا تھا کہ وہ قانونِ انتقام (*Lex Talionis*) کے تحت خون کا بدلہ خون سے لے۔ انتقام کے اس غیر محدود حق نے سماج کو مسلسل اور تھکا دینے والی قبائلی جنگوں میں الجھا رکھا تھا، جس میں معمولی جھگڑے بھی نسل در نسل جنگوں میں بدل جاتے تھے۔

یثرب (بعد میں مدینہ) کی حالت اس قبائلی ٹوٹ پھوٹ اور سیاسی لامرکزیت کی بدترین مثال تھی۔ قریش کے زیرِ انتظام مکہ (ایک تجارتی اور مذہبی مرکز) کے برعکس یثرب، بنیادی طور پر نخلستانوں پر مشتمل ایک کھیتی باڑی والا علاقہ تھا جس کی آبادی متنوع تھی۔ یہاں دو بڑے عرب قبائل (اوس اور خزرج) اور تین نمایاں یہودی قبائل (بنو قینقاع، بنو نضیر، اور بنو قریظہ) آباد تھے۔ اوس اور خزرج کے درمیان سالوں سے جاری خانہ جنگی نے یثرب کے سماجی اور معاشی ڈھانچے کو مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا۔ خاص طور پر ہجرت سے چند سال قبل لڑی گئی جنگِ بُعاث (Battle of *Bu'ath*) نے ان قبائل کو اس قدر تھکا دیا تھا کہ انہیں اپنی بقا کے لیے ایک ایسے غیر جانبدار اور بیرونی ثالث کی شدید ضرورت تھی جو ان کے جھگڑوں کو غیر جانبداری سے حل کر سکے اور شہر میں امن بحال کرے۔

دوسری جانب مکہ میں، قریش کی شدید مخالفت، سماجی بائیکاٹ اور ظلم و ستم کے باعث پیغمبر ﷺ اور آپ کے پیروکاروں کے لیے مکہ میں رہنا تقریباً ناممکن ہو چکا تھا۔ یثرب کے باشندوں نے حج کے مواقع پر عقبہ کی بیعتوں (Pledges of *Aqabah*) کے دوران رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور قیادت کو تسلیم کیا اور انہیں اپنے شہر مدینہ آنے کی باقاعدہ دعوت دی۔ چنانچہ 622 عیسوی میں ہونے والی 'ہجرت'، محض ظلم سے فرار یا پناہ کی تلاش نہیں تھی، بلکہ یہ ایک نئی سیاسی اکائی کی تشکیل اور جزیرہ نما عرب کے سیاسی ڈھانچے کی تبدیلی کا باقاعدہ نقطہ آغاز تھا۔ ہجرت کے فوراً بعد، مدینہ میں انصار (مقامی باشندوں) اور مہاجرین (مکہ سے ہجرت کرنے والوں) کے درمیان جو سیاسی اور سماجی رشتہ قائم ہوا، اس نے جزیرہ نما عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ نسل و خون اور علاقائیت سے بالاتر، نظریے اور عقیدے پر مبنی ریاست قائم کی۔

3.4 میثاقِ مدینہ: شہری ریاست کا ظہور (Constitution of Medina: Birth of City State)

مدینہ پہنچنے کے بعد، رسول اکرم کا سب سے بڑا سیاسی اور انتظامی چیلنج، اس بٹے ہوئے، جنگ زدہ اور غیر متحد سماج کو ایک پرامن، متحد اور فعال سماج میں تبدیل کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ نے مدینہ کے مختلف گروہوں جن میں مہاجرین، اوس، خزرج اور یہودی قبائل شامل تھے، کے درمیان ایک تاریخی اور بے مثال معاہدہ طے کیا، جسے جدید تاریخ نویسی میں 'میثاقِ مدینہ'، 'دستورِ مدینہ' یا 'صحیفہ' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اسے انسانی تاریخ کا پہلا تحریری دستور (First Written Constitution) قرار دیتے ہیں جس نے ایک کثیر المذہبی اور کثیر القبائلی شہر کو ایک منظم شہری ریاست (City-State) میں تبدیل کیا اور جس کے اصول برطانوی میگنا کارٹا (Magna Carta - 1215) سے بھی چھ صدیاں قبل وضع کیے گئے تھے۔

3.4.1 دستورِ مدینہ کے قانونی خدوخال

میثاقِ مدینہ کی کل شقوں کی گنتی پر مورخین میں معمولی اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی بنیادی وجہ متن میں پیراگراف کی تقسیم ہے۔ جولیس ویلہوزن نے اسے 47 شقوں میں تقسیم کیا، جب کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے قانونی اور انتظامی نوعیت کے اعتبار سے مزید ذیلی تقسیم کر کے اس کی 53 شقیں گنوائی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ دستاویز دو بنیادی حصوں پر مشتمل سمجھی جا سکتی ہے: پہلا حصہ (شق 1 تا 23)، مہاجرین اور انصار کے درمیان تعلقات اور ان کی فوجی و سماجی ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے اور دوسرا حصہ (شق 24 تا 53) مسلمانوں اور مدینہ کے یہودی قبائل کے مابین تعلقات، حقوق، اور فرائض کا احاطہ کرتا ہے۔ دستورِ مدینہ کی چیدہ چیدہ اور انقلابی خصوصیات کو درج ذیل جدول کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے:

- **ایک متحدہ قوم:** دستاویز کی پہلی اور سب سے اہم شق یہ تھی کہ تمام شرکاء (مسلمان اور ان کے اتحادی) دنیا کے دیگر لوگوں کے مقابلے میں ایک 'امہ' (Ummah) یعنی واحد قوم تصور کیے جائیں گے۔ یہ قبائلی تقسیم پر نظریاتی وحدت کی فتح تھی۔
- **مذہبی آزادی:** شق نمبر 25 کے تحت مدینہ کے یہودیوں (مثلاً یہودِ بنی عوف) کو مسلمانوں کے ساتھ ایک واحد سیاسی برادری تسلیم کیا گیا۔ صراحتاً اعلان کیا گیا کہ ''یہودیوں کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین۔'' یہ شق، کثیر مذہبی سماج میں ہمہ آہنگی (Pluralism) کی اولین دستوری ضمانت تھی۔
- **مشترکہ دفاع اور فوجی تعاون:** دستور کے تحت یہ طے پایا کہ اگر مدینہ پر کوئی بیرونی حملہ ہو تو تمام فریقین (مسلمان اور یہودی) مل کر شہر کا دفاع کریں گے۔ شق 44 کے مطابق جنگی اخراجات (نفقہ) یہودی اور مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خود برداشت کریں گے۔
- **خون بہا اور فدیہ:** پرانے قبائلی نظام کی طرح خون بہا (دیت یا معاقل) اور جنگی قیدیوں کا فدیہ ادا کرنے کی ذمہ داری ابتدائی طور پر متعلقہ گروہوں اور قبیلوں پر رکھی گئی، لیکن اسے ایک مرکزی ضابطہ انصاف کے تابع کر دیا گیا تاکہ غریب یا کمزور گروہوں کا استحصال نہ ہو۔
- **حرمِ مدینہ کا قیام:** میثاق نے مدینہ کے اندرونی علاقے کو تمام شرکائے معاہدہ کے لیے مقدس اور پرامن (حرم) قرار دیا، جہاں کسی بھی قسم کی خونریزی اور خونی انتقام سختی سے ممنوع قرار پایا۔
- **مرکزی عدلیہ اور بالادستی:** شق 23 اور 42 کے مطابق، کسی بھی اندرونی تنازعے یا سنگین اختلاف کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اس نے قبائلی سرداروں کی لامحدود طاقت کو ختم کر کے قانون کی بالادستی قائم کی۔

3.4.2 دستاویز کی وحدت پر مورخین کی آراء

میثاق مدینہ کی تاریخی سند (Authenticity) کو ویلہوزن اور پیٹریسیا کرون سمیت تمام مغربی مورخین نے بھی متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے۔ کرون، جو کہ روایتی اسلامی مصادر پر سخت تنقید کے لیے جانی جاتی ہیں، کا بھی یہ ماننا ہے کہ یہ دستاویز ابن اسحاق کی سیرت میں

''ملبے کے ایک بڑے ڈھیر میں ایک ٹھوس چٹان''(Solid rock in an accumulation of rubble)کی طرح مستند نظر آتی ہے۔ تاہم، کیا یہ دستور ایک ہی وقت میں ایک ہی مجلس میں لکھا گیا یا مختلف ادوار کی دستاویزات کا مجموعہ ہے؟ یہ جدید تاریخ نویسی میں ایک طویل علمی بحث کا موضوع رہا ہے۔ جولیس ویلہوزن، منٹگمری واٹ، اور مائیکل لیکر(Michael Lecker) جیسے مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ ایک 'مخلوط دستاویز'(Composite Document) ہے، یعنی اس کی شقیں مختلف اوقات میں لکھی گئیں اور بعد میں تاریخ نویسوں نے انہیں یکجا کر دیا۔ مشہور مستشرق آر۔بی۔ سرجنٹ(R.B. Serjeant) نے لسانی اور ساختی تجزیے کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ یہ دراصل آٹھ مختلف معاہدوں کا مجموعہ ہے جو ہجرت کے پہلے سات سالوں کے دوران وقتاً فوقتاً طے پائے، جن میں یہودیوں کے ساتھ معاہدے، جنگی ضوابط اور مدینہ کو حرم قرار دینے کے اعلامیے الگ الگ تھے۔ اس کے برعکس، موشے گِل(Moshe Gil) اور دیگر ماہرین، بشمول مسلمان محققین، سارجنٹ کی اس خود ساختہ تقسیم کو ٹھکراتے ہوئے اسے بنیادی طور پر ایک وحدانی اور مربوط معاہدہ ہی تسلیم کرتے ہیں جو ہجرت کے ابتدائی دور میں ایک ناگزیر سیاسی و فوجی مقصد (یثرب کے مشترکہ دفاع اور قیامِ امن) کے تحت وجود میں آیا۔ بہر حال، یہ دستاویز، مدینہ کی ایک پیچیدہ اور جنگ زدہ سماج سے ایک منظم اور قانونی ریاست کی جانب سفر کا سب سے بڑا اور مستند ثبوت ہے۔

3.5 مدنی ریاست کی نوعیت (Nature of State)

3.5.1 امہ کا تصور اور عظیم قبیلہ (Concept of Umma and Super Tribe)

ابتدائی اسلامی تاریخ کے مطالعے میں ماہرینِ سیاسیات اور عمرانیات کے لیے سب سے پیچیدہ سوال یہ رہا ہے کہ مدینہ کی نوخیز ریاست کی ساخت کیا تھی اور اس کے مختلف طرح کے شہریوں کا باہمی ربط وضبط کس نوعیت کا تھا۔ اس دور کی سیاسی ساخت کو سمجھنے کے لیے 'امہ' (Ummah) یعنی امت کا قرآنی اور دستوری تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ قبل از اسلام، عرب سماج کا سیاسی اتحاد صرف خاندان اور رشتے داری(Kinship) پر قائم تھا۔ مدینہ کی ریاست نے انسانی تاریخ میں پہلی بار اس محدود خونی رشتے کو عقیدے، نظریاتی جڑاؤ اور آئینی وابستگی سے تبدیل کر دیا۔ مارشل ہاجسن نے اپنی شہرہ آفاق کتاب *The Venture of Islam* میں لکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے اسلام کے ذریعے ایک نیا چیلنج پیش کیا جس میں محدود قبائلی وفاداریوں کو ختم کر کے مساوات (Egalitarianism) پر مبنی ایک ایسی 'اخلاقی برادری' (Moral Community) تشکیل دی گئی جس کی حتمی جوابدہی صرف ایک خدا کے سامنے تھی۔ ہاجسن کے نزدیک، اسلام کا یہ 'عوامی رجحان'(Populistic Tendency) تھا جس نے جلد ہی مدینہ میں ایک سیاسی منصوبے کی شکل اختیار کر لی، جس میں امیر و غریب، عرب و عجم کے امتیازات کو مٹا دیا گیا اور بعد ازاں اسی نظریے نے ایک وسیع بین الاقوامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

دوسری جانب، ممتاز برطانوی مورخ ولیم منٹگمری واٹ نے عربوں کی اس سیاسی اکائی کے لیے 'عظیم قبیلہ'(Super-tribe) کی جدید اصطلاح استعمال کی ہے۔ واٹ کے تفصیلی تجزیے کے مطابق، میثاق مدینہ نے پرانے قبائلی ڈھانچے کو مکمل طور پر مسمار یا ختم نہیں کیا کیونکہ دیت اور فدیہ دینے کی ذمہ داری ابھی بھی ذیلی قبائل پر تھی، بلکہ تمام مقامی قبائل اور اقلیتوں کو ایک بڑے نظریاتی چھاتے کے نیچے جمع

کر کے ایک نیا اور عظیم قبیلہ بنا دیا۔ یہ ریاست اپنے اراکین کو بعینہ اسی طرح کا تحفظ اور یکجہتی فراہم کرتی تھی جس طرح ایک روایتی قبیلہ اپنے افراد کی حفاظت کرتا ہے، لیکن اس نئے عظیم قبیلے کی رکنیت پیدائش یا خون کے بجائے عقیدے اور سیاسی معاہدے سے جڑی تھی۔

عصری محقق فریڈ ڈونر (Fred Donner) اپنی کتاب *Muhammad and the Believers* میں اس ابتدائی سماج کو خالصتاً اور ابتدا ہی سے ایک علیحدہ مذہب کی ریاست قرار دینے کے بجائے ایک 'ایمان والوں کی تحریک' (Believers Movement / Ecumenical Movement) قرار دیتے ہیں۔ ڈونر کی دلیل ہے کہ ابتدائی مدنی دور میں اور میثاق مدینہ کی رو سے، 'امہ' ایک ہمہ گیر اور وسیع اصطلاح تھی جس میں موحدین، بشمول توحید پر یقین رکھنے والے نیک عمل یہودی، مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک کثیر المذہبی سیاسی اور روحانی برادری کا حصہ تھے۔ جب سیاسی حالات تبدیل ہوئے اور قبلہ کی سمت بیت المقدس سے مکہ کی جانب موڑ دی گئی، تو یہ 'امہ' خالصتاً ایک علیحدہ اور مخصوص اسلامی شناخت کے طور پر مستحکم ہو گئی۔ یہ تمام زاویے اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ مدینہ کی ریاست کی نوعیت ایک جامد آمرانہ حکومت کی نہیں تھی، بلکہ یہ ایک وفاقی (Federal) اور رضاکارانہ اتحاد تھا جہاں تکثیریت کو ایک نظریاتی وحدت کے ماتحت کیا گیا تھا۔

3.5.2 کرشماتی قیادت اور ثالثی اختیار (Charismatic Authority and Arbitrational Power)

جدید علم سیاسیات میں جدید ریاست کی سب سے مشہور اور متفقہ تعریف جرمن ماہر عمرانیات میکس ویبر (Max Weber) نے کی ہے۔ ویبر کے نظریے کے مطابق ریاست وہ ادارہ ہے جسے ایک خاص جغرافیائی حدود کے اندر 'جسمانی طاقت یا تشدد کے جائز استعمال پر اجارہ داری' (Monopoly on the legitimate use of physical force/violence) حاصل ہوتی ہے۔ میثاق مدینہ کی رو سے، مدینہ کی ریاست نے بالکل اسی ویبرین ماڈل کے تحت ریاستی اقتدار قائم کیا۔ قبل ازیں، بدوی سماج میں قتل کا بدلہ لینا (قصاص) فرد یا قبیلے کا ذاتی حق تھا جو پشتوں تک چلنے والی خونی جنگوں کا سبب بنتا تھا۔ دستور مدینہ نے قتل اور خون بہا کے فیصلوں کا حتمی اختیار قبائل سے چھین کر مرکزی اقتدار (ریاست) کو منتقل کر دیا۔ شقوں کے مطابق کسی بھی جھگڑے، خونریزی یا بغاوت کی صورت میں خود ساختہ انتقام کے بجائے معاملہ اللہ اور محمد ﷺ کی عدالت میں پیش کیا جانا لازمی قرار دیا گیا۔ اس طرح تاریخ میں پہلی بار عربی سماج میں طاقت کا استعمال اور سزا دینے کا قانونی اختیار متصادم قبائل کے ہاتھ سے نکل کر ایک مرکزی ریاست کے ہاتھ میں چلا گیا۔ مزید برآں، مدینہ کے ریاستی ارتقا کو میکس ویبر کے ایک اور مشہور سماجی نظریے 'کرشماتی قیادت' (Charismatic Authority) کے تناظر میں بھی بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ ویبر کے نزدیک کرشماتی قیادت اس وقت ابھرتی ہے جب کوئی رہنما غیر معمولی، مافوق الفطرت یا الہامی صفات کا حامل مانا جاتا ہے، اور اس کی اطاعت روایتی رسوم یا سرکاری قوانین کے بجائے اس کی ذات پر غیر متزلزل عقیدے کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ پیغمبر ﷺ نے مدینہ میں ریاستی استحکام کے لیے ایک ساتھ دوہری حیثیت میں کام کیا۔ ایک طرف آپ توحید کے داعی اور الہامی پیغمبر تھے اور دوسری طرف آپ نے ایک عملی اور غیر جانبدار ثالث (حکم/Hakam) کا کردار ادا کیا جو مختلف مذہبی اور سماجی گروہوں کے قانونی تنازعات کو ان کے اپنے قوانین کے مطابق حل کرتا تھا۔ یہ کرشماتی اور ثالثی اختیار (Charismatic and Arbitrational Authority) ہی وہ واحد طاقت

تھی جو طویل عرصے سے منتشر اور برسرپیکار قبائلی سماج کو ایک قانونی دائرے میں لا سکتی تھی۔ ہاجسن اور دیگر محققین کے مطابق، مدینہ کے نوخیز ریاستی ڈھانچے کا مکمل انحصار اسی بے مثل، بے داغ اور روحانیت سے بھرپور کرشماتی قیادت پر تھا جس نے وفاداریوں کا رخ قبیلے سے موڑ کر نظریہ کی طرف کر دیا۔

3.7 سماجی، معاشی اور فوجی تنظیم (Social, Economic, and Military Organisation)

مدینہ کی ریاست کو داخلی طور پر مضبوط کرنے، نوآباد مہاجرین کو معاشی طور پر مستحکم کرنے اور بیرونی خطرات (بالخصوص مکہ کے قریش کے حملوں) سے نمٹنے کے لیے موثر سماجی، معاشی اور فوجی اصلاحات ناگزیر تھی۔

فوجی حکمتِ عملی اور معاہدے: فوجی لحاظ سے مدینہ ایک چھاؤنی نما شہر بن چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے محض دفاع پر اکتفا کرنے کے بجائے ایک فعال خارجہ پالیسی اپنائی اور مدینہ کے اطراف اور تجارتی شاہراہوں پر آباد غیر مسلم قبائل (جیسے بنو ضمرہ اور بنو مدلج) کے ساتھ عدم جارحیت کے معاہدے کیے، جن کا بنیادی مقصد قریشِ مکہ کے شامی تجارتی راستوں پر معاشی اور فوجی دباؤ ڈالنا اور مدینہ کی بیرونی سرحدوں کو محفوظ بنانا تھا۔ بدر، اُحد اور خندق جیسی فیصلہ کن جنگوں نے ثابت کیا کہ مسلمانوں کی فوج، جو کہ رضاکاروں پر مشتمل تھی، اعلیٰ فوجی نظم وضبط اور نظریاتی لگن رکھتی تھی جس نے مکہ کی پرانی قبائلی جنگی حکمت عملیوں کو شکست دی۔ غزوہ خندق میں خندق کھودنے کا غیر روایتی طریقۂ کار اس عسکری جدت پسندی کی واضح مثال تھا۔

معاشی ڈھانچہ اور اقلیتوں سے تعلقات: مدنی ریاست کی معیشت کا ابتدائی دارومدار باہمی امداد پر تھا۔ 'مواخات'(Brotherhood) کا ادارہ، جس کے تحت ہر انصاری نے ایک مہاجر کو اپنا دینی بھائی بنا کر اپنی جائیداد، زراعت اور کاروبار میں شریک کیا، تاریخ میں سماجی ضمانت، معاشی بحالی اور مہاجرین کی آبادکاری کی بے نظیر مثال ہے۔ بعد ازاں، زکوٰۃ، مال غنیمت اور خراج کے باقاعدہ نظام نے ریاستی خزانے (بیت المال) کی بنیاد رکھی۔ غیر مسلموں اور اقلیتوں کے بارے میں ریاست کی مالیاتی پالیسی انتہائی متوازن اور دوراندیش تھی۔ ابتدائی دور میں، میثاق مدینہ کے تحت جنگی اخراجات (نفقہ) مشترکہ طور پر اٹھائے جاتے تھے۔ جب ریاست کی حدود میں توسیع ہوئی اور جزیرہ نما عرب کے دیگر علاقے (جیسے نجران اور خیبر) فتح ہوئے، تو وہاں کے غیر مسلموں (ذمیوں) سے 'جزیہ'(Jizya) وصول کیا جانے لگا۔ یہ ایک قسم کا فوجی خدمت سے چھٹکارے کا ٹیکس تھا، جس کے عوض ریاست، ان کے جان، مال اور عبادت گاہوں کے مکمل تحفظ کی ضمانت دیتی تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی 'الوثائق السیاسیہ' اور عصری محققین کی دستاویزات میں نجران کے عیسائیوں اور کوہِ سیناء کے راہبوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے محفوظ ہیں جو اس مذہبی رواداری اور ریاستی تحفظ کی واضح دستاویزی شہادتیں ہیں، جس میں پیغمبرؐ اسلام نے نجران کے عیسائیوں کو آزادی کا منشور دیا اور ان کو ان کے جان و مال اور مذہب کی سلامتی کا یقین دلایا۔ انہیں اپنے مذہب عمل پیرا ہونے کی پوری آزادی دی گئی اور یقین دلایا گیا کہ کوئی اسقف، راہب یا پادری اپنے عہدے سے معزول نہیں کیا جائے گا نہ کوئی مجسمہ یا صلیب مسمار کی جائے گی، ان سے کوئی عشر وصول نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ کہ ان سے سپاہیوں کی فراہمی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ نہ انہیں کسی پر ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ کوئی ان پر ظلم کرے گا۔

سماجی اور قانونی اصلاحات: علامہ شبلی نعمانی کے مطابق مدینہ کی ریاست کی کامیابی محض فوجی یا سیاسی فتوحات نہیں تھیں بلکہ اس کا اصل عروج ان سماجی اور اخلاقی اصلاحات کا مرہونِ منت تھا جو روزمرہ زندگی میں نافذ کی گئیں۔ ریاست نے خواتین کو وراثت کا حق دیا جو اس سے قبل عرب سماج میں ناپید تھا، غلاموں کے حقوق متعین کیے اور ان کی آزادی کے راستے ہموار کیے، اور شراب نوشی و سود (ربا) جیسے معاشی استحصال اور سماجی برائیوں کے ذرائع پر مکمل پابندی لگائی۔ یہ ہمہ گیر اصلاحات اس بات کا ثبوت تھیں کہ مدینہ ایک استحصالی سلطنت کے بجائے ایک فلاحی اور نظریاتی ریاست تھی۔

3.8 پیغمبر ﷺ کی سیاسی میراث (Political Legacy of Prophet)

مدینہ کی شہری ریاست کا یہ دس سالہ ارتقائی دور عالمی تاریخ کا دھارا موڑنے والا ثابت ہوا۔ جب 632 عیسوی میں رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا، تو جزیرہ نما عرب کا ایک وسیع حصہ سیاسی طور پر ایک مرکز کے تحت متحد ہو چکا تھا۔ میکس ویبر کے عمرانی نظریے کے مطابق، جب کسی کرشماتی رہنما کا انتقال ہوتا ہے تو ریاست اور پیروکاروں کے بکھرنے کا شدید خطرہ ہوتا ہے، یا پھر یہ کہ وہ رہنما، کرشماتی اقتدار کو کسی نئے اور پائیدار ادارے یا افسر شاہی ڈھانچے میں منتقل کر دے۔ اس عمل کو 'کرشمہ کا عام ہو جانا' (Routinisation of Charisma) کہا جاتا ہے۔ مدینہ کی ریاست کا یہ کمال تھا کہ پیغمبرانہ کرشماتی اقتدار کو ایک منظم سیاسی ادارے (خلافتِ راشدہ) میں کامیابی کے ساتھ منتقل کر دیا گیا۔ اگرچہ وصال کے فوراً بعد کچھ بدوی قبائل نے مرکز کی اطاعت سے منہ موڑتے ہوئے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، جس کے نتیجے میں ردّہ کی جنگیں (Apostasy Wars) ہوئیں، لیکن مدینہ کے مرکزی ریاستی ڈھانچے، جسے کتاب و سنت کی نظریاتی اساس اور صحابہ کرام کی مستحکم قیادت حاصل تھی، نے اس لامرکزیت کے طوفان کو کامیابی سے روک لیا۔ پیٹر پیسیا کرون اور مارشل ہاجسن جیسے مورخین تسلیم کرتے ہیں کہ مدینہ سے اٹھنے والی اس ریاست سازی اور کرشماتی ادارہ سازی کی لہر نے ایسی زبردست فوجی اور نظریاتی طاقت کو جنم دیا جس نے محض چند دہائیوں میں صدیوں پرانی ساسانی سلطنت کو دنیا کے نقشے سے مٹا دیا اور بازنطینی سلطنت کو خطے سے بے دخل کر کے اندلس سے لے کر سندھ تک ایک عظیم عالمی سلطنت قائم کر دی۔ آج کی جدید دنیا میں بھی میثاقِ مدینہ کو انسانی حقوق، اقلیتوں کے تحفظ، ہمہ آہنگی اور پرامن بقائے باہمی کے حوالے سے ایک مثالی اور قابلِ تقلید آئینی ماڈل تصور کیا جاتا ہے، جس کی بازگشت عصر حاضر کے مسلم مفکرین اور عالمی معاہدوں جیسے مراکش اعلامیہ (Morocco Declaration) میں واضح سنائی دیتی ہے۔

3.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

جزیرہ نما عرب میں مدینہ کی ریاست کے قیام کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح ایک غیر منظم، قبائلی، اور خونی رقابتوں میں گھرے 'غیر ریاستی' (Stateless) سماج کو محض دس سال کے قلیل عرصے میں ایک منظم، مستحکم، اور قانون کی بالادستی پر مبنی فلاحی ریاست میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ میثاقِ مدینہ نے تاریخ میں پہلی بار مذہبی ہمہ آہنگی اور اقلیتوں کے حقوق کو دستوری تحفظ دیا، اور خونی رشتوں پر مبنی قبائلی عصبیت کو 'امہ' کے وسیع تر نظریاتی ڈھانچے سے بدل کر ایک 'عظیم قبیلہ' تشکیل دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی کرشماتی قیادت اور

دانشمندانہ فوجی، معاشی اور سماجی تدابیر نے تشدد کو کسی ایک فرد یا قبیلہ کے انتقام سے نکال کر ریاستی کنٹرول میں دے دیا اور ایک ایسا ادارہ جاتی ڈھانچہ وراثت میں چھوڑا جس پر آنے والے ادوار کی عظیم الشان اسلامی سلطنتوں کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ طلباء کے لیے اس مطالعے کا سب سے اہم سبق یہ ہے کہ متنوع معاشروں میں سماجی انصاف، رواداری، اور قانون کی یکساں عملداری ہی کسی مستحکم ریاست کی پائیداری کی اصل ضمانت ہیں۔

3.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

غیر ریاستیت (Statelessness)	ایسا معاشرہ یا خطہ جہاں حکومت، پولیس، یا مرکزی عدلیہ جیسا کوئی منظم اور رسمی ریاستی ڈھانچہ موجود نہ ہو (جیسے قبل از اسلام عرب)۔
امہ (Ummah)	خون اور نسل سے بالاتر ہو کر مشترکہ عقیدے، نظریے یا دستوری میثاق پر مبنی ایک عالمی یا وسیع سماجی و سیاسی برادری۔
میثاق مدینہ	مدینہ کے مسلمانوں، غیر مسلم عرب قبائل، اور یہودیوں کے درمیان طے پانے والا پہلا تحریری دستور جس نے مدینہ کو شہری ریاست کا درجہ دیا۔
عظیم قبیلہ (Super-tribe)	ڈبلیو منٹگمری واٹ کی پیش کردہ اصطلاح، جس کے مطابق مدینہ کی ریاست نے تمام قبائل کو ملا کر ایک بڑا نظریاتی قبیلہ تشکیل دیا۔
حکم (Hakam)	قبائلی عرب سماج میں ایک غیر جانبدار ثالث جو مختلف متحارب گروہوں کے درمیان تنازعات کے حل کے لیے مقرر کیا جاتا تھا۔
کرشماتی قیادت	میکس ویبر کا سماجی نظریہ جس میں رہنما کی اطاعت اس کی غیر معمولی اور الہامی خوبیوں کی بنیاد پر غیر متزلزل عقیدے کے تحت کی جاتی ہے۔
کرشمہ کا عام ہونا	وفات کے بعد کرشماتی رہنما کی طاقت اور اثر و رسوخ کو ایک مستحکم ریاستی یا بیوروکریٹک ادارے میں منتقل کرنے کا عمل۔
نفقہ (Nafaqa)	میثاق مدینہ کی رو سے جنگ اور دفاع کی صورت میں شہریوں (مسلم اور غیر مسلم) کی جانب سے ادا کیا جانے والا لازمی فوجی یا مالی حصہ۔
جائز تشدد پر اجارہ داری	ریاستی طاقت کا وہ تصور جس کے تحت قانون نافذ کرنے، سزا دینے اور طاقت کا استعمال کرنے کا حق صرف اور صرف مرکزی ریاست کے پاس ہوتا ہے۔

3.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

3.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. جزیرہ نما عرب کے بدوی سماج کو مکمل طور پر 'غیر ریاستی' (Stateless) کس مغربی مؤرخ نے قرار دیا ہے؟

(الف) ڈبلیو منٹگمری واٹ (ب) پیٹر ریسیا کرون (ج) مارشل ہاجسن (د) جولیس ویلہوزن

2. میثاقِ مدینہ (دستورِ مدینہ) کو انسانی تاریخ کا پہلا تحریری دستور کس محقق نے قرار دیا ہے اور 'الوثائق السیاسیہ' مرتب کی ہے؟

(الف)علامہ شبلی نعمانی (ب)ڈاکٹر محمد حمید اللہ (ج)فریڈ ڈونر (د)سید سلیمان ندوی

3. میثاق مدینہ کی رو سے کسی بیرونی حملے کی صورت میں جنگی اخراجات (نفقہ) کس کے ذمے طے پائے؟

(الف)صرف مسلمانوں پر (ب)صرف یہودیوں پر

(ج)مسلمان اور یہودی دونوں پر استطاعت کے مطابق (د)انصارِ مدینہ پر

4. ڈبلیو منٹگمری واٹ نے مدینہ کی نئی اسلامی سیاسی برادری (امہ) کے لیے کون سی اصطلاح استعمال کی ہے؟

(الف)اخلاقی برادری (Moral Community) (ب)عظیم قبیلہ (Super-tribe)

(ج)کرشماتی ریاست (Charismatic State) (د)شہری ریاست (City State)

5. میکس ویبر کے سماجی نظریے کے مطابق، کس قیادت میں رہنما کی اطاعت اس کی غیر معمولی اور الہامی خوبیوں کی بنیاد پر کی جاتی ہے؟

(الف)موروثی قیادت (ب)روایتی قیادت (ج)بیوروکریٹک قیادت (د)کرشماتی قیادت

3.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. قبل از اسلام اور اسلامی دور سے متعلق مآخذ پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. قبل اسلام عرب کی غیر ریاستیت کے نظریے پر نوٹ لکھیے۔
3. دستورِ مدینہ کے قانونی خدوخال بتائیے۔

3.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. مدنی ریاست کی نوعیت پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. میثاق مدینہ اور شہری ریاست کے ظہور پر ایک نوٹ لکھیے۔

جوابات

1. (ب)پیٹر یسیا کرون 2۔(ب)ڈاکٹر محمد حمید اللہ 3۔(ج)مسلمان اور یہودی دونوں پر استطاعت کے مطابق

4۔ (ب)عظیم قبیلہ (Super-tribe) 5۔(د)کرشماتی قیادت

اکائی 4۔ خلافت راشدہ اور اسلامی فتوحات

(Khilafate Rashida and the Expansion of Islamic State)

اکائی کے اجزاء

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 سیاسی پس منظر

4.3 خلافت راشدہ

4.3.1 خلیفہ اول ابو بکر صدیقؓ

4.3.2 خلیفہ ثانی عمر فاروقؓ

4.3.3 خلیفہ سوم عثمان غنیؓ

4.3.4 خلیفہ چہارم علی کرم اللہ وجہہؓ

4.4 خلفائے راشدین کے عہد میں اسلامی ریاست کی توسیع

4.5 نظم حکومت اور استحکام ریاست

4.6 اکتسابی نتائج

4.7 کلیدی الفاظ

4.8 نمونہ امتحانی سوالات

4.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

4.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.0 تمہید (Introduction)

اہل مدینہ کی عقبہ میں بیعتوں اور ان کی اطاعت، مستقبل کے ہر معاملے میں حمایت و تائید کے واضح عہد کے بعد آپؐ نے مکہ والوں کے ہاتھوں جور و ستم اور ظلم و تعدی کا شکار اپنے متبعین کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ اس ہجرت نے ایک طرف مکہ کے مہاجر اور مدینہ کے انصار کے درمیان برادرانہ رشتہ قائم کیا تو دوسری طرف نسلی قبائلی انسانی، جغرافیائی امتیازات کو ختم کر کے مسلمانوں کو ایک عظیم امت میں تبدیل کر دیا۔ ہجرت کے بعد آپؐ کی مساعی اور تبلیغ دین نے ایک قلیل مدت میں جزیرہ نما عرب کے ایک بڑے علاقے میں قبائل کو دین اسلام میں داخل کر کے اسے عظیم امت کا حصہ بنا دیا۔ یہ مختلف العناصر گروپ، خونی رشتوں سے نہیں بلکہ مذہب کی بنیاد پر متحد ہوئے تھے۔ کوئی بھی شخص، رنگ، نسل، قوم، زبان وغیرہ کا حامل قبول اسلام کے بعد اس امت میں داخل ہو جاتا اور یہ تمام امتیازات ختم ہو جاتے اور قابل فخر بات رسولؐ خدا اور دین اسلام کا پیروکار ہونا تھا۔ اسی کے ساتھ اسلام صرف مذہبی عقائد و امور کی بات نہیں کر رہا تھا بلکہ لوگوں نے محسوس کیا کہ دین اسلام میں ثقافتی، معاشی اور مذہبی معاملات ایک دوسرے میں پوری طرح پیوست ہیں۔ اس تبدیلی مذہب نے عرب خاندانوں و قبائل کی پشت ہا پشت سے چلی آرہی عداوت اور خونی نزاعات کو ختم کر کے انہیں اسلامی اخوت و مساوات کا امین بنا دیا ایک نئی اسلامی ریاست وجود میں آئی جو عدل و انصاف، انسانی مساوات و اخوت، امن و امان کی ضامن تھی۔ اس ریاست کے قیام کے بعد اب رسولؐ خدا کی حیثیت صرف ایک مذہبی پیغمبر و رہنما کی نہیں تھی بلکہ اب آپؐ اس امت کے بلا اختلاف سیاسی قائد بھی تھے۔ آپؐ نے تبدیلیٔ مذہب کے لئے زور زبردستی نہیں کی۔ ہاں امت و ریاست کے اقتدار اعلیٰ بننے کے بعد ضروری تھا کہ وحدت اللہ اور انسانی مساوات کے جن اصولوں کی تعلیم آپؐ نے دی تھی اس کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ قرب و جوار کے وہ قبائل جنھوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا اب مدینہ کی اسلامی ریاست کے زیر اثر آگئے تھے نیز ضرورت اس بات کی تھی مدینہ کے عیسائی، یہودی اور مشرکین کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کو ان اصولوں کے تحت نافذ العمل بنایا جائے۔ ایک وفاق قائم کیا جائے جس سے مدینہ کے باہر خاص طور پر مکہ کے قریش کا مقابلہ کرنا ممکن ہو سکے۔ ساتھ ہی آپؐ نے مختلف قبائل کے نو مسلم افراد کو دین سکھانے کے لئے اپنے نمائندے کے طور پر اپنے قابل و صاحب تقویٰ صحابہؓ کو متعین کیا۔ لہٰذا اب آپؐ کے مذہبی و سیاسی کردار کو الگ الگ کر کے دیکھنا ایک مشکل امر ہے۔

4.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- اسلامی ریاست کے اصول و ضوابط کی جانکاری حاصل کر سکیں گے۔
- خلفائے راشدین کے انتخاب و طرز حکومت سے واقفیت ملے گی۔
- اسلامی ریاست کی فتوحات و توسیع کو سمجھ سکیں گے۔
- اسلامی ریاست کے استحکام اور نظم حکومت کی جانکاری حاصل کر سکیں گے۔

4.2 سیاسی پس منظر

اہل مکہ کی ستم رانیوں، ظلم و جبر، ایذا رسانیوں سے تنگ آکر آپؐ نے ستمبر 622ء میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ یہ ہجرت اسلام کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ تیرہ سال مکہ میں تبلیغ دین واشاعت کرنے کے بعد اب مدینہ اشاعت دین کا مرکز بن گیا۔ جہاں کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر آپؐ کی مدینہ ہجرت کے بعد یہاں بڑی تیزی کے ساتھ اسلام پھیلنے لگا ان نو مسلموں کو 'انصار' کے لقب سے نوازا گیا۔ مدینہ میں مسلمانوں کے علاوہ یہودی، عیسائی اور مشرکین لوگ آباد تھے۔ جن کی طرف سے خدشات و خطرات موجود تھے۔ اس لئے مدینہ شہر اور مسلمانوں کی حفاظت کرنا ضروری تھا۔ ایک منشور و میثاق، پیغمبرؐ اسلام نے اپنے ورودِ مدینہ کے بعد مدینہ کے یہودیوں کو عطا کیا تھا۔ ''حضرت محمدؐ کی پیش بینی اور ان کی سیاسی بصیرت اور فہم و فراست اس منشور میں نظر آتی ہے جو انھوں نے (مدینہ کے) یہودیوں کو عطا کیا تھا۔ جس میں منجملہ اور باتوں کے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ وہ لوگ (یہودی) بھی اس نئی ریاست کے ویسے ہی شہری ہیں جیسے مسلمان ہیں۔ نیز یہ کہ یثرب (مدینہ) کے لوگوں کی یہ دو شاخیں مل کر ایک مشترک قوم بنائیں گی۔ قصور واروں کو سزا ہو گی خواہ وہ کسی مذہب کے ہوں نیز یہ کہ جب ضرورت ہو گی دونوں کو اس ریاست کا دفاع کرنا ہو گا اور یہ کہ آئندہ تمام تنازعات کا تصفیہ رسولؐ اللہ کریں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں اگر وہ لوگ جنھیں حفاظت مہیا کی گئی تھی اپنی بات پر قائم رہتے تو مذہب اور ضمیر کی آزادی اور مشترک شہریت کا یہ عظیم منشور مضبوطی سے قائم رہتا۔ لیکن یہودی جلد ہی بے چین ہونا شروع ہو گئے اور اس نوزائیدہ ریاست سے کھلم کھلا عین اس وقت باغی ہوئے جب مدینہ ریاست کو مکہ کے لوگوں سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ پیغمبرؐ اسلام نے نجران کے عیسائیوں کو بھی آزادی کا منشور دیا اور ان کو ان کے جان و مال اور مذہب کی سلامتی کا یقین دلایا۔ انہیں اپنے مذہب عمل پیرا ہونے کی پوری آزادی دی گئی اور یقین دلایا گیا کہ کوئی اسقف، راہب یا پادری اپنے عہدے سے معزول نہیں کیا جائے گا نہ کوئی مجسمہ یا صلیب مسمار کی جائے گی، ان سے کوئی عشر وصول نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ کہ ان سے سپاہیوں کی فراہمی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا''۔ نہ انہیں کسی پر ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ کوئی ان پر ظلم کرے گا۔

جزیرہ نما عرب پر جب اسلام کا غلبہ ہو چکا تھا اس وقت نجران کے اور اس کے نواحی علاقوں کے عیسائیوں کو یہ منشور عطا کیا تھا۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو یہ دستاویز آنے والے مسلم فرمانرواؤں کے لئے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ کیا جانے والے سلوک کا ہدایت نامہ ثابت ہوئی۔ اسلامی ریاست نے پوری طرح رواداری کو قائم کرنے کی کوشش کی اور عیسائی و یہودیوں کے اپنے مذہبی امور پر عمل پیرا ہونے کے تعلق سے کبھی مزاحمت نہیں کی، ساتھ ہی انہیں تبدیلیٔ مذہب کے لئے مجبور نہیں کیا گیا۔ ان لوگوں سے اگر جزیہ لیا جاتا تھا تو وہ فوجی خدمات سے ان کے مستثنیٰ ہونے کے معاوضے کے طور پر لیا جاتا تھا۔ ''اور یہ ہے بھی واجب کہ جو لوگ مملکت کی امان سے مستفید ہوتے ہیں وہ مملکت کا مالی بار اٹھانے میں کسی حد تک شریک ہوں''۔

لیکن یہودیوں کی پے در پے سازشوں، ریشہ دوانیوں اور بد عہدی اور اسلام دشمنی کی وجہ سے یہ معاہدہ کالعدم ہو گیا۔ اور ان کی ان ہی حرکات کی بنا پر ایک ایک کر کے یہودی قبیلوں کو مدینہ سے نکالنا پڑا۔ غسان کے عیسائیوں کی مسلح دشمنی کی وجہ سے اور مسلم سفیر کو قتل کئے

جانے کی وجہ سے پیغمبرؐ اسلام کو ان کے خلاف ایک فوجی مہم بھیجنا پڑی تھی۔ 632ء تک آتے آتے یعنی اپنے وصال سے قبل تقریباً پورے عرب کو ایک نظام قانون اور اقتدار اعلیٰ کے تحت متحد کر دیا تھا اور مدینہ میں اس مشن کی تکمیل تقریباً دس سال (622-632ء) کے اندر ممکن ہو گئی۔ اس عرصے میں آپؐ نے اگر ایک طرف مدینہ کے عیسائیوں اور یہودیوں سے معاہدے کئے تو دوسری طرف اہل مکہ کے ساتھ کئی جنگیں جیسے جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق، فتح مکہ وغیرہ لڑنی پڑیں اور صلح (حدیبیہ) بھی کرنی پڑی۔ یہ اسلام کی بقا کے لئے انتہائی ضروری اقدامات تھے۔ جس کے نتیجے میں اسلام نے عظیم الشان فتح حاصل کی۔ اس دوران آپؐ نے قرب و جوار کے قبائل اور ایران، بازنطینی و افریقی ممالک میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وفود روانہ کئے اور ان سے مراسلت کی۔ جو قبیلے یا علاقے اسلام کے زیر اثر آئے تھے۔ وہاں عمال بھیجے جاتے جو زکوٰۃ، عشر اور جزیہ وصول کرتے اسی کے ساتھ وہ تبلیغ دین کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ آپؐ ہر قبیلے و علاقے میں معلمین اور ائمہ کو مقرر کرتے تاکہ ان لوگوں کی تعلیم و نماز کا اہتمام ہو سکے۔ امیر لشکر، قاضی، حکام، محصل (صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے والے) وغیرہ مقرر کئے۔ زکوٰۃ، فقراء و مساکین میں تقسیم کر دی جاتی، جزیہ اور خراج کی آمدنی جنگی مصارف اور سپاہیوں کی تنخواہ کی شکل میں صرف کی جاتی تھی۔ باقاعدہ رجسٹر میں ان کا اندراج کیا جاتا تھا۔ جنوری 630ء میں مکہ مکرمہ کو بنا جنگ و خونریزی کے مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا گیا۔ یہ فتح جزیرہ نما عرب میں بت پرستی کے خاتمے کا اعلان بھی تھی اور اسی کے ساتھ مقتدر اعلیٰ کی حاکمیت و وحدانیت کا اعلان عام بھی تھا۔

اسلام نے بڑی سادہ تعلیمات انسانوں کے سامنے پیش کیں۔ اسلام انفرادی زندگی کی بات کرتا ہے ساتھ ہی ساتھ اجتماعی زندگی اور ایک صالح و مثالی معاشرے کی تعمیر پر زور دیتا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جو ہر طرح کے تعصبات، استحصال، شر و نفاق سے پاک ہو۔ جہاں دائمی امن و امان قائم رہے اسی لئے مادہ پرستی سے اجتناب اور تقویٰ پر زور دیتا ہے۔

جہاں تک اسلام میں سیاسی نظام کے تصور کی بات ہے وہ اللہ کی وحدانیت کا یقین ہے کیونکہ وہی خالق کل ہے اور بے نیاز ہے غیر فانی ہے، ہر چیز پر قادر ہے کوئی اس کا مد مقابل نہیں ہے، اور کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یا ہو گا اس وحدہٗ لاشریک کی منشا و مرضی اور اس کے حکم سے ہو گا اس کی بالادستی مسلم ہے، وہ بزرگ و برتر ہے، لہٰذا اس کی عبادت و بندگی اس کی رضا و تسلیم، اس کے آگے سپردگی، اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی ہدایات جو قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کی گئیں، کے عملی و یقینی مظاہرے سے ہی ممکن ہیں۔ ''ربوبیت کی وحدانیت بحیثیت حکمراں کے قدرتی طور پر قانون وحدت کی دلالت کرتی ہے''۔ کیونکہ انسان کائناتی قانون و نظام قدرت کے آگے قطعی بے اختیار ہے۔ اللہ کی اطاعت و بندگی نیز عبادت پر عمل آوری سے زندگی میں ایک نظم و ضبط آگیا اور مرکزیت پیدا ہو گئی۔ کیونکہ دنیا کا حقیقی فرمانروا اور حاکم اللہ ہے، اس کا قانون برتر و اعلیٰ ہے۔ اسلامی ریاست کا راز مسلمانوں کے اتحاد میں مضمر ہے جو نرم دلی، اخوت و مساوات کی بنیاد پر متحد رہیں۔ ان لوگوں سے جنگ کریں جو ریاست کے خلاف جنگ کریں جیسے ہی وہ باز آجائیں مسلمان اپنی تلوار نیام میں رکھ لیں، پیغمبر اسلام نے جن دو بنیادی اصول کی تعلیم دی تھی وہ دو بلیغ اصطلاحات ''ایمان اور اسلام'' میں پوشیدہ ہیں۔ ایک سے مراد امن کی عملداری اور دوسری سے اطاعت مراد ہے۔ دنیا میں انسان اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے جسے نیک و بد میں تمیز کرنے کی صلاحیت تفویض کی، جس کا کام عوام الناس میں بلا تخصیص انصاف قائم کرنا ہے۔ اور یہ ذاتی خواہشات پر نہیں بلکہ احکام خداوندی پر عمل آوری سے ہو گا اس کی ہدایت کے لئے پیغمبر و انبیاء مبعوث کئے اور ہدایت

کے لئے قرآن حکیم نازل کیا گیا۔اور مسلمانوں کو ہدایت دی گئی کہ آپسی اختلافات کے تصفیہ کے لئے احکام خداوندی یعنی قرآن کریم سے رجوع کریں۔ قانون کی عمل داری دراصل ریاست کی فلاح و بہبود سے تعلق رکھتی ہے جو امن وامان کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ قتل عمد کے تعلق سے انتقام اور بدلہ واقعتا لوگوں کی زندگی کا ضامن ہوتا ہے۔قرآن صرف چوری و قتل اور انتقام جیسے جرائم کی قانون سازی ہی نہیں کرتا بلکہ گواہی اور قانونی دستاویز کے ذریعہ لین دین کے معاملات کو تحریری شکل میں اور کم از کم دو گواہوں کی موجودگی میں اس کو انجام دینے کی بات بھی کرتا ہے۔ نبوت و خلافت کا ایک اہم فریضہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنا بھی تھا۔اس کے قیام کے لئے آپؐ نے منصفوں کو تاکید کی وہ انصاف کرتے وقت اپنے رجحانات اور نفرت و محبت سے اثر پذیر نہ ہوں۔ گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف سچ بتائیں۔ جھوٹے دعوے دار کو سخت سزا کی وعید سنائی گئی ساتھ ہی لوگوں کو تلقین کی کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں، نفاق پیدا نہ کریں، اچھائی کی طرف لوگوں کو بلائیں اور برائی سے روکیں۔ کسی کے گھر بلا اجازت داخل نہ ہوں۔کاروبار پوری ایمانداری کے ساتھ کریں۔ناپ تول میں گڑبڑ نہ کریں شراب خوری، قمار بازی، چوری، زنا، الزام تراشی، بہتان جیسی برائیوں کو سماج سے ختم کیا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ ان سے باہمی عداوت اور بغض فروغ پاتے ہیں۔ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے ان برائیوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

ان امور پر مقرر کردہ قوانین کی عمل آوری کرانا ریاست کے فرائض میں شامل ہے۔اس لئے سربراہ ریاست پر اسلامی قوانین کی حفاظت فرض ہے۔ معاشی عدم مساوات میں گردش زر میں سب سے بڑی رکاوٹ بخل، اسراف اور بغیر محنت ناجائز طور پر زر اندوزی ہیں۔ اسلام نے اسی لئے اس پر کاری ضرب لگائی اور ان امور کو ممنوع و حرام قرار دیا۔ اسلام نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اصول وضوابط بنائے۔ اسلامی اصطلاح میں یہ اصول و ضوابط شریعت کہلاتے ہیں۔ جس کا آغاز آپ کی بعثت سے اور اختتام آپؐ کی وفات پر، یعنی یہ شریعت 23 سال میں بتدریج مکمل ہوئی۔ان کو چار شاخوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔عقائد، عبادات، معاملات اور عام اخلاق۔ یہ اللہ اور بندے کے درمیان تعلق اور انسانوں کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں۔ان سب کے متعلق قرآن کریم نے اصولی احکام بیان کردئے اور آنحضرتؐ ان سب پر عمل کرکے دکھایا۔

اسلام نے شوروی نظام کو بڑی اہمیت دی ہے۔ مشورے میں لوگوں کے لئے خیر پوشیدہ ہے،اس لئے کہا گیا کہ مشورہ میں جو بات طے پائے اس پر عمل آوری کی جائے اور خدا پر یقین رکھیں۔ دراصل اسلام جمہوری جذبے کو فروغ دیتا ہے۔ صاحب حیثیت لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔ غیر مسلم اگر فوجی خدمات سے مستثنیٰ رہنا چاہیں تو ان سے جزیہ لیا جائے۔ خراج لیا جائے اور ان کا کچھ حصہ ریاست کے مصارف اور غرباء و مساکین کی کفالت پر خرچ کیا جائے۔ جن لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کی ان سے جنگ کرنی چاہئے۔اگر مخالفین صلح پر راضی ہوں تو پھر امن قائم کرنا چاہیے۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ اچھا اور رحم دلانا سلوک کرنے کی ہدایت دی گئی۔اسلام نے مذہبی عقائد میں رواداری اور تحمل کے اصول کو اپنایا اسلام کا اصول تھا ''دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں''۔ یہ اس دور میں سیاسی نظریات کی تاریخ میں ایک حیرت انگیز بات تھی۔اسلام بنیادی طور پر بقائے باہم کی بات کرتا ہے اسی لئے واضح طور پر کہا گیا ''لکم دینکم ولی دین''(تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر)۔اسلام صرف عربوں کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ پوری دنیا کے لئے نازل کیا گیا جس نے اس عہد کی طبقاتی دنیا میں انسان دوستی و مساوات

کی ایک نئی روح پھونک دی کیونکہ نجابت، شرافت، کسی شخص، خاندان، نسل زبان، قبیلہ، غلام، آزاد، یا قوم کی میراث نہیں ہو سکتی ہے بلکہ اس کا تعلق اعلیٰ کردار اور ذاتی طرز عمل سے ہوتا ہے۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور سب کا خالق اللہ ہے اسی لئے معیار تقویٰ قرار دیا اور لوگوں کو باہم اخوت و مساوات میں باندھ دیا۔ رسولؐ عربی کی پوری زندگی کا محور و مرکز مقتدر اعلیٰ اللہ کی عبادت، اس کی تسلیم و رضا اور اطاعت تھا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ ہی ایک مرکزیت، ایک قانون اور انسانوں کے درمیان حیثیت کی مساوات قائم کی جاسکتی ہے۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے اللہ کی عطا کی ہوئی امانت ہے وہ صرف استفادہ کرنے والا ہے۔

آپؐ نے 7 مارچ 623ء کو حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ دیا تھا۔ وہ صرف حقوق البشر کا ایک آفاقی منشور ہی نہیں تھا بلکہ آپ کے پیغمبرانہ مشن کی مکمل تعلیمات کا اعادہ بھی تھا۔ جو اسلام کی اخلاقی، مذہبی سیاسی، معاشی و معاشرتی زندگی کی وضاحت کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی تکمیل دین کا اعلان بھی تھا۔ اس خطبہ کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات میں کیا جاسکتا ہے:

- ''امیروں کے ذریعہ غرباء کا استحصال ممنوع قرار دیا۔
- ہر شخص کی عزت اور جان و مال کا احترام کیا جائے گا۔
- کسی شخص کو کسی دوسرے کو تکلیف اور نقصان پہنچانے کا حق نہیں ہے۔
- تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔
- رنگ و نسل، خاندان، زبان، قوم کے سارے امتیازات ختم کئے گئے اور انسانی مساوات کا اعلان کیا گیا۔
- نجابت و شرافت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔
- سود خوری حرام قرار دی گئی۔
- انتقام اور قانون کو ہاتھ میں لینا ممنوع قرار دیا گیا۔
- عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے کیونکہ وہ مردوں کی رفیق ہیں اور انہیں بھی اپنی املاک پر اتنا ہی اور ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کو ہے۔
- غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے گویا وہ مالک کے خاندان کا رکن ہے۔
- وارثوں کو جائداد میں ان کا قانونی حصہ ہے جو ورثاء کو ملنا چاہئے، تاکہ دولت کا جمع ہونا ممکن نہ ہو۔
- تمام قرضوں کو ادا کرنا چاہئے، اور جو کچھ عاریتاً لیا گیا ہو اسے واپس کرنا چاہئے۔
- زنا اور ہر وہ بات جو خاندانی زندگی میں رخنہ ڈالے ممنوع ہے۔
- قرآن وہ عظیم ترکہ ہے جو رسولؐ خدا نے امت کے لئے چھوڑا ہے''۔

اسلام انسانی زندگی کو علیحدہ علیحدہ خانون میں تقسیم نہیں کرتا۔ اسی لئے دنیاوی اور دینی پہلوؤں میں تمیز کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ یہ معاملات باہم پیوست ہیں۔ قرآن عظیم میں واضح طور پر ارشاد ہوا ہے ''ان سے کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا حج اور میرا جینا اور

میرا مر ناسب خدائے رب العالمین کے لئے ہے''۔ یہ تھا وہ درس جس نے انسانی فکر میں ایک انقلاب پیدا کیا اور ایک غیر طبقاتی معاشرے کی تشکیل کی جہاں امتیاز کی صورت صرف تقویٰ کی شکل میں تھی۔ اللہ کی مطلق اور غیر مشروط وحدت پر یقین کرتے ہوئے ''اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور تم ہی میں سے جو صاحب اختیار (اولی الامر) ہوں ان کی بھی اطاعت کرو''۔ یعنی جس شخص کو نیابت رسولؐ کا کام تفویض کیا گیا وہ قرآن کے آفاقی اصولوں کے تحت اس اختیار کو رسول اکرمؐ کے قول و فعل کے مطابق مقدس امانت سمجھ کر انجام دے۔ خلفاء اور عمال ریاست، شعائر اسلام کا نمونہ بن جائیں۔

4.3 خلافت راشدہ

پیغمبر حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد اب کوئی شخص بحیثیت پیغمبر حضرت محمدؐ کا جانشین نہیں ہو سکتا تھا۔ آپؐ نے اپنا کوئی سیاسی جانشین بھی نہیں بنایا تھا اور جانشینی کے اصول بھی نہیں بتائے تھے لہٰذا آپؐ کا سیاسی اقتدار، جانشین کے بغیر امت مسلمہ کی جانب منتقل ہو گیا۔ انصار کے محلے ثقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجروں کے ساتھ ایک بحث و مباحثہ کے بعد جانشین کے نام کا فیصلہ کر لیا گیا۔ کئی خاموش ناموں کے درمیان حضرت عمرؓ نے رسول اللہؐ کے بزرگ ساتھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حق میں رائے عامہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ بعد مشورہ کے مسلمانوں نے با اتفاق حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی یعنی ان کو خلیفہ رسولؐ اور امت کا سیاسی قائد و مرکز تسلیم کر لیا گیا یہ انتخاب اہل الرائے حضرات کا ایک شوروی عمل تھا۔

ابتدائی چاروں خلفاء (حضرت ابو بکرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علیؓ کرم اللہ وجہہ) (خلفائے راشدین 632-661ئ) رسول اکرمؐ سے گہرے روابط اور نزدیکی طور پر آپؐ سے قربت رکھتے تھے۔ ان کی خلافت و حکومت کی اساس قرآن و سنت پر تھی اور آپؐ کی دینی و سیاسی نیابت (قیادت) کے لئے ان خلفاء راشدین میں تمام اوصاف موجود تھے۔ اسی لئے ان کے دور کو خلافت راشدہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ان کے بعد خاندانی حکومتیں ظہور میں آئیں۔

4.3.1 خلیفہ اول ابو بکر صدیقؓ

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اسلام قبول کرنے سے پہلے اصل نام 'عبدالکعبہ' تھا اور پیغمبر نے آپ کے قبول اسلام کے بعد عبداللہ رکھ دیا تھا۔ آپ کی کنیت ابو بکر اور لقب صدیق و عتیق ہیں۔ والد کا نام ابو قحافہ اور والدہ کا نام سلمٰی اور کنیت ام الخیر تھی۔ حضرت ابو بکرؓ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو تیم (بنو تمیم) سے تعلق رکھتے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ کی پیدائش، عام الفیل سے دو سال چھ ماہ بعد مطابق 573 عیسوی مکہ میں ہوئی تھی۔ روایت کے مطابق حضور اکرمؐ سے ڈھائی سال چھوٹے تھے۔ ابو بکرؓ کی والدہ کا تعلق بھی بنو تیم سے تھا۔ ابو بکرؓ ہمیشہ سچ بولتے تھے اور رسول عربیؐ کی نبوت کی تصدیق کی وجہ سے آپ کا لقب صدیق پڑ گیا۔ ابو بکر کے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر کا شمار شرفائے مکہ ہوتا تھا۔ قبل اسلام مکہ کے قبیلائی نظام میں، دئیت یا مجسٹریٹی یعنی حاکمیت فوجداری کا کام حضرت ابو بکرؓ کے پاس تھا۔ فتح مکہ کے بعد آپ کے والد نے اسلام قبول کیا تھا۔ جبکہ آپ کی والدہ ام الخیر سلمٰی بنت صخر، ابتدائی دور میں ہی اسلام میں داخل ہو گئیں تھیں۔ ان سے قبل صرف 39 لوگ ہی داخل

اسلام ہوئے تھے۔آپ کے والدین نے طویل عمر پائی تھی۔آپ کے ہی دور خلافت میں دونوں کا انتقال ہوا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ بچپن سے ہی دور جاہلیت کی کمینہ خصلتوں، کفر و شرک، فسق و فجور سے دور تھے اور حسن اعتدال، پاکبازی، بلند اخلاق جیسے اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے۔ عرب روایت کے بر خلاف آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ فن حرب و سلاح، شعر و ادب سے دلچسپی تھی اور پیشہ تجارت تھا۔اپنے حسن اخلاق اور جاذب شخصیت کی بنا پر مکہ کے ایک کامیاب تاجر تھے۔ابو بکرؓ قریش میں بڑے بامروت، محسن، متمول اور بااثر شخصیت مانے جاتے تھے۔اسی کے ساتھ صائب الرائے تھے نیز عرب انساب اور اخبار کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔آپ حضور اکرمؐ کے قریبی ساتھی تھے۔ طبیعت مزاج کی یکسانیت کے سبب دونوں میں گہرے تعلقات اور روابط تھے۔جب آنحضرتؐ نے اپنی نبوت کا ذکر آپؓ سے کیا تو آپ نے بنا حیل و حجت اسلام قبول کر کے مردوں میں اولیت کا شرف حاصل کیا۔ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، بچوں میں حضرت علیؓ، مردوں میں ابو بکر صدیقؓ اور غلاموں میں زیدؓ بن حارثہ نے سب سے پہلے قبول اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔آپ کی اپنے قریبی اور دوستوں میں ترغیب و تبلیغ کی وجہ سے عثمانؓ بن عفان، زبیرؓ بن عوام، طلحہؓ بن عبیداللہ، سعدؓ بن ابی وقاص، عبدالرحمنؓ بن عوف، ابو عبیدہؓ بن جراح، عثمانؓ بن مظعون، ارقمؓ بن ابوالارقم، ابو سلمہؓ، عبیدؓاللہ جیسے حضرات دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

جب آپؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو اہل قریش غلاموں اور کمزور و غریب مسلمانوں پر بے تحاشہ ظلم و ستم کرنے لگے۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے ایسے لوگوں کو اپنی دولت خرچ کر کے آزادی دلوائی۔ حالانکہ دعوت اسلام اور تبلیغ اسلام کی وجہ سے مشرکین نے آپ پر جان لیوا حملہ بھی کیا تھا۔قریش کی ایذا رسانی اور ظلم و تعدی مسلمانوں پر بڑھتی گئی۔ بعثت کے دسویں سال میں حضرت ابو بکرؓ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کا نکاح حضور اکرمؐ سے کروادیا اور رخصتی کا مرحلہ پہلے ہجری سن میں عمل میں آیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہر سال نبی کریمؐ کے ہمراہ تبلیغ دین کی غرض سے عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے سالانہ میلوں اور حج کے موقع پر منیٰ تشریف لے جاتے تھے۔ابو بکرؓ حضورؐ کے دست راز تھے اور جان نثاری میں کوئی آپؓ سے بازی نہ لے جاسکا۔ یہاں تک کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں اپنا سارا مال و زر راہ خدا میں دے دیا کرتے تھے۔ پیغمبر اسلام نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو غار ثور میں اکیلے ابو بکر صدیقؓ آپؐ کے ہمراہ تھے۔ مدینہ میں مسجد نبوی کی زمین کی قیمت دونوں یتیم بھائیوں سہل اور سہیل کو حضرت ابو بکرؓ نے ہی ادا کی تھی۔ مشرکین اور کفار سے ہوئے تمام غزوات میں آپ نے شرکت کی تھی۔اور نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔رسولؐ خدا نے اپنی حیات میں کئی مرتبہ حضرت ابو بکرؓ کو اپنی نیابت سے سرفراز کیا تھا۔ مثلاً 5ھ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مسلمانوں کا امیر حج مقرر فرمایا۔وفات سے قبل آنحضرتؐ نے مسجد نبوی کی امامت کا شرف ابو بکر صدیقؓ کو عطا کیا۔

حضرت محمدؐ کے وصال کی خبر سے ہر شخص حواس باختہ اور سکتہ کے عالم میں چلا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایسے موقع پر مکمل ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا اور صحابہ کرامؓ کو روح فرسا حقیقت کا احساس و یقین دلا کر انہیں حواس باختگی سے باہر نکالا۔اہل بیت اور خاندان کے لوگ تجہیز و تدفین میں مصروف ہوگئے اسی اثناء میں یہ خبر ملی کہ انصار ثقیفہ بنی ساعدہ میں جو مدینہ کے انصار کا ایک محلہ تھا، سعد بن عبادہ انصاری کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے جمع ہوگئے ہیں۔ یہ خبر ملتے ہی ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور ابو عبیدہؓ بن جراح کے ساتھ ثقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ یہاں

مہاجرین وانصار میں کچھ ردو کد اور سوال و جواب کے بعد حضرت عمرؓ کی تحریک پر بالاتفاق سب نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعت عامہ منعقد ہوئی۔ جہاں ابو بکرؓ نے اعلان کیا ''جب تک میں اللہ ورسولؐ کے فرمان پر چلوں تم میری اطاعت کرو اور جب نافرمانی (اللہ اور رسولؐ کے خلاف) کرنے لگوں تو میری اطاعت نہ کرو''۔ یہ تھا خلیفہ اول کا انتخاب جو جمہور شوریٰ سے عمل میں آیا تھا۔ 7 جمادی الثانی 15ھ کو آپؓ بخار کے عارضہ میں مبتلا ہوئے یہ بخار دو ہفتے تک مسلسل آتا رہا۔ علالت کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے امامت کی۔ آخر 21 جمادی الثانی 13ھ مطابق 22 اگست 633ء شام کے وقت انتقال ہوا۔ مدت خلافت 2 سال تین ماہ اور دس دن رہی۔ رسولؐ خدا کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپؓ نے اپنی زندگی میں ہی چند صحابہ سے مشورہ کے بعد حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔

4.3.2 خلیفہ ثانی عمر فاروقؓ

خلیفہ عمر فاروقؓ کی پیدائش مکہ میں 586ء میں ہوئی۔ آپ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ راشد تھے۔ آپ کا نام عمرؓ بن خطاب، لقب فاروق، کنیت ابو حفص تھی۔ لقب اور کنیت دونوں رسول اکرمؐ کے عطا کردہ ہیں۔ آپ کا تعلق قریش کی بنو عدی شاخ سے تھا۔ آپ عرب کے ایک ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عہد جاہلیت سے سفارت کا اہم عہدہ آپ کے خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلا آرہا تھا اس کے علاوہ عربوں کے باہمی نزاعات میں ثالث بھی مقرر ہوا کرتے تھے۔ آپ کی والدہ ختمہ، ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں جو عرب کے مشہور سردار تھے۔ قریش کی فوج کا اہتمام یہ ہی کیا کرتے تھے۔ آپؓ کے ابتدائی زندگی کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ حضرت عمرؓ، ان کے والد اور دادا علم انساب کے بڑے ماہر تھے۔ نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی خطابت اور شہسواری میں ماہرانہ صلاحیت کے حامل تھے۔ عہد نبوی سے قبل زمانۂ جاہلیت میں چند افراد ہی مکہ میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے، حضرت عمرؓ بھی ان میں سے ایک تھے۔ پیشہ تجارت تھا اس سلسلے میں مختلف ممالک کا سفر بھی کیا۔ حضرت عمرؓ شروع سے ہی خوددار، بلند حوصلہ، غیر معمولی فہم وتدبر، معاملہ فہمی کے حامل تھے ان ہی تجربوں نے انہیں قریش کا نوجوانی میں ہی سفیر بنا دیا تھا۔ طبیعت میں بہت غصہ و سخت گیری پائی جاتی تھی۔ عکاظ کے میلے میں کشتی بھی لڑا کرتے تھے۔ ابتداء میں آپؓ حضور اکرمؐ کے سخت ترین دشمنوں میں سے ایک تھے۔ جس کی سلسلے میں علم ہو جاتا کہ وہ مسلمان ہو گیا اس کو زدوکوب کرنے سے گریز نہ تھے۔ انتہائی سختیوں کے باوجود بھی آپؓ کسی بھی مسلمان کو اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ حضور اکرمؐ نے اسلام کو قوت بخشنے کے لئے اللہ سے حضرت عمرؓ اور ابو جہل کے لئے خصوصی دعا مانگی تھی جو حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی۔ ایک دن حضرت عمرؓ رسولؐ خدا کے قتل کے ارادے سے تلوار کمر سے لگا کر نکلے، راستے میں کسی نے کہا کہ اے عمرؓ پہلے اپنے گھر کی خبر لے تیرے خود کے بہن و بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ فوراً بہن کے گھر گئے جو اس وقت قرآن پڑھنے میں مشغول تھیں۔ آپؓ کے استفسار پر بہن نے کہا کہ ہاں ہم مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن اور بہنوئی کو بہت مارا اور تھک ہار کر پوچھا اچھا بتاؤ کیا پڑھ رہی تھیں، مجھے بھی سناؤ۔ قرآن کی آیات سن کر دل اسلام کی طرف راغب ہو گیا۔ سیدھے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ یہ اسلام قبول کرنے والے چالیسویں فرد تھے۔ یہ واقعہ 7ھ کا ہے۔ یہ دبنگ آدمی تھے، ابھی تک اعلانیہ عبادت کرنے کی کسی نے جرأت نہ کی تھی۔ لیکن آپ نے قبول اسلام کے بعد خانہ کعبہ میں جاکر نماز ادا کی اور اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ جو ابھی تک کوئی بھی صحابی ہمت نہ کر سکا تھا۔ اس جرأت پر حضرت عمرؓ کو آپؐ نے فاروق کے لقب سے پکارا۔

مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو اہل قریش کی ظلم و تعدی بھی بڑھتی گئی۔ جب مسلمانوں کو حضرت محمدؐ کی جانب سے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت ملی تو حضرت عمرؓ نے بھی ہجرت کا سفر کیا۔ حضرت عمرؓ نے بلا خوف و تردد، اطمینان کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور نماز ادا کی اور مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا جس میں ہمت و جرأت ہو مکہ کے باہر میدان میں آئے اور مقابلہ کرلے۔ کسی کی ہمت نہ ہوئی اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ میں آپ حضرت عتبہؓ بن مالک کے برادر اسلام بنے۔ ہجرت کے بعد آپ مشرکین کے خلاف تمام بڑے معرکوں و جنگوں میں شامل رہے۔ غزوہ تبوک میں آپ نے اپنا آدھا مال راہ خدا میں دے دیا تھا۔ آپ کی بیوہ صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کا، عقد ثانی حضور اکرمؐ کے ساتھ ہوا تھا جن کا انتقال 45ھ میں ہوا۔ آخر عمر میں خاندان نبوت سے شرف نسبت حاصل کرنے کی غرض سے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ سے چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وصال کے بعد 22 جمادی الثانی 13ھ مطابق 23 اگست 634ء میں خلافت کا بار سنبھالا۔ آپ حضرت ابو بکرؓ کی مجلس شوریٰ کے ایک اہم رکن تھے۔ حضرت عمرؓ کو تاریخ میں ایک انصاف پسند، عادل اور رعایا پرور حکمراں کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا عدل و انصاف مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے برابر تھا۔ حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں اسلامی ریاست میں غیر معمولی توسیع ہوئی اور اسلامی ریاست کو مضبوط بنیادوں پر استحکام نصیب ہوا، نظم و نسق کا ایک مضبوط ڈھانچہ تیار کیا جو آنے والے حکمرانوں کے لئے مثالی تقلید کا نمونہ ثابت ہوا۔ اس عادل و مثالی حکمراں پر، مغیرہ بن شعبہؓ کے پارسی غلام فیروز ابو لولو نے ذاتی بغض کی وجہ بحالت نماز، خنجر کے چھ وار کئے۔ یہ زخم کاری ثابت ہوئے جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے اور سنیچر 26 یا 27 ذی الحجہ 23ھ مطابق 3 نومبر 644ء کو 63 سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور یکم محرم 24ھ کو رسولؐ خدا کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ مدت خلافت دس سال چھ ماہ اور چار دن رہی۔ مرض الموت میں آپ نے اپنے بعد کثرت رائے سے ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرنے کے لئے حضرت علیؓ، عثمان غنیؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیرؓ اور طلحہؓ کو نامزد کیا تھا۔ بالاتفاق حضرت عثمانؓ غنی کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔

4.3.3 خلیفہ سوم عثمان غنیؓ

حضرت عثمانؓ بن عفان کی پیدائش 574ء (واقعہ فیل کا چھٹا سال) میں مکہ میں قریش کی شاخ بنو امیہ میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام عفان بن ابو العاص بن امیہ تھا اور والدہ کا نام اروی بنت کریز تھا۔ حضرت عثمانؓ کی نانی کا نام بیضا ام الحکیم بنت عبدالمطلب تھا جو عبداللہ بن عبد المطلب کی سگی بہن تھیں۔ اس طرح حضرت عثمانؓ آنحضرتؐ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ دور جاہلیت میں قریش کے قومی فوجی نشان ''عقاب'' کی علم داری اموی خاندان میں چلی آرہی تھی۔ یہ خاندان اقتدار، سیاست، ریاست اور جنگوں جوئی کے لحاظ سے عربوں میں ممتاز تھا۔ عربوں میں صرف بنو ہاشم ہی اس خاندان کا ہم سر تھا۔ حضرت عثمانؓ کے بچپن اور سن رشد کے حالات کی زیادہ جانکاری حاصل نہیں ہے۔ بعد کے حالات سے علم ہوتا ہے کہ آپ عربوں کی روایت کے بر خلاف لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جوانی میں تجارت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ اپنی نرم خوئی، صداقت، دیانت داری اور سچائی کی بنیاد پر تجارت میں غیر معمولی ترقی کی۔ اسی کے ساتھ ثروت و سخاوت و سیرت میں بھی ممتاز تھے۔ شروع سے ہی آپ عربوں میں رائج برائیوں سے دور رہے۔

حضرت عثمانؓ چونتیس سال کے قریب تھے جب آنحضرتؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔ ابو بکر صدیقؓ دعوت حق قبول کر چکے جن کے حضرت عثمانؓ سے گہرے تعلقات اور روابط تھے۔ اکثر مخلصانہ صحبت رہتی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کی ترغیب اور تبلیغ دین کی کوششوں سے آپ بھی حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ابھی چند ہی لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے حلقہ بگوش اسلام میں آنے کے بعد ان پر بھی اہل خاندان کے ظلم و تعدی کا دور شروع ہوا۔ ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے کلمہ حق پڑھنے کے جرم میں حضرت عثمان کو لوہے کی زنجیروں سے باندھ کر دھوپ میں ڈال دیا تھا اور کئی دن تک ایک مکان میں قید رکھا تھا۔ تمام عزیز و اقارب نے آپ سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ لیکن آپ نے یہ مصیبتیں برداشت کیں اسلام کو نہ چھوڑا۔ آنحضرتؐ نے آپ کے اوصاف حمیدہ دیکھ کر اپنی بیٹی رقیہؓ کا نکاح کر دیا۔ جب قریش کے مظالم بڑھے تو آنحضرتؐ نے آپ کو مع اہل و عیال حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ حبشہ کی پہلی ہجرت میں حضرت عثمانؓ کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ ایک غلط خبر کہ مکہ کے قریش اسلام لے آئے ہیں، سن کر مکہ واپس آ گئے مگر ان کے دیگر ساتھی واپس حبشہ لوٹ گئے اور یہ مکہ میں ہی مقیم رہے۔ کچھ عرصے بعد جب مدینہ کی ہجرت کا حکم ملا تو آپ نے مدینہ ہجرت کی۔ جنگ بدر کے بعد آپ کی بیوی حضرت رقیہؓ بنت محمدؐ کے انتقال کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثومؓ کا نکاح آپ سے کر دیا تھا۔ اسی لئے ''ذوالنورین'' آپ کا لقب ہو گیا۔

آپ نے اپنی دولت سے اسلام و مسلمانوں کی بہت اعانت کی تھی۔ مدینہ منورہ میں پانی کی قلت تھی، آپ نے میٹھے پانی کا ایک کنواں رومہ جو ایک یہودی کی ملکیت تھا خرید کر وقف کر دیا تھا غزوہ تبوک میں ایک تہائی فوج کے مصارف کی ذمہ داری اٹھائی۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد بطور سامان رسد دئے تھے۔ حدیبیہ میں جب مسلمانوں کو مکہ عمرہ کرنے سے قریش نے روکا تو حضرت عثمانؓ کو ہی رسولؐ خدا نے سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ قریش نے آپ کو روک لیا اور یہ افواہ پھیل گئی آپ کو شہید کر دیا گیا۔ اس موقع پر آنحضرتؐ نے صحابہ سے قصاص عثمانؓ کے لئے بیعت لی۔ تاریخ میں یہ بیعت 'بیعت رضوان' کے نام سے معروف ہے۔ حضرت عثمانؓ، خلیفہ اول اور دوم کی مجلس مشاورت کے ایک اہم رکن تھے۔ کاتب وحی اور جامع القرآن تھے۔ جنگ بدر کے علاوہ آپ تمام غزوات میں شریک رہے تھے۔

حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد خلیفہ سوم کی حیثیت سے مسند خلافت پر براجمان ہوئے۔ خلافت کی شروعات 7، نومبر 644ء کو ہوئی۔ آپ کے دور خلافت کے ابتدائی چھ سال تو امن و سکون بھرے رہے لیکن اس کے بعد حسد و رقابت اور آپسی اختلافات کا دور رہا۔ مسلمان میں گروہ بندیاں ہو گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گروہ نے 18 ذلحجہ 35ھ مطابق 17 جون 656ء بوقت عصر بروز جمعہ آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کو بچانے کی کوشش میں آپ کی بیوی حضرت نائلہ کے ہاتھ کی تین انگلیاں بھی کٹ گئیں۔ جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ یہ تاریخ اسلام کا غیر معمولی واقعہ تھا جس نے آگے چل کر امت مسلمہ کو بکھراؤ کی سمت دھکیل دیا۔ آپ کے ہی دور خلافت میں جمع قرآن مکمل ہوا، مسجد حرام و مسجد نبوی کی توسیع ہوئی۔ خراسان کے علاقے، افریقہ کے علاقے، قبرص ریاست اسلام کا حصہ بنے اور پہلی مرتبہ بحری فوج بنائی تاکہ بازنطینیوں کے حملوں سے محفوظ رہا جا سکے۔ آپؓ کو اتنا موقع نہ مل سکا کہ اپنی جانشینی کے لئے کوئی وصیت کرتے۔ فیاضی، حیاء، صبر و تحمل، حلم و عفو کا پیکر تھے۔ آپ کے حلم و عفو کا آپ کے اموی خاندان کے عمال نے خوب ناجائز فائدہ اٹھایا۔ جس کی وجہ سے امت میں بے چینی اور مخالفین میں گستاخیاں بڑھتی گئیں جو آپ کی شہادت کا سبب بنیں۔

4.3.4 خلیفہ چہارم علی کرم اللہ وجہہؓ

علیؓ ابن طالب کی ولادت 17 مارچ 599ء مکہ میں ہوئی۔ روایات کے مطابق کعبۃ اللہ کے اندر جائے حرمت میں پیدا ہوئے۔ ابو الحسن، ابو تراب کنیت، حیدر، اسد اللہ لقب اور المرتضیٰ، باب مدینۃ العلم وغیرہ عرف سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ کے والد کا نام ابو طالب بن عبد المطلب تھا۔ جو زندگی بھر رسولؐ خدا کے سرپرست اور پشت پناہ تھے۔ اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد جو ابو طالب کے چچا کی لڑکی تھیں، ان کو بھی رسولؐ اللہ سے بڑی محبت و شفقت تھی۔ ابو طالب کی مالی حالات بہت اچھے نہیں رہے تھے اس لئے آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے دامن پرورش میں لے لیا تھا۔ یہ آپؐ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ حضرت محمدؐ کی پرورش و تعلیم کے زیر اثر حضرت علیؓ اپنے عہد کی تمام تر خرافات اور برائیوں سے دور رہے۔ جب رسولؐ خدا نے اپنے نبی ہونے کا گھر والوں سے اعلان کیا تو حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کے ایمان لانے کے بعد آپؓ ایمان لائے گو کہ ابھی 10 سال کے تھے۔ نبوت کے بعد آنحضرتؐ کی مکہ کہ تیرہ سالہ زندگی میں ہر موقع پر حضرت علیؓ موجود رہے اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کی صحبتوں میں غرض ہر جگہ حضور اکرمؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ ابتدائی تین سال کا دور پوشیدہ دعوت و تبلیغ کا دور تھا۔ جب آپ نے مکہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت عام دی تو اس دعوت عام کی خدمت حضرت علیؓ نے ہی انجام دی تھی۔ اہل قریش نے قبول اسلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا اور حضرت محمدؐ اور مسلمانوں پر ظلم و تعدی کرنے لگے۔ آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جانے لگیں یہاں تک کہ قریش مکہ کے لوگوں نے بنی ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا۔ مجبوراً آپؐ کو مع اپنے خاندان کے شعب ابی طالب میں پناہ لینی پڑی۔ مگر جب حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا تھا تو سرپرستی اور حفاظت کی سب سے مضبوط ڈھال ختم ہو گئی۔ نیز اہل قریش کے مظالم میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اس ماحول میں آپؐ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دیدی۔ آخر میں آپؐ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ آپؐ کے پاس اہل مکہ کی کچھ امانتیں رکھی ہوئی تھیں آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ امانتیں سپرد کیں اور کہا کہ تم صبح کو ان امانتوں کو لوٹا کر مدینہ چلے آنا۔ ادھر کافروں نے آپؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ آپؐ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹایا اور خود ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ صبح کو اہل قریش نے آپؐ کو بستر پر نہ پا کر حضرت علیؓ کو پایا۔ اس واقعہ سے قریش کی بڑی سبکی ہوئی۔ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد آپؐ نے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ زہرہؓ کا نکاح 2ھ میں حضرت علیؓ سے کر دیا اور ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ حضرت علیؓ نے مشرکین کے خلاف تمام غزوات میں حصہ لیا اور بہت سے سرایا حضرت علیؓ کی قیادت میں انجام پذیر ہوئے۔ صلح حدیبیہ کا صلح نامہ آپؓ نے ہی تحریر کیا تھا۔ آپؓ کاتب وحی تھے۔ حضرت محمدؐ کے وصال کے بعد آپؐ کی تجہیز و تکفین کے تمام مراسم حضرت علیؓ کے ہاتھوں انجام پائے کیونکہ آپؓ رسول خداؐ کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن تھے۔

رسولؐ خدا کے وصال کے بعد حضرت علیؓ خلفائے راشدین کی مجلس مشاورت کا ایک اہم رکن تھے۔ جب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے خلاف شورشیں بڑھیں تو آپ نے مخالفین عثمانؓ کو سمجھانے کی کوششیں کیں اور بار بار ثالثی بھی کی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تین دن بعد مہاجرین و انصار کے اصرار پر بار خلافت کو سنبھالا۔ شہادت عثمانؓ کو لے کر امت مسلمہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ امیر معاویہؓ نے بیعت نہ کی اور

قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کیا۔ دوسری طرف ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور زبیرؓ بن عوام نے بھی خلیفہ علیؓ سے قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کیا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ قاتلین عثمانؓ کو کوئی پہچانتا نہ تھا۔ تمام مصالحتی کوششوں کے باوجود حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھ جنگ جمل اور امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ وغیرہ کے ساتھ جنگ صفین واقع ہوئی۔ جن سے مسلمانوں کی شیرازہ بندی میں بکھراؤ آیا۔ ایک نیا فرقہ خوارج کی شکل میں پیدا ہوا۔ جنگ جمل کے بعد مدینہ منورہ کی جگہ کوفہ دار الخلافہ ہو گیا۔ لیکن اس کے نتائج اچھے ثابت نہ ہوئے اب مدینہ کی مرکزی و سیاسی اہمیت ختم ہو گئی۔ خارجیوں سے جنگ نہروان کی فتح کے بعد خارجیوں نے امیر معاویہؓ، عمروؓ بن العاص اور حضرت علیؓ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جس نے نتیجے میں عبدالرحمن بن ملجم نے آپؓ پر قاتلانہ حملہ کیا جس کے نتیجے میں 20 رمضان المبارک 40ھ مطابق 29 جنوری 661ء آپؓ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت آپؓ کی عمر 63 سال تھی اور مدت خلافت 4 سال نو ماہ کے قریب رہی۔ کوفہ کے نجف میں آپؓ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کا دور خلافت خانہ جنگی اور شورشوں کا دور تھا۔ اس دور میں امت مسلمہ اختلاف کا شکار بنی اور وہ اتحاد جو آپؐ کے دور میں قائم ہوا تھا، پارہ پارہ ہونے لگا۔ خلافت راشدہ کا خاتمہ ہوا اور اس کی جگہ اب ملوکیت نے لے لی۔

4.4 خلفائے راشدین کے عہد میں اسلامی ریاست کی توسیع

حضرت محمدؐ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ امت مسلمہ کے خلیفہ قرار پائے۔ آپؓ کے سامنے بہت سی مشکلات در پیش تھیں جن کو آپؓ نے اپنے سیاسی تدبر، عاقبت اندیشی اور مذہبی بصیرت سے حل کیا۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت، مرتدین اسلام، منکرین زکوٰۃ نے شورش برپا کر رکھی تھی تو دوسری طرف اسامہ بن زیدؓ کا لشکر تیار تھا جسے آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں ہی شام پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا ،تاکہ وہ رومیوں سے حضرت زید بن حارثہؓ کی موت کا بدلہ لے سکے۔ یہ لشکر ابھی روانہ بھی نہ ہوا تھا کہ آپؐ کا وصال ہو گیا۔ کچھ صحابہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو پہلے مرتدین اسلام کی سرکوبی کا مشورہ دیا مگر آپ نے نو عمر اور ناتجربہ کار اسامہؓ کی قیادت میں فوج کو روانہ کیا جن کو حضور اکرمؐ نے متعین کیا تھا۔ روانگی کے وقت خلیفہ وقت نے اسامہ کو نصیحتیں کرتے ہوئے کہا کہ ''خیانت نہ کرنا، مال غنیمت نہ چھپانا، دھوکا نہ دینا، مثلہ نہ کرنا، بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کھانے کے علاوہ جانوروں کو ذبح نہ کرنا، چالیس دن بعد یہ لشکر اپنا مشن مکمل کر کے فاتحانہ مدینہ واپس آگیا۔ یہ لشکر کشی مسلمانوں اور نوزائیدہ اسلامی ریاست کے لئے مفید ثابت ہوئی۔ شورش کرنے والوں کو احساس ہو گیا کہ مسلمانوں کی طاقت و قوت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے جھوٹے مدعیان نبوت کے قلع قمع کرنے کے لئے مہمیں روانہ کیں اور چند دنوں میں آپ کے کمانداروں جیسے شرحبیل بن حسنہ، خالدؓ بن ولید، عکرمہؓ وغیرہ کی قیادت میں یہ کام انجام کو پہنچا۔ قبیلہ بنی حنیفہ کے مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہوئی جنگ میں بہت سے حفاظ کرام شہید ہوئے۔ العلاء بن حضرمی، حذیفہؓ بن محصین اور زیادؓ بن حنظلہ کی قیادت میں مرتدین کا استیصال ہوا۔ منکرین زکوٰۃ کے مقابلے میں فوجیں روانہ کیں اور بنی عبس اور بنی ذبیان کے مقابلے کے لئے خود گئے اور انہیں زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے مجبور کیا۔ اس طرح سال بھر میں آپ نے اپنے عزم راسخ و مذہبی بصیرت سے ان تمام فتنوں کو اور شورشوں پر قابو پالیا۔ ان سے فارغ ہونے کے بعد ایران اور عراق کے طرف پیش قدمی کی۔ خالدؓ بن ولید کی قیادت میں اسلامی فوجوں نے بہت سی جنگوں اور معرکوں کے بعد ساسانی سلطنت کے بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا۔ کچھ علاقوں نے اطاعت قبول کر لی۔ 13ھ کے اوائل

میں شام پر لشکر کشی کی شروعات ہوئی۔ اسی دوران حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتقال ہوا اور شام و فلسطین کے علاقے حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں 636ء میں اسلامی افواج نے بازنطینی فوجوں کو شکست دے کر دمشق اور شام کے زیادہ تر علاقوں کو فتح کر لیا۔ قادسہ کی جنگ، معرکۂ جلولائ، مدائن خوزستان، نہاوند، اصفہان، ہمدان، رے، طبرستان، آذربائیجان، آرمینیہ، فارس، کرمان، سیستان، مکران وغیرہ کے جنگوں میں ساسانی فوجوں کو شکست (637ئ) دے کر اسلامی ریاست کا حصہ بنالیا۔ 638ء میں اردن، حمص یرموک اور بیت المقدس فتح ہوگئے۔ 639ء میں مصر کے علاقے اور فسطاط فتح ہوگئے۔ 640ء تک شام سے بازنطینی اقتدار کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔ 641ء میں موصل (عراق) اور 642ء اسکندریہ (مصر) بندرگاہی شہر کو فتح کر لیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دس سالہ عہد میں عربوں نے زبردست فتوحات حاصل کیں اور اسلامی ریاست کا کل رقبہ 22,51,030 مربع میل پر پھیل گیا۔ جو دریائے نیل اور دریائے آمو (آکسس) کے درمیان کا وسیع علاقہ ہے۔ یہ علاقے آج بھی مسلم حکومتوں کے زیر نگیں ہیں۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں 26ھ میں افریقہ کے الجزائر، مراکش، 27ھ میں طرابلس کو فتح کر لیا گیا۔ 27ھ میں اسپین پر فوج کشی، 28ھ میں قبرص (سائپرس) پر فوج کشی کی اور 33ھ میں اس کو فتح کر کے ریاست اسلامیہ کا حصہ بنالیا گیا۔ 30ھ میں وسط ایشیاء کے جاجان، خراسان، طبرستان، کابل، سجستان، نیشاپور، خواف وغیرہ علاقے فتح کر لئے گئے۔ 31ھ میں حضرت عثمانؓ کے عہد میں بحری فوج بھی تیار ہوئی۔ حضرت علیؓ کا زمانہ مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی، داخلی انتشار اور اندرونی شورشوں کا دور رہا اور وہ ان کو فرو کرنے میں مصروف رہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کے فتوحات کے دائرے کو نہ بڑھا سکے۔ ان حالات میں سیستان، کابل وغیرہ کے صوبوں کے عرب والیوں نے خود مختاری کی کوشش کی۔ حضرت علیؓ نے زیاد بن ابیہ کو ان بغاوتوں کے استیصال پر مامور کر کے ان علاقوں پر قابو حاصل کیا۔ اس طرح خلافت راشدہ کے 40 سالہ دور میں شمالی افریقہ سے لے کر کابل وسندھ تک اور وسط ایشیاء میں دریائے آمو تک اسلامی ریاست کی حدود پھیل گئیں۔

4.5 نظم سلطنت اور استحکام ریاست

خلافت راشدہ کے قیام کے بعد جو نظام حکومت وجود میں آیا وہ اسلامی نظام تھا۔ خلفاء اپنے فیصلے اور اقدامات قرآن وسنت کی بنیاد پر کیا کرتے تھے۔ اکابر صحابہ کی مشاورت اہم تھی۔ بعض اہم امور میں قبائل کے سردار اور عوامی رائے بھی لی جاتی تھی۔ ہر شخص کو اس اسلامی ریاست میں اپنی رائے دینے اور تنقید کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ خلفاء کا انتخاب بھی وصیت یا اکابر صحابہ کی مشاورت کی بنیاد پر ہوا تھا۔ خلفاء عوام الناس کے سامنے جوابدہ تھے۔ عدل وانصاف میں کسی بھی طرح کا امتیاز نہیں کیا جاتا تھا اور تمام مقدمات کے فیصلے قرآن وسنت کی روشنی میں فیصل کئے جاتے تھے۔ ریاست عوام الناس کی فلاح وبہبود کا پورا خیال رکھتی تھی۔ سب کے ساتھ مساوایانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ دراصل عدل، انصاف، مساوات اور عوامی فلاح وبہبود اسلامی ریاست کے اولین فرائض میں شامل تھے۔ خلافت راشدہ کے زمانے میں بہت سے علاقے فتح ہوئے تھے اور اسلامی ریاست کی وسعت میں اضافہ ہوا تھا۔ بیت المال کی آمدنی اور خرچ کا مکمل حساب قلمبند کیا جاتا تھا۔ انتظامی نقطۂ نظر سے اس وسیع ریاست کو مختلف علاقوں وولایت میں تقسیم کیا گیا اور ہر ولایت ایک والی (گورنر) کے زیر انتظام تھی۔

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کو صرف سوا دو سال کا وقت ملا۔ اس مدت میں انھوں نے اندرونی اور بیرونی دشمنوں پر قابو پایا اور ریاست کی انتظامی بنیادوں کو استوار کیا اور ریاست کو صوبوں اور اضلاع میں منقسم کیا۔ صیغہ مال کو صیغہ فوج سے الگ کر دیا اور امیر الخراج مقرر کئے۔ ہر علاقے میں عامل کا تقرر کیا اور ان پر سخت نگرانی رکھتے تھے۔ ان عمال کے فرائض واضح تھے جیسے امامت، جمعہ کا خطبہ، محصول کی وصولیابی، عدل و انصاف قائم کرنا، قافلوں کی حفاظت، زراعت کی نگرانی و ترقی، عوامی فلاح و بہبود، فوج کی نگرانی، مال غنیمت کی تقسیم، مال غنیمت کا خمس مرکزی بیت المال کو بھیجنا وغیرہ وغیرہ۔ مرکز میں قاضی القضات حضرت عمرؓ، مہتم خزانہ ابو عبیدہؓ ابن جرح، مراسلت حضرت عثمان غنیؓ زید بن ثابتؓ اور حضرت علیؓ، افتاء حضرت علیؓ، عبداللہؓ بن مسعود، معاذ بن جبلؓ، ابی ابن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ جیسے صحابہ ان شعبہ جات کے سربراہ تھے۔ ذمیوں کے جان و مال، مذہبی آزادی اور عبادت گاہوں کے تحفظ کی ذمہ دار ریاست تھی۔ زکوۃ، عشر، خراج، جزیہ اور مال غنیمت حکومت کی مالی آمدنی کے ذرائع تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں حضرت عمرؓ کی تحریک پر قرآن کریم کا کتابی شکل میں مدون ہونا ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں اسلامی ریاست کی وسعت میں اضافے کے ساتھ ایک منظم نظام حکومت مرتب ہوا۔ مجلس شوریٰ اور مجلس عام کی اہمیت میں اضافہ ہوا۔ اسلامی ریاست کو انتظامی لحاظ سے صوبوں مکہ، مدینہ، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین، خراسان، آذربائیجان اور فارس میں تقسیم کیا گیا۔ اور ہر صوبے میں والی (گورنر)، کاتب یعنی میر منشی، کاتب دیوان یعنی فوجی محکمہ کا میر منشی، صاحب الخراج (کلکٹر)۔ صاحب احداث یعنی پولس افسر، صاحب بیت المال یعنی وزیر خزانہ، قاضی وغیرہ کے تقرر کا انتخاب مجلس شوریٰ کے ذریعہ کیا۔ ان افسران کے تقرر کے وقت ان سے عہد لیا جاتا کہ وہ باریک و ریشمی کپڑے نہیں پہنے گا، چھنا آٹا نہیں کھائے گا، دربان نہیں رکھے گا اور اہل حاجت کے لئے اس کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ عمال کا تقرر ان کے زہد و ورع، قرآن و حدیث کا علم اور تقویٰ کی بنیاد پر کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ تمام افسران کی تقرر کے وقت اس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کر کے محفوظ کی جاتی تھی اور اگر تقرر کے بعد اس کے مال و دولت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا تھا تو سخت احتساب کیا جاتا تھا اور جائزے کے بعد آدھا مال بیت المال میں جمع کر لیا جاتا۔ کسی شخص کے ذریعہ شکایت ملنے پر اس کا تدارک کیا جاتا اور عمال بھی سزا کے مستحق تھے جس طرح عوام الناس۔ عمال کے کردار و اعمال کی سخت نگرانی رکھی جاتی ساتھ ہی عوام الناس کے اخلاق و کردار بھی نگرانی کے دائرے میں تھے۔ اور اخلاق ذمیمہ پر سخت سزائیں شریعت کے دائرے میں دی جاتی تھیں۔

حضرت عمرؓ نے عراق کی فتح کے بعد زمین کی پیمائش کرائی، قابل کاشت زمینوں کا بندوبست کیا، عشر و خراج کا طریقہ منضبط کیا۔ ملک میں مردم شماری کرائی، تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، قضا کے اصول و قوانین منضبط کئے، قاضیوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا تاکہ وہ رشوت ستانی کی طرف مائل نہ ہوں۔ جیل خانے تعمیر کئے، عادی مجرمین کو جلاوطن کیا اور مستقل بنیاد پر بیت المال قائم کئے۔ اس کی آمدنی و مصارف کا باقاعدہ حساب رکھا گیا۔ حرمت مراتب کے لحاظ سے امت کے افراد کے وظائف مقرر کئے۔ ہجری کلینڈر کی شروعات کی۔ فوجی ضروریات کے تحت قلعے اور چھاؤنیاں تعمیر کیں۔ کوفہ، بصرہ اور فسطاط (قاہرہ) جیسے فوجی (جند) شہر تعمیر کئے گئے۔ ایک طرح سے باقاعدہ فوج بنائی اور ان کی تنخواہوں کا اجراء کیا۔ فوج میں افسر خزانہ، محاسب، قاضی، مترجم، طبیب و جراح کا تقرر کیا جو فوج کے ساتھ رہتے۔ زراعت

کی توسیع و سینچائی اور عوام کو پانی کی فراہمی کے لحاظ سے کئی نہریں تعمیر کروائیں۔ کشادہ سڑکیں اور شاہرائیں تعمیر ہوئیں۔ معلمین، حفاظ، موذنین وغیرہ کی تنخواہیں طے کیں، غرباء و مساکین کے روزینے مقرر کئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں سختی کے ساتھ عدل و انصاف کا اجراء کیا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی یہی نظام جاری رہا لیکن آخر میں ان کے خاندان بنو امیہ کے افسران نے اس میں بد نظمی پیدا کر دی۔ مجلس شوریٰ کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ عمال کی مجلس شوریٰ قائم کی۔ دمشق، اردن اور فلسطین جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں الگ الگ صوبے تھے ان کو حضرت عثمانؓ نے ایک صوبہ بنا دیا۔ نئے مفتوحہ علاقے طرابلس، قبرص، آرمینیہ اور طبرستان الگ الگ صوبے اور فوجی مرکز بنائے گئے۔ ابتداء میں عمال کی سخت نگرانی بھی کی۔ حج کے موقع پر عوام الناس کی شکایت کا تدارک بھی کرتے، نظم و نسق کے وہ شعبہ جات جو حضرت عمرؓ کے عہد میں قائم کئے گئے تھے بدستور قائم رہے اور جہاں انہیں اور منضبط کرنے کی ضرورت تھی، انہیں مزید منضبط کیا۔ مختلف مقامات پر گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لئے چراگاہیں بنوائیں اور پہلی دفعہ بحری فوجی تیار کی اور ایک جنگی بحری بیڑہ بھی تیار کیا۔ حضرت عثمانؓ کا ایک عظیم کارنامہ قرآن مجید کی قرأت میں اختلاف کو دور کرنا تھا۔ انھوں نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرتب و مدون قرآن کا نسخہ لے کر اس کی نقلیں تیار کرائیں اور تمام ممالک میں اس کی اشاعت کی اور امت کا ایک قرآن کی قرأت پر اجماع کرا دیا۔ حضرت علیؓ کا پانچ سالہ دور، امت کے اختلافات اور داخلی شر و فساد کا دور تھا۔ اس وجہ سے ملکی انتظامات پر خاطر خواہ توجہ نہ ہو پائی۔ ان ہی حالات کے سبب دار الخلافہ مدینۃ النبی سے کوفہ منتقل کرنا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے مملکت کے نظم و نسق کو جن بنیادوں پر استوار کیا تھا حضرت علیؓ کے عہد میں بھی وہی جاری رہا۔ حضرت علیؓ نے جنگلات کو بھی محاصل کے ضمن میں داخل کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب گھوڑوں کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی تو آپؓ نے اس پر زکوٰۃ مقرر کر دی تھی۔ حضرت علیؓ نے اس کو منسوخ کر دیا کیونکہ حضور اکرمؐ کے دور میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے۔

خلفاء راشدین کے عہد میں ریاست اسلامیہ کی وسعت افریقی ممالک سے لے کر وسط ایشیاء تک پھیل گئی تھی اور یہ غیر معمولی توسیع زیادہ تر حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں مملکت اسلامیہ کا نظم و نسق ایک مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار ہوا جس سے ریاست اسلامی کو زبردست استحکام نصیب ہوا حالانکہ حضرت عثمانؓ کے دور کے نصف آخر میں مسلمانوں میں بے چینی اور عدم اعتماد پیدا ہوا اور حضرت علیؓ کے دور میں خانہ جنگی جیسی صورتحال ہونے کے باوجود بھی ریاست اسلامی طاقتور و مستحکم بنی رہی۔ یہ استحکام و قوت ریاست اسلامی کے انتظام حکومت میں نہاں تھا۔

4.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

ہجرت کے بعد مدینہ کی اسلامی ریاست جس کی تشکیل رسول اکرمؐ کے زمانے میں ہوئی اور جن بنیادوں اور اصولوں پر اس کو استوار کیا تھا، خلفاء راشدین نے اس کو جاری رکھا۔ خلافت راشدہ بھی قرآن و سنت کے اصولوں پر قائم تھی جس کی بنیاد رسولؐ خدا نے رکھی تھی۔ چاروں خلفاء حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، کا انتخاب نامزدگی یا شوروی طریقے پر عمل میں آیا تھا۔ خلیفہ اول، آپؐ کے وصال کے بعد اٹھنے والے فتنوں جیسے مدعیان نبوت، منکرین زکوٰۃ، مرتدین وغیرہ کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے عہد

میں ریاست اسلامی کی مثالی توسیع ہوئی اور دریائے آمو (آکسس) سے لے کر شمالی افریقہ اور دریائے نیل تک کا سارا علاقہ، قبرص، اسپین اور وسطی ایشیاء کے تقریباً تمام علاقے ریاست اسلامی کا حصہ بن گئے۔ اس توسیع کے ساتھ نظم ونسق کو منضبط کیا۔ مملکت کو صوبوں میں اور اضلاع میں تقسیم کیا۔ جند (چھاؤنیاں) قائم کیں۔ مستقل بنیادوں پر فوج کا قیام عمل میں آیا، صوبوں میں گورنروں کے ساتھ انتظامی شعبہ جات کے الگ الگ نگراں مقرر کئے اور ان کا سخت احتساب کیا۔ زمینوں کی پیائش کرائی، عدالتیں و جیل خانے تعمیر کروائے، ہر صوبے میں اور مرکز میں بیت المال تعمیر کرائے، ہجری کلینڈر کی شروعات کی۔ عمال وافسران کے کردار کے ساتھ ساتھ عوام الناس کے اخلاق و کردار کی بھی نگہداشت کی گئی۔ اس کے لئے پولس کا محکمہ قائم کیا۔ آبپاشی اور پانی کی فراہمی کے لئے نہریں بنوائیں غرض وہ تمام کام جو شرعی اور فلاحی ریاست کو کرنے چاہئیں، حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں کئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں نظم ونسق ان ہی اصولوں وبنیادوں پر جاری رہا۔ حضرت عثمانؓ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش وپرداخت کے لئے چراگاہیں بنوائیں۔ ان کے عہد میں پہلی بحری فوج تیار ہوئی۔ امت کا قرآن کی ایک قرأت پر اجماع کرایا۔ حضرت علیؓ نے جنگلات کو بھی محاصل کی فہرست میں شامل کیا۔ اس طرح وہ ریاست جس کی داغ بیل مدینہ میں حضرت محمدؐ نے ڈالی تھی وہ ریاست چالیس سال میں افغانستان، وسط ایشیا اور شمالی افریقہ تک پھیل گئی اور یہ سارا علاقہ ایک نظام حکومت کے تحت آگیا۔ مملکت جمہوری وشوروی بنیاد پر قائم تھی جہاں خلیفہ بھی ایک عام انسان کی طرح تھا۔

4.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

میثاق	:	وعدہ، پیمان، مضبوطی
اسقف	:	پادری
رضوان	:	خوشنودی، بہشت کا دربان
ابوتراب	:	مٹی کا باپ
قصاص	:	بدلہ
مرتد	:	اسلام چھوڑا ہوا مرد
تدارک	:	بدلہ، چارۂ کار
منضبط	:	باضابطہ، باقاعدہ، مرتب، طے شدہ، ضابطے میں لایا ہوا

4.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

4.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. حضور ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ اول کا انتخاب مدینہ کے کس مقام پر عمل میں آیا؟

(الف) مسجد نبوی (ب) دار ارقم (ج) ثقیفہ بنی ساعدہ (د) غار ثور

2. کس خلیفہ راشد کی تحریک اور مشورے پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قرآن کریم کو کتابی شکل میں مدون کرایا؟

(الف) حضرت عمر فاروقؓ (ب) حضرت عثمان غنیؓ (ج) حضرت علی المرتضیٰؓ (د) حضرت زید بن ثابتؓ

3. اسلامی ریاست کو انتظامی لحاظ سے صوبوں میں تقسیم کرنے اور ہجری کلینڈر کا باقاعدہ آغاز کرنے والے خلیفہ کون تھے؟

(الف) حضرت ابو بکر صدیقؓ (ب) حضرت عمر فاروقؓ (ج) حضرت عثمان غنیؓ (د) حضرت امیر معاویہؓ

4. پہلی مرتبہ بحری فوج تیار کرنے اور بحری بیڑہ بنانے کا کارنامہ کس خلیفہ راشد کے عہد میں انجام پایا؟

(الف) حضرت ابو بکر صدیقؓ (ب) حضرت عمر فاروقؓ (ج) حضرت عثمان غنیؓ (د) حضرت علی المرتضیٰؓ

5. جنگ جمل اور جنگ صفین جیسے داخلی اختلافات کس خلیفہ راشد کے دورِ خلافت میں پیش آئے؟

(الف) حضرت عمر فاروقؓ (ب) حضرت عثمان غنیؓ (ج) حضرت علی المرتضیٰؓ (د) امام حسنؓ

4.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. حجتہ الواع کے خطبے کے اہم نکات پر روشنی ڈالئے۔
2. رسولؐ اللہ کے انتظام حکومت کو مختصراً تحریر کیجئے۔
3. حضرت ابو بکر صدیقؓ کی قبول اسلام سے قبل کی زندگی پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالئے۔
4. حضرت عثمانؓ کا اختصار کے ساتھ سوانحی خاکہ تحریر کیجئے۔
5. حضرت علیؓ کو درپیش داخلی مسائل کو بیان کیجئے۔

4.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. خلفائے راشدین کے عہد میں اسلامی ریاست کی توسیع پر ایک مضمون لکھئے۔
2. حضرت عمرؓ کے انتظامی کارناموں پر تفصیلی روشنی ڈالئے۔
3. حضرت علیؓ کے دور خلافت کو تفصیل سے بیان کیجئے۔

جوابات

1۔(ج) ثقیفہ بنی ساعدہ 2۔(الف) حضرت عمر فاروقؓ 3۔(ب) حضرت عمر فاروقؓ

4۔(ج) حضرت عثمان غنیؓ 5۔(ج) حضرت علی المرتضیٰؓ

اکائی 5۔اموی خلافت: توسیع اور استحکام

(Expansion and Consolidation of the Umayyad State)

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 اموی خلافت/مملکت کا قیام

5.3 اموی خلافت کے مشہور خلفاء

5.3.1 امیر معاویہ

5.3.2 یزید بن معاویہ

5.3.3 عبدالملک بن مروان

5.3.4 ولید بن عبدالملک

5.3.5 سلیمان بن عبدالملک

5.3.6 عمر بن عبدالعزیز

5.3.7 یزید بن عبدالملک

5.3.8 ہشام بن عبدالملک

5.3.9 اموی عہد کے دیگر حکمراں

5.4 اموی خلافت کا زوال

5.5 عہد بنوامیہ کی فتوحات، توسیع اور استحکام

5.6 اکتسابی نتائج

5.7 کلیدی الفاظ

5.8 نمونہ امتحانی سوالات

5.0 تمہید (Introduction)

اموی خلافت اسلامی تاریخ کا ایک اہم دور ہے، جس میں سلطنت کی توسیع، نظم ونسق کے استحکام اور انتظامی اصلاحات پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اس دور میں اسلامی ریاست نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے وسیع ہوئی بلکہ اس کے انتظامی ڈھانچے کو بھی مضبوط بنیادیں فراہم کی گئیں۔ امیر معاویہ نے اموی خلافت کی بنیاد ڈالی۔ ان کی مدتِ خلافت (680-661) کل بیس سال پر محیط ہے۔ انہوں نے اندرونی حالات پر قابو پانے کے ساتھ ساتھ بیرونی فتوحات بھی کیں اور خلافت کی توسیع کے ساتھ سلطنت کے نظم ونسق کو بہتر انداز میں منظم کیا۔ امیر معاویہ کے عہد میں امن وآشتی قائم رہی اور نئے علاقے سلطنت میں شامل ہوئے۔ 661ء میں حضرت حسن بن علیؓ نے حضرت امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا، جس کے بعد اتفاقِ رائے سے حضرت امیر معاویہ خلیفہ منتخب ہوئے اور اموی حکومت کا آغاز ہوا۔ اموی خلافت تقریباً نوے سال تک قائم رہی۔ اس عرصے میں کل چودہ خلفاء نے حکومت کی۔ اس اکائی میں ہم اموی خلافت کے چند مشہور خلفاء کے عہد، ان کے حالات وکارناموں، فتوحات، مملکت کی توسیع اور نظم ونسق کا جائزہ لیں گے۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- بنوامیہ اور خلفاء بنوامیہ کے حالات وکارناموں پر روشنی ڈال سکیں گے۔
- اموی حکومت کے قیام اور ابتدائی حالات کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- اموی دور میں ریاست کی توسیع اور فتوحات پر روشنی ڈال سکیں گے۔

5.2 اموی خلافت/مملکت کا قیام

امیر معاویہ نے اپنی خلافت/مملکت کا آغاز اپنے سے قبل کی خلافت، یعنی خلافتِ راشدہ سے مختلف انداز میں کیا تھا۔ اسی دور میں شخصی حکومت (ملوکیت) کا آغاز ہوا، تاہم یہ امیر معاویہ کا اہم کارنامہ تھا کہ انہوں نے سلطنت کو استحکام فراہم کیا۔ اس عہد میں بیرونی فتوحات کے باعث سلطنتِ اسلامی کو وسعت ملی اور امن وامان قائم ہوا۔ واضح ہو کہ جس وقت اموی خلافت/مملکت کا آغاز ہوا، اس وقت تین سیاسی گروہ؛ (1) شیعانِ علی، (2) حامیانِ امیر معاویہ، اور (3) خوارج موجود تھے۔ ان تینوں سیاسی گروہوں کو امیر معاویہ نے قابو میں لانے کی کوشش کی اور سیاسی ماحول اپنے موافق کیا۔ حضرت معاویہؓ سے پہلے خلافت انتخابی تھی، لیکن معاویہ نے یزید کو جانشین بنا کر خلافت کو موروثی بنا دیا۔ اس خاندان میں چار فرمانروا ایسے گزرے جنہوں نے ایک وسیع اور مستحکم سلطنت قائم کی۔ اس سلطنت کو وسعت دینے کا سہرا حجاج بن یوسف، محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد جیسے فوجی سپہ سالاروں کے سر ہے۔ امیر معاویہ کا زمانہ پرامن گزرا، البتہ خارجیوں کی سازشیں جاری رہیں۔ البتہ ان کی سازشوں کا فوری تدارک کر دیا جاتا تھا۔ خارجی سردار فروہ بن نوفل اور مستور بن علقمہ نے خفیہ سازشیں کیں اور خارجیوں کی طاقت توڑنے کے لیے مغیرہ بن شعبہ، جو بڑے آزمودہ کار اور نامور مدبر تھے، کوفہ کا والی مقرر کیا گیا۔ مغیرہ بن شعبہ نے ایک سال کے اندر

خارجیوں پر کافی حد تک قابو پالیا۔ خاندان بنوامیہ کی حکومت تقریباً 90 سال قائم رہی۔ یہ زمانہ ملوکیت کے قیام اور استحکام کا ہے۔ امیر معاویہ کے زمانے میں استبداد اور ملوکیت کے برے نتائج زیادہ نمایاں نہیں ہوئے تھے، کیونکہ وہ قوت کے استعمال کے ساتھ ساتھ مصلحت، نرمی اور مفاہمت سے بھی کام لینے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن عبدالملک کے بعد سے بادشاہت کا نظام اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ نمودار ہو گیا۔ اس خلافت کا دارالسلطنت دمشق تھا۔ اس عہد کے چند اہم اور نامور خلفاء کے کارناموں کا ذکر ہم اس اکائی میں مختصراً کریں گے۔

5.3 اموی خلافت کے مشہور خلفاء

بنوامیہ خاندان کی دو نمایاں شاخیں تھیں۔ پہلی شاخ حضرت معاویہؓ کا تھا۔ اس میں کل تین خلفاء ہوئے اور انہوں نے لگ بھگ پچیس سال حکومت کی۔ دوسرا خاندان حضرت مروان بن الحکمؓ کا تھا۔ اس خاندان کے گیارہ خلفاء نے تقریباً 65 سال تک حکومت کی۔ اموی حکومت میں خلافتِ راشدہ کی خوبیاں نہیں تھیں، لیکن فتوحات، سلطنت کی وسعت، بہتر نظم و نسق، رعایا کی خوش حالی، تہذیب و تمدن کے ارتقا اور علوم و فنون کی ترقی کے اعتبار سے اموی خلافت کی اہمیت نمایاں ہے۔ اموی خلافت میں عبدالملک، ولید اور پھر عمر بن عبدالعزیز نے زیادہ شہرت حاصل کی اور انہوں نے نمایاں کارنامے انجام دیے، جن کا مختصراً ذکر ذیل میں پیش کیا جائے گا۔

5.3.1 امیر معاویہ (661-679)

امیر معاویہ سلطنتِ بنوامیہ کے بانی تھے۔ وہ ایک جری سپہ سالار تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بڑی فتوحات حاصل کی تھیں۔ سندھ، ترکستان اور شمالی افریقہ کے اکثر علاقوں پر فوج کشی کی اور فتح حاصل کر کے ان علاقوں میں حاکم مقرر کیے۔ رومیوں سے بھی ان کے بار بار معرکے ہوتے رہے۔ امیر معاویہ کا قسطنطنیہ پر حملہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ 674ء میں امیر معاویہ نے قسطنطنیہ پر فوج کشی کی۔ اس لڑائی میں ایوب انصاری، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن اصفہانی شامل تھے۔ مسلمانوں کو قسطنطنیہ کی مہم میں بہت زیادہ جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ چند دنوں کے محاصرے کے بعد یہ محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ شام کے ساحلی علاقے کو رومیوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بحیرۂ روم کے جزیرۂ قبرص اور سرسبز و شاداب جزیرے راڈرس پر قبضہ کر لیا تھا۔ صقلیہ پر حملہ کیا گیا، لیکن یہ حملہ ناکام رہا۔ معاویہ نے نہ صرف سلطنت میں وسعت پیدا کی بلکہ تمدنی ضروریات کے مطابق بہت سے شعبے قائم کیے اور اپنے بعد ایک وسیع اور طاقت ور حکومت اپنے جانشین کے لیے چھوڑی۔ امیر معاویہ نے صوبوں کی تقسیم اور نظم و نسق میں عہدِ فاروقی کے نظام کو برقرار رکھا۔ سلطنت کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا۔ قیامِ عدل اور رعایا کے آرام و آسائش کا خصوصاً خیال رکھا گیا۔ بہتر اور منظم فوج تیار کی گئی۔ بحری بیڑے بنائے گئے۔ نہریں کھدوائیں اور مختلف دفاتر قائم کیے۔ امیر معاویہ نے عبداللہ بن شریہ سے قدیم تاریخ لکھوائی۔ امیر معاویہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے ڈاک کا انتظام کیا۔

معاویہ نے شام کے مشہور شہر دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ وہ بہت بردبار تھے۔ نرمی سے کام لیتے تھے۔ سختی اور نرمی کے معاملے میں ان کا اصول یہ تھا کہ "جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں تلوار کام میں نہیں لاتا، اور جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا، اگر

میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا، جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔'' امیر معاویہ نے بیس سال حکومت کی۔ مجموعی طور پر ان کے عہد میں امن و امان قائم رہا۔ 679ء میں امیر معاویہ کا انتقال ہوا۔ انہوں نے اپنے انتقال سے قبل اپنے لڑکے یزید کو اپنا جانشین بنایا۔

5.3.2 یزید بن معاویہ (83-679ء)

امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا اور حج کے موقع پر سب سے اس بات پر بیعت لی۔ پانچ ممتاز صحابہ جیسے حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابو بکرؓ نے اس کی سخت مخالفت کی، لیکن اس مخالفت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس طرح اسلام میں خلافت کے موروثی نظام کی روایت قائم ہو گئی۔ اہل کوفہ یزید کی خلافت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے حضرت حسینؓ سے خلیفہ بننے کی درخواست کی۔ حضرت حسینؓ نے اہل کوفہ کی مسلسل درخواست پر کوفہ جانے کا فیصلہ کر لیا، لیکن عین وقت پر اہل کوفہ نے حضرت حسینؓ کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس طرح 680ء میں کربلا کا غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ یزید کی فوجوں نے امام حسینؓ کے خاندان کا محاصرہ کر کے امام حسینؓ کو ان کے اہلِ خاندان اور رفقا سمیت نہایت بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اہل مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کر کے عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور تمام اموی عمال کو مدینہ سے نکال دیا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں دس ہزار فوج روانہ کی اور اہل مدینہ سے صلح کی کوشش کی۔ اہل مدینہ یزید سے صلح پر آمادہ نہ تھے، لڑائی ہوئی اور یزید کی فوجوں نے مدینہ کو تباہ کر دیا۔ بہت سے اکابر، اشرافِ قریش اور انصار اس جنگ میں کام آئے۔ اہل مدینہ کو زیر کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ نے اپنی بیماری کی وجہ سے فوج کی قیادت حصین بن نمیر کے سپرد کر دی۔ حصین بن نمیر نے مکہ کا رخ کیا۔ ابن زبیرؓ حرم میں پناہ گزیں ہوئے۔ حصین نے محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی۔ اس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو بہت نقصان پہنچا۔ محاصرہ جاری ہی تھا کہ اسی دوران یزید کا انتقال ہو گیا۔ حصین بن نمیر نے حالات کو بہتر بنانے کے لیے ابن زبیرؓ سے صلح کر لی اور انہیں شام چلنے کے لیے کہا تاکہ وہاں عوام ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، لیکن ابن زبیرؓ شام جانے پر آمادہ نہیں ہوئے۔

یزید کے زمانے میں ترکستان اور افریقہ میں بھی فوجیں بھیجی گئی تھیں۔ شمالی افریقہ میں مزید علاقے فتح کیے گئے، لیکن بربر فوج بار بار مسلمانوں کے مقابلے میں بغاوت کا جھنڈا بلند کرتی رہی۔ یزید کی موت کے بعد معاویہ دوم تخت نشین ہوئے، لیکن وہ تین ماہ بعد خلافت سے دست بردار ہو گئے اور مسلمانوں کو اختیار دے دیا کہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھ میں حکومت کرنے کی طاقت و صلاحیت نہیں ہے، تم لوگ جس کو چاہو خلیفہ منتخب کر لو۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ کے خاندان کی حکومت ختم ہو گئی اور مروان برسرِ اقتدار آئے۔ یہ بھی امیہ ہی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے سب کو بنو امیہ کہا جاتا ہے۔

5.3.3 عبدالملک بن مروان (705-685)

عبدالملک 39 سال کی عمر میں تختِ خلافت پر بیٹھے۔ انہیں شروع میں کئی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا، جنہیں مہلب بن صفرہ کی قیادت

میں فرو کر دیا گیا، اور اس کے بعد پورے قلمرو میں امن و امان قائم ہو گیا۔ انہی کارناموں کی وجہ سے عبدالملک بن مروان کو اموی خلافت کا حقیقی بانی سمجھا جاتا ہے۔ عبدالملک، مروان کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے۔ تخت نشینی کے وقت عبدالملک کے قبضے میں صرف مصر اور شام تھے، باقی دنیائے اسلام کے حصے پر ابن زبیر قابض تھے۔ عبدالملک کے زمانے میں "توابین" کا ظہور ہوا۔ یہ لوگ خود کو حضرت علیؓ کے فدائی بتاتے تھے اور قاتلینِ حسین سے انتقام لینا انہوں نے اپنا اولین فرض ٹھہرایا تھا۔ ان توابین نے خفیہ طور پر جنگ کی تیاریاں کر کے چھ ہزار کی جمعیت فراہم کی اور ملکِ شام کی طرف بڑھے۔ اس زمانے میں اموی حاکم عبداللہ بن زیاد عراق کی بعض مہموں میں مصروف تھا۔ توابین سے اس کا مقابلہ ہوا اور خون ریز جنگ ہوئی۔ اس جماعت کے بڑے سردار سلیمان بن صُرَد اور ان کے تمام ساتھی کام آئے۔ چھ ہزار توابین میں سے بہت کم زندہ بچے۔ توابین جماعت کا آغاز مروان کے زمانے میں ہوا اور خاتمہ عبدالملک کے عہد میں ہوا۔ عبدالملک نے چند ہی سال میں ملکِ شام کو اپنے مخالفین سے صاف کر دیا۔ شام میں اپنی قوت کو مستحکم کرنے کے بعد عراق کی جانب اپنی توجہ مرکوز کی۔ حجاج بن یوسف کی سرداری میں ایک فوج حجاز پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کی گئی۔ اموی فوج نے مدینہ منورہ پر قبضہ کر کے شہر مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن زبیر مکہ میں محصور ہو گئے۔ جنگ ہوئی اور وہ بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ عبداللہ بن زبیر کی شکست کے بعد عبدالملک سلطنت کے واحد فرمانروا ہو گئے۔

اموی سلطنت کو جب استحکام نصیب ہوا تو عبدالملک نے افریقہ کی جانب توجہ مبذول کی۔ زبیر بن فیض کو، جنہیں افریقہ کے حالات کا کافی تجربہ تھا، افریقہ روانہ کیا گیا، لیکن اسی دوران رومیوں نے برقہ پر حملہ کر دیا۔ زبیر افریقہ کی مہم نامکمل چھوڑ کر رومیوں سے مقابلے کے لیے گئے، لیکن جنگ کے دوران شہید ہو گئے۔ زبیر کی شہادت کے بعد حسان نے رومیوں اور بربروں، دونوں کو شکست دی۔ ملکہ داعیہ جنگ میں شکست کھا کر ماری گئی۔ ملکہ داعیہ کے بعد افریقہ میں کوئی حریف باقی نہ رہا۔ یہاں اسلام تیزی سے پھیلا۔ عبدالملک نے عراق، سیستان، کرمان، خراسان اور ماوراءالنہر کا گورنر حجاج بن یوسف کو مقرر کیا۔ مغربی عرب کا حاکم ہاشم بن اسماعیل کو اور عبدالعزیز کو مصر کا گورنر مقرر کیا گیا۔ عبدالملک وہ پہلا حکمراں تھا جس نے اسلامی سکہ رائج کیا۔ عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا اور تمام دفتری کاروبار عربی زبان میں ہونے لگا۔ عبدالملک کو رفاہِ عامہ کے کاموں سے بھی دلچسپی تھی۔ وہ نہایت مدبر سیاست داں تھا۔ علم و فضل کے اعتبار سے بھی عبدالملک کا شمار اپنے عہد کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ عبدالملک نے تمام مخالف طاقتوں کا خاتمہ کر دیا تھا، جس کی وجہ سے بعد کے خلفاء کو فتوحات حاصل کرنے اور تعمیری کام انجام دینے کا موقع ملا۔

5.3.4 ولید بن عبدالملک (705-715)

ولید بن عبدالملک اپنے والد کے انتقال کے بعد خلیفہ بنے۔ ان کا عہد فتوحات، سلطنت کی توسیع و استحکام، دولت کی فراوانی اور تعمیری کاموں کی وجہ سے اموی خلافت میں بے نظیر ہے۔ قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور سلمہ بن عبدالملک جیسے نامور سپہ سالاروں نے لگاتار فتوحات حاصل کر کے سلطنت کو وسیع کرنے میں ولید بن عبدالملک کی مدد کی۔ ولید کے عہد میں سلطنت کی حدود چین سے لے کر یورپ تک پھیل گئی تھیں۔ قتیبہ بن مسلم نے ترکستان اور چین کے بہت سے علاقے فتح کیے۔ ولید کے عہد میں محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ فتح

ہوا۔ ولید نے طارق بن زیاد کی سرکردگی میں سات ہزار بربری فوج کاؤنٹ جولین کی رہنمائی میں بھیجی۔ طارق بن زیاد اپنی فوج کے ساتھ جبل الطارق (جبرالٹر) پر اترے اور وہاں سے الگ الگ فوجیں غرناطہ، قرطبہ اور اشبیلیہ کی طرف روانہ کی گئیں۔ طلیطلہ پر خود طارق نے فوج کشی کی اور اس شہر کو فتح کیا۔ اس طرح طارق بن زیاد نے موسیٰ بن نصیر کے ساتھ تقریباً پورا اندلس فتح کر لیا۔

ولید کے عہد کی فتوحات کی خصوصیات یہ رہیں کہ نو مفتوحہ علاقوں کی رعایا کی سماجی حالت بہتر ہوئی۔ فوجی نظم و نسق کو وسعت دی گئی۔ جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے گئے۔ ولید کے عہد میں بحری فوج کی طاقت میں زبردست اضافہ ہوا۔ ولید کو فنِ تعمیر سے بہت دلچسپی تھی۔ اس کا سب سے بڑا تعمیری کام مسجد نبوی اور جامع مسجد دمشق کی تعمیر ہے۔ اموی دور کا یہ پہلا حکمراں ہے جس نے ادب، آرٹ اور دستکاری کی حوصلہ افزائی کی۔ تعلیم کے میدان میں بھی اس کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حفظِ قرآن کو اس کے عہد میں رواج ملا۔ تعلیمِ قرآن کے حلقے قائم ہوئے۔ اسی عہد میں حجاج بن یوسف نے قرآنِ شریف پر نقطے اور اعراب لگوائے۔ ولید کے انتقال کے بعد سلیمان بن عبدالملک اس کا جانشین ہوا۔

5.3.5 سلیمان بن عبدالملک (715-717)

سلیمان بن عبدالملک نے ڈھائی سال حکومت کی۔ اس کے عہد میں بیرونی فتوحات بہت کم ہوئیں۔ اس نے اندرونی اصلاحات کی طرف توجہ دی۔ اپنے تحفظ کے لیے قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم کو قتل کروادیا۔ فاتحِ اندلس موسیٰ بن نصیر بھی زیرِ عتاب آئے اور انہیں قید کر دیا گیا۔ سلیمان کے عہد میں جرجان اور طبرستان کے پہاڑی اور دشوار گزار علاقوں پر حملے کیے گئے۔ ایک لاکھ کی فوج کے ساتھ جرجان پر فوج کشی کی گئی۔ پہاڑی علاقوں پر حملے ہوئے اور وہاں کے باشندوں کو صلح پر مجبور کیا گیا۔ یزید بن مہلب کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا گیا۔ یزید بن مہلب خراسان سے طبرستان کی طرف بڑھا۔ حاکمِ طبرستان نے پہلے مقابلہ کیا، بعد میں صلح کر لی۔ اسی زمانے میں جرجان میں بغاوت ہوئی، لیکن یزید نے ان کی قوت توڑ دی اور آئندہ بغاوتوں کا انسداد کر کے شہر جرجان میں مسلمانوں کی آبادی قائم کی۔ اس عہد کا ایک اہم اور تاریخی واقعہ قسطنطنیہ پر حملہ ہے، لیکن یہ مہم ناکام رہی۔ اگر یہ مہم کامیاب ہو جاتی تو اسی زمانے میں مشرقی یورپ میں مسلمان پہنچ جاتے۔ سلیمان بن عبدالملک نے نمازوں کو اول وقت میں ادا کرنے کا سلسلہ دوبارہ جاری کیا۔ اس نے اپنے بعد ولی عہدی کا سلسلہ ختم کیا۔ اس نے بھلائی کے کاموں کو زیادہ ترجیح دی۔ اسی وجہ سے اسے 'مفتاح الخیر' (بھلائی کی کنجی) بھی کہا جاتا ہے۔ سلیمان نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹوں کے بجائے ایک برگزیدہ شخصیت، عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

5.3.6 عمر بن عبدالعزیز (717-720)

عمر بن عبدالعزیز اموی خلیفہ مروان بن حکم کے پوتے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت مشہور محدث صالح بن لسان کی نگرانی میں ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیز علمی اعتبار سے امامِ وقت مانے جاتے تھے۔ تختِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد آپ نے ابوذر غفاریؓ اور ابوہریرہؓ کی سیرت اختیار کی۔ آپ کا اصل مقصد خلافتِ راشدہ کا احیاء تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے سب سے پہلے رعایا کی مال و جائیداد کی حفاظت کا انتظام کیا۔

ایسی تمام جاگیریں واپس کر دیں جنہیں ارکانِ شاہی اور اموی عمال نے اپنی جاگیر بنالیا تھا۔ بیت المال کی حفاظت کا نہایت سختی سے انتظام کیا۔ اپنی بیوی کا تمام زیور لے کر بیت المال میں داخل کروادیا۔ ناجائز آمدنیوں کے سد باب اور عام داد و دہش کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا آپ کے زمانے میں بڑی آسودہ حال ہوگئی۔ عمر بن عبدالعزیز نے بکثرت سرائیں تعمیر کرائیں اور خراسان و سمرقند کے گورنروں کو حکم بھیجا کہ وہ اپنے علاقوں میں رعایا کے آرام کے لیے سرائیں بنوائیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے حکومت کا سیاسی ڈھانچہ بدلا۔ شریعت کا احیاء اور تجدید کی۔ پہلے اموی خلفاء کے عہد میں جو امور جادۂ شریعت سے ہٹ گئے تھے، انہیں شریعت کے راستے پر لگایا۔ اسلامی حکومت کی حدود میں توسیع کے بجائے اسلام کی توسیع واشاعت کی کوشش کی۔ بنوامیہ نے ان کی اصلاح کی کوششوں سے یہ محسوس کیا کہ اگر آپ کی خلافت زیادہ عرصہ تک قائم رہی تو آپ بنوامیہ کا زور توڑ کر خلافتِ اسلامیہ کی اصلاحات کو اس قدر مستحکم کر دیں گے کہ ان کا گزشتہ اقتدار واپس نہ آسکے گا۔ اسی لیے انہوں نے آپ کے خادم کو ایک ہزار اشرفی دے کر آپ کو زہر دلوادیا۔ اس طرح ان کی وفات 720ء میں ہوگئی۔

عمر بن عبدالعزیز خلافت سے پہلے امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے، مگر خلافت ملنے کے بعد ان کی زندگی کا رخ بدل گیا اور وہ نہایت سادگی سے زندگی بسر کرنے لگے۔ خلافت کی مسند پر جلوہ افروز ہونے کے بعد مجمعِ عام کے سامنے انہوں نے جو تقریر کی، اس میں انہوں نے اسلامی حکومت کے بنیادی اصولوں کا ذکر کیا اور خلفائے راشدین کے طرزِ خلافت پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا: ''خدا نے جو چیز حلال کر دی ہے، وہ قیامت تک حلال ہے، اور جو حرام کر دی ہے، وہ قیامت تک حرام ہے۔ میں اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ احکامِ الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔ میں تم میں کوئی ممتاز آدمی نہیں ہوں بلکہ معمولی فرد ہوں، البتہ تمہارے مقابلے میں اللہ نے مجھ پر کچھ زیادہ ذمہ داریاں عائد کر دی ہیں۔''

عمر بن عبدالعزیز کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ظلم و جبر کی روایت کو ختم کیا۔ ظالم عہدیداروں کو برطرف کیا، بیت المال کو رعایا کی مملکت قرار دیا۔ شاہی خاندان کے لوگوں کی جاگیریں ختم کیں، سب سے پہلے اپنی ذاتی جاگیر واپس کی۔ عام لوگوں کی طرح شاہی خاندان کے وظیفے مقرر کیے، جس کے نتیجے میں لوگ ان کے دشمن ہوگئے۔ ان کی سیاست کی بنیاد زور و زبردستی کے بجائے عدل و انصاف پر قائم تھی۔ انصاف کے معاملے میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کسی طرح کے فرق کے قائل نہیں تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے معاشرتی خرابیوں کی بھی اصلاح کی۔ شراب نوشی، حمام میں ننگے نہانے اور حمام میں عورتوں کے جانے پر پابندی عائد کی۔ مردوں کو تہہ بند باندھ کر نہانے کا حکم دیا۔ غرض معاشرے میں جو غیر اسلامی اور غیر اخلاقی چیزیں تھیں، ان پر پابندی لگادی اور اسلامی اصول اپنانے پر زور دیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے علم کی اشاعت کی۔ طلبہ اور علمی خدمات انجام دینے والے علماء کے لیے وظیفہ مقرر کیا۔ حدیث کی اشاعت و حفاظت پر توجہ دی۔ قرآنِ مجید کی تفسیر لکھوائی، سیرت و مغازی کا مجموعہ تیار کرایا۔ فنِ طب سے متعلق ایک یونانی طبیب کی کتاب کا ترجمہ نقل کرا کے مختلف صوبوں میں بھیجا تاکہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔ 39 سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوگیا اور آپ کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوئے۔

5.3.7 یزید بن عبدالملک [یزید ثانی] (720-723)

عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد عنانِ حکومت یزید بن عبدالملک کے ہاتھ آئی۔ انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کے نقشِ قدم پر چلنے

کی کوشش کی، لیکن اس پر قائم نہ رہ سکے۔ انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کے عہد کے عمال کو ہٹا کر نئے عمال مقرر کیے۔ یزید بن مہلب کے پورے خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ کش اور نہف کے علاقوں پر فوج کشی کی۔ ان علاقوں میں باغیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ خزر کے خلاف مہم چلائی اور اس میں کامیابی حاصل ہوئی۔ خزر کی شکست سے ان کا بہت سامال مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ بعض مقامات پر خوارج نے سر اٹھایا، لیکن بہت جلد ان کی بغاوتوں کو فرو کر دیا گیا۔ یزید ثانی کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔

5.3.8 ہشام بن عبدالملک (723-742)

یزید ثانی کے انتقال کے بعد ہشام بن عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے بعد اموی حکومت میں پھر ایک بار استحکام پیدا ہوا۔ ہشام میں امیر معاویہ کی حکمت و تدبر اور عبدالملک کی اولوالعزمی جمع ہو گئی تھی۔ وہ پاک طینت، کفایت شعار اور بیدار مغز خلیفہ تھا۔ اس کے عہد میں خراسان، ترکستان، آرمینیا، آذر بائیجان اور شمالی افریقہ میں بغاوتوں نے سر اٹھایا اور زبردست لڑائیاں ہوئیں، لیکن سب کو کچل دیا گیا۔ تاتار قومیں مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئی تھیں۔ ہشام کی ہمت و تدبر نے ان سب پر قابو پا لیا۔ ہشام کے عہد میں بڑے بڑے انقلابات پیش آئے۔ ولید کے عہد میں اندلس کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے فرانس کی طرف پیش قدمی کی تھی اور بنو امیہ کے مختلف والیوں نے بھی اس کی کوشش کی، لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ہشام کے عہد میں مسلمان فتوحات حاصل کرتے ہوئے وسطی فرانس تک پہنچ گئے تھے۔

ہشام کے عہد میں ایشیائے کوچک میں روسیوں سے زبردست مقابلہ ہوا۔ اس مہم میں مسلم بن عبدالملک نے بڑے کارنامے انجام دیے۔ ہشام کے عہد میں اسلامی قلمرو کی توسیع ہوئی اور استحکام بھی ملا۔ مراکش کا انتہائی جنوبی حصہ سوس اقصیٰ بھی اسی عہد میں خلافتِ اسلامیہ میں داخل ہوا اور وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ہشام کے عہد میں سندھ کا گورنر جنید بہت قابل صوبیدار تھا۔ اس نے کشمیر تک تمام علاقہ فتح کر لیا۔ اس کے علاوہ اس نے ہندوستان میں مارواڑ، اجین، گجرات اور بھڑوچ تک سارا علاقہ فتح کر لیا۔ ہشام نے فوجی مہمات کے علاوہ اندرونی انتظامات پر نظر رکھی۔ اس نے نظم و نسق کو بہتر بنایا۔ ویران علاقوں کو آباد کیا۔ دفتری نظام کو بہتر بنانے کی کامیاب کوشش کی۔ نئی تعمیرات کا سلسلہ قائم کیا اور کئی نئے قلعے تعمیر کرائے۔ بحری بیڑے کو ترقی دینے کی غرض سے جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ مذہبی و علمی میدان میں اس کی اصلاحات بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ہشام نے غلط عقائد کی اشاعت کا دروازہ بند کر دیا۔ امام زہری سے حدیث کا مجموعہ تیار کرایا۔ ایرانیوں کے علوم و فنون اور سیاسی واقعات و حالات پر مشتمل کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ ہشام کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔

5.3.9 اموی عہد کے دیگر حکمراں

ولید بن یزید عبدالملک (ولید ثانی) ایک نااہل اور عیاش حکمراں تھا۔ وہ نماز کا پابند نہیں تھا۔ اس کی نااہلی کی وجہ سے عربوں میں قبائلی عصبیت نے زور پکڑ لیا اور بالآخر وہ چند ماہ کی حکومت کے بعد اسی عصبیت کا شکار ہو کر مارا گیا۔ ولید ثانی کا جانشین یزید بن ولید، یعنی یزید ثالث، تھا، جو ایک اچھا انسان تھا۔ اس نے خلافت کو اسلامی رنگ دینے کا عزم کیا، لیکن اس کی خلافت ابھی مستحکم نہیں ہوئی تھی کہ اس کے مقابلے میں دعوے دار کھڑے ہو گئے۔ چھ ماہ بعد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ یزید ثالث کا جانشین اس کا بھائی ابراہیم بن ولید ہوا۔ وہ بھی تین چار ماہ سے

زیادہ حکومت نہ کر سکا۔اس کے بعد مروان بن محمد، جو عبدالملک کا بھتیجا تھا، حکمراں بنا۔ یہ قابل، تجربہ کار اور بہادر انسان تھا، لیکن سلطنت کے اندرونی حالات خراب ہونے کے باعث حکمراں خاندان میں اختلافات پیدا ہو گئے اور عرب دو گروہوں میں بٹ گئے۔ آپسی اختلافات نے عباسی تحریک کو زور پکڑنے کا موقع دیا اور یہی تحریک اموی خلافت کے زوال کا سبب بنی۔

5.4 اموی خلافت کا زوال

اموی حکومت کا زوال اس کے قیام کے تقریباً ایک صدی بعد ہوا۔اس کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ اموی خلافت شخصی بادشاہت میں تبدیل ہو گئی تھی۔اس میں شخصی حکومت کی تمام برائیاں پیدا ہو گئی تھیں ۔اگرچہ امیر معاویہ نے اس حکومت کو جادۂ شرع پر قائم رکھنے کی کوشش کی تھی، لیکن ان کے جانشین اس روش کو قائم نہ رکھ سکے اور سلطنت انتشار و زوال کا شکار ہو گئی۔ زوال کے چند اسباب درج ذیل ہیں:

- پہلا سبب: اکثر ولی عہد نااہل تھے اور محض قانونِ وراثت کی بنا پر انہیں جانشین قرار دیا گیا تھا۔
- دوسرا سبب: امراء اور اراکینِ سلطنت کی ناقدردانی اور ان کے ساتھ خلفاء کی بدسلوکی تھی، حالانکہ انہی امراء اور اراکینِ سلطنت کی جانثاری اور اولوالعزمی کے بل بوتے پر اموی حکومت قائم تھی۔ موسیٰ بن نصیر جیسا فاتح، خلیفہ سلیمان کے عتاب کا شکار ہوا۔ یزید بن عبدالملک نے آلِ مہلب کا، جنہوں نے اموی حکومت کے لیے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی تھیں، خاتمہ کر دیا۔
- تیسرا سبب: مصری اور یمنی قبائل کا باہمی تعصب تھا۔ یہ دونوں قبائل زمانۂ جاہلیت میں بھی ایک دوسرے کے حریف رہ چکے تھے۔ یہ پرانی دشمنی مرورِ زمانہ سے ختم نہ ہو سکی بلکہ عہدِ اسلام میں بھی اموی خلفاء کے زمانے میں برابر جاری رہی۔ اموی خلفاء نے ان تعصبات کو ختم کرنے کی کوشش کی، لیکن اموی خلفاء کے آخری زمانے میں ایسے حالات پیش آئے کہ ان کی آپس کی خانہ جنگیاں بڑھتی ہی رہیں۔
- چوتھا سبب: زوال کا سب سے اہم اور چوتھا سبب خاندانِ بنو امیہ اور بنو ہاشم کے آپس کے اختلافات تھے۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم دو برابر کے حریف قبائل تھے۔ دورِ جاہلیت میں بنو امیہ کو قدرے فوقیت حاصل تھی، لیکن آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بنو ہاشم کا اثر زیادہ ہو گیا۔

بنو امیہ کے زوال کے اسباب کے بارے میں بعض مورخین کا کہنا ہے کہ حکومت پر عربوں کی مسلسل اجارہ داری نے عجمی مسلمانوں کو اس حکومت کا کافی مخالف بنا دیا تھا۔ چنانچہ ایرانی اور خراسانی نژاد باشندوں نے اموی خلافت کا تختہ الٹنے میں حریف گروہ کی کافی مدد کی۔ بنو امیہ کے زوال کی ایک اہم بنیادی وجہ یہ تھی کہ یہ سلطنت بہت وسیع ہو گئی تھی۔ سلطنت وسطی ایشیا سے لے کر پورے شمالی افریقہ اور اسپین تک پھیل گئی تھی، جس میں بے شمار قومیں آباد تھیں۔ ایسی حکومت اسی وقت باقی رہ سکتی ہے جب اس کا مرکز انتہائی مضبوط ہو، فرمانروا پوری مملکت کی آبادی کی ضروریات پوری کر سکے اور اعلیٰ نظم و نسق برقرار رکھ سکے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ایک کمزور سلطنت کی جگہ ایک طاقت ور حکومت وقت کا اہم تقاضا بن جاتی ہے۔ یہی صورتِ حال بنو امیہ کے ساتھ پیش آئی۔ اموی اقتدار مشرق میں زوال پذیر ہونے کے ساتھ ہی مغرب میں

ہسپانیہ میں اس کا عروج شروع ہوا۔ مشرق میں عباسیوں نے اموی خاندان کا قتلِ عام کیا۔ بعد میں اموی خلافت چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں، قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ وغیرہ میں تقسیم ہو گئی اور اس طرح اموی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

5.5 عہد بنوامیہ کی فتوحات، توسیع اور استحکام

بنوامیہ نے 661ء میں خلافت کا آغاز کیا اور اسلامی خلافت کو تین براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ (اندلس) تک پھیلایا۔ حضرت معاویہ نے 661ء میں اموی خلافت کا آغاز کیا اور سلطنت کو وسعت دینا شروع کیا۔ مہلب بن ابی صفرہ نے 665ء میں اور ان کے بعد عبداللہ بن سوار ازدی اور دوسرے متعدد سالاروں نے قلات، مکران، کش، قندھار وغیرہ کے علاقوں میں بہت سی فتوحات حاصل کیں اور ان میں سے کئی پر قبضہ کر لیا۔ ترکستان میں مہم چلائی گئی، یہاں فتوحات حاصل ہوئیں۔ والیِ خراسان عبیداللہ بن زیاد نے 674ء میں علاقۂ صغد پر حملہ کر کے رامنی اور بیکند پر فتح حاصل کی۔ 675ء میں اس کے جانشین سعید بن عثمان نے دریائے جیحون عبور کر کے بخارا پر قبضہ کیا۔ اس طرح مرو، بخارا اور سمرقند اسلام کے عظیم ترین دینی اور تمدنی مراکز بنے۔ 668ء میں حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کی قیادت میں ایک مہم بازنطینی حکومت قسطنطنیہ پر فتح کے لیے بری راستے سے چلائی۔ مسلم فوج نے طرطوس کے درے سے قسطنطنیہ کی فصیل تک چار سو کلو میٹر کے علاقہ کو پار کر کے قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ اگرچہ شہر فتح نہ ہو سکا، لیکن متعدد دوسرے علاقے فتح ہوئے۔ بعض مورخین کے مطابق امیر معاویہ نے بحری اور بری افواج پر مشتمل ایک دوسری مہم قسطنطنیہ کے خلاف بھیجی، جس میں بحری اسلامی لشکر نے سیزیا (Cyzicus) میں ایک فوجی چوکی قائم کر لی، جو موسم سرما میں بھی اسلامی لشکر کے صدر مقام کا کام دیتی تھی۔ یہ مہم سات سالہ مہم کے نام سے جانی جاتی ہے، جو 680ء تک برابر جاری رہی۔

شمالی افریقہ میں بھی فتوحات کا سلسلہ چلا۔ ان فتوحات کے ہیرو حضرت نافع بن عقبہ سہمی تھے۔ 663ء میں انہوں نے برقہ فتح کیا اور لیبیا کے بیشتر علاقوں کو فتح کرتے ہوئے تیونس پہنچے، جہاں انہوں نے قیروان شہر بسایا۔ ان کی فتوحات میں لواتہ، زناتہ، غدامش اور سوڈان کے بعض علاقے شامل تھے۔ دوسرے سالار معاویہ بن خدیج نے برزت فتح کیا اور 665ء میں تسوسہ اور جلولاء وغیرہ فتح کیے۔ بحر روم میں جو جزیرے فتح کیے گئے، ان میں 663ء میں روڈس اور 665ء میں ارواڈ شامل ہیں۔ برزت، تسوسہ اور جلولاء وغیرہ کی مہم میں کئی اکابر صحابہ، جیسے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر اور تابعین، جیسے عبدالملک وغیرہ شریک ہوئے۔ یزید بن معاویہ کے عہد (680-683) کے دوران، یعنی 680ء اور 681ء میں سمرقند و بخارا کے علاقوں میں کئی فتوحات ہوئیں۔ حضرت عقبہ بن نافع نے 681ء میں باغہ میں رومیوں اور بربروں کے ایک بڑے لشکر کو شکست دی اور رومی شہر ملیس پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ فزان پر حملہ ہوا، مگر یہاں کے سرداروں نے صلح کر لی۔ ودان، قفصہ، قسطلیلہ، زاب، تاہرت، سبقہ اور طنجہ کی فتوحات بھی ہوئیں۔ اس طرح اسلامی ریاست کی سرحدیں افریقہ کے آخری گوشے تک وسیع ہو گئیں۔ یزید بن معاویہ کی خلافت چار سال رہی۔ اس عرصے میں کوئی فتح و کامیابی مسلمانوں کو حاصل نہ ہو سکی۔

عبدالملک بن مروان (685-705) نے عراق میں عبداللہ بن الزبیر کے بھائی اور عراق کے والی حضرت مصعب کو شکست دی، پھر حجاج بن یوسف کو مکہ بھیجا تاکہ عبداللہ بن الزبیر کی حکومت ختم کر دے۔ حجاج نے حملہ کر کے عبداللہ بن الزبیر کی فوج کو شکست دی۔ اس کے بعد پوری دنیائے اسلام پر عبدالملک کی حکومت قائم ہو گئی۔ شمالی افریقہ میں بغاوت ہوتی رہتی تھی۔ عبدالملک نے اپنے لائق سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کے ذریعہ اس کو دوبارہ فتح کیا۔ وہاں اسلام کی تبلیغ کرائی، جس کے باعث پورا شمالی افریقہ مسلمان ہو گیا۔

ولید بن عبدالملک (705-715) کے عہد میں اسلامی ریاست کی حدود چین سے مغربی یورپ تک وسیع ہو گئی تھیں۔ ولید بن عبدالملک نے عراق اور اس کے ماتحت پورے مشرقی علاقے پر حجاج بن یوسف ثقفی کو برقرار رکھا۔ حجاج ثقفی نے 705ء میں یزید ازدی کو ہٹا کر ایک دوسرے یمنی سالار قتیبہ بن مسلم باہلی کو خراسان کے صوبے کا والی اور وسطی ایشیا کی فتوحات کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا۔ 705ء میں سب سے پہلے قتیبہ بن مسلم باہلی نے بلخ، طخارستان اور فرغانہ پر حملہ کر کے ان پر قبضہ کیا۔ 706ء میں دوسری مہم ماوراءالنہر کے تجارتی مرکز بیکند کے خلاف تھی اور قتیبہ نے دو ماہ مسلسل محاصرے کے بعد اسے فتح کر لیا۔ 707ء میں بخارا کے علاقے پر حملہ کر کے اس کے بعض اہم شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح اس نے سغد اور کش کے علاقوں پر پیش قدمی کی اور شاہِ بخارا کو پسپا کر دیا، مگر بخارا فتح نہ ہو سکا۔ دوبارہ مہم چلا کر 708ء میں بخارا کو فتح کر لیا گیا۔ 709ء میں قتیبہ نے طخارستان کے حکمراں نیزک کے خلاف مہم چلائی، جس میں نیزک اور اس کے سات سو سردار مارے گئے اور اس طرح طالقان، جوزجان، اوعام، وادیٔ فرغانہ، شومان، کش اور نسف وغیرہ کے شہر اور علاقے اسلامی حکومت میں شامل کر لیے گئے۔ 711ء میں خوارزم کے فرمانروا نے از خود صلح کر لی۔ بعد میں جب اس کا قتل ہو گیا تو اس کی سلطنت اسلامی ریاست کا ایک صوبہ بن گئی۔ 711ء میں قتیبہ نے اس علاقے کے اہم شہر اور قلعہ سمرقند اور اس کے ارد گرد کے علاقوں کو فتح کر لیا۔ 712-714ء کے عرصے میں قتیبہ نے چین کی سرحدوں پر حملہ کیا اور کاشغر فتح کرتے ہوئے متعدد سرحدی علاقوں کو روند ڈالا۔

711ء میں فتوحاتِ سندھ کا آغاز ہوا، جس کی باگ ڈور محمد بن قاسم نے سنبھالی۔ اس نے قزپور (بیچ گور) اور ارابیل (ارمن بیلہ) کی فتح کے بعد سندھ کے شہر دیبل کو فتح کر لیا۔ پھر شری ویدس کا علاقہ فتح کیا گیا۔ وہاں کے بدھ حاکموں نے بھی صلح کر لی۔ اس طرح پورا دریائے سندھ کا علاقہ قبضے میں آ گیا۔ محمد بن قاسم نے سیوستان کی طرف پیش قدمی کی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے محمد بن قاسم کو یہ ہدایت کی کہ وہ سندھ کے پایۂ تخت برہمن آباد پر حملہ کریں۔ محمد بن قاسم نے سخت محاصرے کے بعد اسے بھی فتح کر لیا۔ اس جنگ میں راجہ داہر خود بھی مارا گیا۔ پھر بہرور اور دھلیلا کے قلعوں کے علاوہ اور کئی علاقے فتح کیے گئے۔ یہ ساری فتوحات 713ء میں حاصل ہوئیں۔ ارور کے قلعے پر صلح کے ذریعے قبضہ کر کے بابیہ اور اسکلندہ پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد ملتان شہر پر حملہ کیا اور اس پر 715ء میں قبضہ کر لیا۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک نے رومی سرحد کی نگرانی اور اس پر محاذ آرائی کے لیے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو مقرر کیا۔ وہ آرمینیا اور ایشیائے کوچک کے علاقوں پر سالانہ حملہ کرتا رہا۔ 707ء میں مسلمہ نے بازنطینی علاقوں پر حملہ کر کے کافی کامیابی حاصل کی اور کئی علاقوں اور شہروں پر قبضہ کیا، جن میں طوانہ، قلعہ عمودیہ اور اردلیہ وغیرہ اہم تھے۔ 708ء میں مسلمہ نے شام کے علاقے کے پانچ قلعے پہلے ہی فتح کر

لیے تھے۔ عباس اموی نے باب اور ارزن کے کئی علاقوں پر قبضہ جمایا۔ 712ء میں عباس نے طرسوس اور 713ء میں انطاکیہ فتح کیا۔ یہ دونوں بہت اہم فتوحات تھیں، کیونکہ یہ بحرِ روم کے ساحلی علاقے تھے اور فوجی و تجارتی لحاظ سے بہت اہم تھے۔ ولید بن عبدالملک کے عہد میں کئی بحری لڑائیاں ہوئیں اور مسلمانوں نے مغربی بحیرۂ روم میں جزائر بلیارک پر قبضہ کر لیا۔ ان فتوحات کی وجہ سے ولید کے عہد میں اسلامی حکومت کی وسعت عروج پر پہنچ گئی۔ کاشغر سے بحرِ اوقیانوس تک سلطنت کی لمبائی پانچ ہزار میل تھی۔

ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔ اس نے صرف ڈھائی سال حکومت کی۔ اس کے عہد میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ محاصرہ خشکی اور سمندر دونوں راستوں سے کیا گیا تھا۔ اس مہم کا قائد سلیمان کا بھائی مسلمہ بن عبدالملک تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوا۔ مسلمہ ہر شکل میں قسطنطنیہ فتح کرنا چاہتا تھا، لیکن بھائی سلیمان کے انتقال ہو جانے کے باعث یہ مہم انجام تک نہ پہنچ سکی، کیونکہ نئے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے فوجوں کو واپس بلا لیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے فتوحات کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ صرف اندلس اور سندھ کے بعض علاقے ان کے زمانے میں فتح ہوئے۔ یزید بن عبدالملک کے عہد (720-724) میں بعض فتوحات ہوئیں۔ بازنطینی ریاست کے خلاف معمول کے مطابق مہمات جاری رہیں۔ 722ء میں عباس بن ولید اموی نے ولسہ کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ 724ء میں مروان بن محمد اموی نے قونیہ کا مشہور شہر فتح کیا۔ افریقہ میں صورتِ حال روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ اندلس میں عرب اور بربر کی خانہ جنگی نے ملکی استحکام کو بہت نقصان پہنچایا۔

ہشام بن عبدالملک خاندانِ بنو امیہ کا بڑا حکمراں تھا، جس نے بیس سال حکومت کی۔ اس کے عہد میں شام میں رصافہ اور سندھ میں منصورہ اور محفوظ کے شہر آباد ہوئے۔ اس کے زمانے میں خراسان، ترکستان، آرمینیا، آذربائیجان اور شمالی افریقہ میں سخت قسم کی بغاوتیں اور لڑائیاں ہوئیں، لیکن ان شورشوں کو کامیابی کے ساتھ فرو کر دیا گیا۔ خراسان اور ترکستان کی لڑائیوں میں وہاں کے حاکم نصر بن سیار، جو انتظامی لحاظ سے غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے، بہت نام پیدا کیا۔ آرمینیا اور آذربائیجان پر غیر مسلم ترکوں کی ایک شاخ خزر، جو جنوبی روس پر حکمراں تھی، مسلسل حملے کرتی رہی، لیکن ان تمام حملوں کو پسپا کر دیا گیا اور اموی شہزادہ مروان بن عبدالملک داغستان سے گزرتا ہوا خزر کے دارالحکومت بلنجر تک پہنچ گیا۔ ان حملوں کی وجہ سے خزر مملکت کا دارالحکومت کئی سو میل شمال میں والگا کے کنارے آتل کے مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

ایشیائے کوچک میں رومیوں کے ساتھ سخت لڑائیاں ہوئیں۔ ان لڑائیوں میں اموی شہزادے مسلمہ بن عبدالملک نے بڑے کارنامے انجام دیے۔ شمالی افریقہ میں بربر نو مسلموں نے حکومت کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے کئی بار سخت بغاوتیں کیں، لیکن مرکزی حکومت نے ان کو دبا دیا اور خلافتِ دمشق کا لشکر پہلی مرتبہ مراکش کے جنوب میں صحرائے اعظم کو پار کر کے اس علاقے میں داخل ہو گیا، جو آج کل سینیگال اور مالی کہلاتا ہے۔ مراکش کا انتہائی جنوبی حصہ سوسِ اقصیٰ بھی اسی زمانے میں مملکتِ اسلامیہ میں داخل ہوا اور وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کیا۔ مالی اور سینیگال، جو پہلے سوڈان کے نام سے جانے جاتے تھے، یہاں سے سونا اور بہت سامالِ غنیمت ملا، جس سے مالی فائدہ ہوا۔

ہشام کے زمانے میں سندھ میں اسلامی قوت کو مزید استحکام حاصل ہوا۔ سندھ کا گورنر جنید بڑا قابل صوبہ دار تھا۔ اس نے کشمیر تک تقریباً وہ تمام علاقہ فتح کر لیا جو اب مغربی پاکستان کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ہندوستان میں مارواڑ، اجین، گجرات اور بھڑوچ تک سارا علاقہ فتح کر لیا۔ ہشام کے عہد کی فوجی مہمات میں سب سے اہم اندلس کے والی عبدالرحمان کا فرانس پر حملہ ہے۔ یہ کوہِ پرنیز کو عبور کر کے فرانس میں داخل ہوا اور جنوبی فرانس کو فتح کرتا ہوا دریائے لوئر کے کنارے ٹورس تک پہنچ گیا۔ یہاں مسلمانوں کا یورپ کی متحدہ فوجوں سے مقابلہ ہوا۔ دو دن سخت لڑائی ہوئی۔ دوسرے دن امیر عبدالرحمان شہید ہو گیا۔ اس کی شہادت سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے مسلمان فوجیں میدانِ جنگ سے واپس ہو گئیں اور اس طرح یہ معرکہ ختم ہو گیا۔

اموی عہد فتوحات، استحکام، خلافت، تمدنی ترقی اور دینی تشخص کا زمانہ ہے۔ اس عہد میں اسلامی ریاست نے عروج و استحکام کی منازل طے کیں۔ حضرت معاویہ اور عبدالملک دونوں اموی خلفاء کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بعد کے تمام اموی اور عباسی خلفاء ان دونوں کو اپنا اسوہ اور آدرش سمجھا کرتے تھے۔

5.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

661ء میں اموی حکومت کا قیام عمل میں آیا، جو تقریباً 90 سال تک چلتی رہی۔ اموی حکومت میں کل چودہ خلیفہ ہوئے، جن میں تین امیر معاویہ کے خاندان کے تھے اور باقی مروان کے خاندان کے تھے۔ بنو امیہ کے عہد میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔ اس عہد میں مشرق میں سندھ، چین اور ترکستان تک، شمال میں بحرِ خزر، آذر بائیجان اور بلادِ روم تک، اور مغرب میں اندلس تک اموی خلافت کا دائرہ وسیع ہوا۔ عبدالملک اور ولید بن عبدالملک کے عہد میں زیادہ فتوحات ہوئیں۔ قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور مسلمہ بن عبدالملک جیسے نامور سپہ سالاروں نے مسلسل فتوحات حاصل کر کے سلطنت کو وسیع کرنے میں ولید کی بہت زیادہ مدد کی۔ سلطنت کی حدود چین سے لے کر یورپ تک پھیل گئی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز بہت عدل پسند، صالح اور سعید تھے۔ انہوں نے رعایا کی جان و مال کی حفاظت کا انتظام کیا اور بیت المال کی حفاظت کا سختی سے انتظام کیا۔ انہوں نے سلطنت کی حدود کی توسیع کے بجائے اسلام کی توسیع و اشاعت کی کوشش کی۔ ہشام بن عبدالملک نے بیس سال حکومت کی۔ اس کے عہد میں شام میں رصافہ اور سندھ میں منصورہ اور محفوظ کے شہر آباد ہوئے۔ اس کے عہد میں خراسان، ترکستان، آرمینیا، آذر بائیجان اور شمالی افریقہ میں سخت قسم کی بغاوتیں ہوئیں، لیکن ان سب کو کچل دیا گیا۔ ہشام کے عہد میں سندھ میں اسلامی قوت کو استحکام ملا۔ ہشام کے عہد کی فوجی مہمات میں سب سے اہم اندلس کے والی عبدالرحمن کا فرانس پر حملہ ہے۔ بنو امیہ نے اپنی فتوحات کے ذریعے سلطنت کو وسعت دی اور استحکام بخشا۔

5.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

استبداد : ظلم و جور سے حکومت کرنا، دباؤ، زبردستی، خود مختاری

فسخ : ختم کرنا، توڑنا، رد کرنا، کالعدم قرار دینا

فرو : رفع کرنا، ختم کرنا، دور کرنا

جادہ : راستہ، رسم ورواج

خوارج : ہر وہ شخص جو امام کے خلاف خروج کرے۔ اسلام میں پہلا مذہبی فرقہ جس نے شعائر سے ہٹ کر اپنا الگ گروہ بنایا۔

5.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

5.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. اموی خلافت کا بانی کون تھا جس نے دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنایا؟

(الف) مروان بن حکم (ب) عبدالملک بن مروان (ج) حضرت امیر معاویہؓ (د) یزید بن معاویہ

2. کس اموی خلیفہ کو اموی خلافت کا حقیقی بانی سمجھا جاتا ہے جس نے عربی کو سرکاری زبان قرار دیا اور پہلا اسلامی سکہ رائج کیا؟

(الف) سلیمان بن عبدالملک (ب) عبدالملک بن مروان (ج) ولید بن عبدالملک (د) ہشام بن عبدالملک

3. طارق بن زیاد نے اندلس (اسپین) اور محمد بن قاسم نے سندھ کس اموی خلیفہ کے عہد میں فتح کیا؟

(الف) عبدالملک بن مروان (ب) ولید بن عبدالملک (ج) عمر بن عبدالعزیز (د) سلیمان بن عبدالملک

4. کس اموی خلیفہ کو ان کی انصاف پسندی اور سادگی کی وجہ سے 'خلفائے راشدین' کا تسلسل مانا جاتا ہے؟

(الف) یزید بن عبدالملک (ب) مروان ثانی (ج) ہشام بن عبدالملک (د) عمر بن عبدالعزیز

5. فرانس کے وسط تک پیش قدمی کرنے والی مسلم فوج کا معرکہ ٹورس (بلاط الشہداء) کس اموی خلیفہ کے دور میں پیش آیا؟

(الف) ولید بن عبدالملک (ب) سلیمان بن عبدالملک (ج) ہشام بن عبدالملک (د) یزید ثانی

5.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. حضرت امیر معاویہ کے حالات زندگی لکھئے۔
2. ولید بن عبدالملک کے عہد کی فتوحات کو مختصراً لکھیں۔
3. سلیمان بن عبدالملک کی خلافت پر مختصر نوٹ لکھیں۔
4. ہشام کے عہد کی فوجی مہمات کا جائزہ پیش کریں۔

5.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. اموی حکومت میں فتوحات کا جائزہ لیں۔

2. حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت پر روشنی ڈالیں۔
3. اموی حکومت کے زوال کے اسباب پر گفتگو کریں۔

جوابات

1. (ج) حضرت امیر معاویہؓ
2. (ب) عبدالملک بن مروان
3. (ب) ولید بن عبدالملک
4. (د) عمر بن عبدالعزیز
5. (ج) ہشام بن عبدالملک

اکائی 6۔عباسی خلافت: توسیع واستحکام

(The Abbasid State: Expansion and Consolidation)

اکائی کے اجزا

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 عباسی خلافت

6.3 عباسی خلفاءاوران کے کارنامے

6.3.1 ابوالعباس عبداللہ السفاح

6.3.2 ابو جعفر منصور

6.3.3 مہدی

6.3.4 ہادی

6.3.5 ہارون رشید

6.3.6 امین

6.3.7 مامون رشید

6.4.8 معتصم باللہ

6.3.9 واثق باللہ

6.3.10 جعفر المتوکل

6.4 عباسی خلافت کے دور آخر کے خلفاء

6.5 اکتسابی نتائج

6.6 کلیدی الفاظ

6.7 نمونہ امتحانی سوالات

6.0 تمہید (Introduction)

بنوامیہ کے آخری حکمراں مروان بن محمد کے قتل کے بعد 132ھ/750ء میں خلافتِ بنوامیہ کا خاتمہ ہوااور بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی، جس کا پہلا خلیفہ ابوالعباس عبداللہ السفاح کو بنایا گیا۔ عباسی خلافت تقریباً پانچ سو برس تک قائم رہی۔ اس دور میں اسلامی ریاست نے سیاسی، انتظامی، علمی اور تہذیبی میدانوں میں نمایاں ترقی کی۔ عباسی خلافت کو عروج و ترقی اور زوال کے لحاظ سے دو عہدوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ عروج و ترقی کا دور: ابوالعباس عبداللہ بن محمد السفاح سے، یعنی 750ء سے معتصم باللہ کے عہد (833) تک۔ دوسرا دور، جسے زوال کا عہد کہا جاتا ہے، واثق باللہ کے عہد سے شروع ہو کر عباسی خلافت کے زوال وانحطاط تک پھیلا ہوا ہے۔

عباسی خلفاء میں سب سے زیادہ شہرت ہارون رشید کو حاصل ہوئی۔ اس کا دورِ خلافت، عباسی حکومت کا عہدِ زرّیں کہلاتا ہے۔ تمدن و ثقافت، علم وادب اور اقتصادی خوشحالی کے اعتبار سے ہارون رشید کا دور اسلامی تاریخ کا ایک نمایاں باب ہے۔ ہارون رشید کے بعد مامون الرشید خلیفہ ہوا۔ اس نے بھی ہارون رشید کی طرح سلطنت کی ترقی کے لیے کام کیا۔ وہ انصاف پسند تھا اور اس کی انصاف پسندی کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ وہ اپنی سلطنت کی ہر چیز اور ہر کام سے واقف رہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے سارے ملک میں پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے۔ علوم وفنون کی ترقی، اہلِ علم کی سرپرستی اور علمی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے مامون رشید کی کوششیں تاریخ کا زرّیں باب ہیں۔ مامون رشید کا 48 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ اس نے تقریباً بیس سال حکومت کی۔ مامون کے بعد معتصم باللہ تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں فوجی طاقت میں اضافہ ہوااور اس نے ترکوں کی ایک منظم فوج تیار کی، جس سے عباسی فوجی نظام مزید مضبوط ہوا۔ اس کے عہد کا سب سے مشہور واقعہ روم پر حملہ ہے۔ معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ اور اس کے بعد متوکل باللہ تختِ خلافت پر بیٹھے۔ متوکل کے عہد میں خوشحالی عام تھی اور اشیائے ضروریہ نسبتاً سستی ملتی تھیں۔ متوکل عباسی خلافت کے عہدِ عروج کا آخری طاقت ور حکمراں تھا۔ اس کے بعد مرکزی حکومت کمزور ہوتی گئی، عباسی خلافت کا زوال شروع ہو گیا اور رفتہ رفتہ عباسیوں کی وسیع و عریض سلطنت کی حدود سکڑتی چلی گئیں۔

6.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- عباسی خلافت کے قیام، اس کے پس منظر اور ابتدائی خلفاء کے حالات سے واقف ہو جائیں گے۔
- عباسی خلافت کے عروج وزوال کے اسباب اور اس کی اہم سیاسی وانتظامی خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔
- ہارون رشید، مامون رشید، معتصم باللہ اور دیگر اہم عباسی خلفاء کی خدمات کا جائزہ لے سکیں گے۔
- عباسی دور میں علم، تہذیب، ثقافت اور انتظامی نظام کی ترقی میں خلفاء کے کردار کو سمجھ سکیں گے۔
- عباسی خلافت کے اہم تاریخی واقعات اور اس دور کو **عہدِ زرّیں** کہے جانے کی وجوہات سے واقف ہو جائیں گے۔

6.2 عباسی خلافت

عباسی خلافت قائم کرنے کی کوشش اموی دورِ حکومت ہی سے شروع ہو چکی تھی، جو رفتہ رفتہ اپنا کام کرتی رہی اور جب بنو امیہ کا زوال ہوا تو بنو عباس نے عباسی خلافت قائم کر دی۔ یہ تحریک ابتدا میں خفیہ طور پر مختلف علاقوں، خصوصاً خراسان میں منظم کی گئی، جہاں اسے عوام کی نمایاں حمایت حاصل ہوئی۔ خلافت کے اصل دعویدار تو اہلِ بیت، یعنی حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی نسل سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے، لیکن اہلِ بیت کے امام ابو ہاشم عبداللہ جب سخت بیمار ہوئے اور ان کی جانشینی کا مسئلہ پیش آیا تو اس وقت ان کے خاندان کا کوئی فردان کے پاس موجود نہ تھا، بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی موجود تھے۔ امام ابو ہاشم نے انہی کو امامت کے منصب پر فائز کر دیا۔ اس طرح یہ امامت علویوں سے عباسیوں میں منتقل ہو گئی۔ پھر ابو مسلم خراسانی اس تحریک سے وابستہ ہوئے، جو زبردست انتظامی صلاحیت کے مالک تھے۔ انہوں نے دعوتِ عباسیہ کو منظم کیا اور مختلف گروہوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے بنو امیہ کو جڑ سے ختم کرنے کی حتی الامکان کوشش کی اور ایک وقت ایسا آیا جب بنو امیہ کے آخری حکمراں کا قتل ہوا اور عباسی خلافت کا قیام عمل میں آیا۔ عباسی حکومت تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہی، جس کے پہلے خلیفہ ابو العباس عبداللہ السفاح تھے۔ عباسی دور اسلامی تاریخ کا ایک اہم عہد شمار کیا جاتا ہے، جس میں سیاسی استحکام کے ساتھ علم، تہذیب، ثقافت اور تمدن نے بھی نمایاں ترقی کی۔

6.3 عباسی خلفاء اور ان کے کارنامے

6.3.1 ابو العباس عبداللہ السفاح (750-54)

ابو العباس سفاح بنو امیہ کی حکومت کے خاتمے کے بعد تختِ خلافت پر بیٹھا۔ مروان کے قتل کے بعد اس کی خلافت کا آغاز ہوا۔ عراق سے وہ انبار چلا گیا اور وہاں ہاشمیہ کے نام سے ایک نیا شہر آباد کر کے اسے اپنا پایۂ تخت بنایا۔ ابتدائی دور میں اس کی سب سے بڑی ذمہ داری نئی حکومت کو مستحکم کرنا اور مختلف علاقوں میں عباسی اقتدار کو مضبوط بنانا تھی۔ ابو العباس سفاح نے بنی عباس ہی میں سے زیادہ تر وزراء اور امراء مقرر کیے۔ اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو آذربائیجان اور آرمینیا کا والی مقرر کیا۔ چچا داؤد کو مدینہ منورہ، مکہ اور یمن کی سربراہی سونپی۔ ایک بھتیجے کو کوفہ اور دوسرے کو شام دیا۔ فارس کا امیر اپنے ایک بھائی کو بنایا۔ مصر کا والی ابو عون کو نامزد کیا اور خراسان کی باگ ڈور ابو مسلم کے ہاتھ میں رہنے دی، جو پہلے سے وہاں کے گورنر تھے۔ سفاح نے پہلے ابو سلمہ بن سلیمان کو اپنا وزیر بنایا، پھر خالد بن برمک کو اس عہدے پر مامور کیا۔
اس کا زمانہ زیادہ تر فتنوں کے استیصال اور نئی حکومت کو استوار کرنے میں گزرا۔ بنی امیہ نے اپنے طویل عہدِ حکومت میں جو کچھ کیا تھا، سفاح اس کا انتقام جلد از جلد لینا چاہتا تھا۔ اس نے سینکڑوں امویوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ بنو امیہ کی قبریں اکھاڑ کر ان کی ہڈیاں پھینکوا دیں۔ اس سفاکی اور خونریزی کی بنا پر وہ "سفاح "یعنی خون ریز کہلایا۔ ابو العباس نے سلیمان بن کثیر خزاعی کو بھی قتل کرا دیا۔ اس کے باوجود اس نے ریاستی نظم و نسق کو منظم کرنے اور عباسی اقتدار کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ سفاح کے عہد میں آرمینیا اور سندھ کی بغاوت ہوئی، جسے اس نے کچل دیا، اور سندھ میں بعض نئی فتوحات بھی اسی کے عہد میں ہوئیں۔

سفاح کے عہد میں کئی فوجی مہمات بھی چلائی گئیں۔750ء میں خالد بن ابراہیم نے ختن پر حملہ کیا، جہاں کا فرمانروا معمولی سی مدافعت کے بعد چین کی طرف نکل گیا۔اسی سال فرغانہ اور چاچ کے حکمرانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ابو مسلم کو اس اختلاف کی خبر ہوئی تو اس نے زیاد بن صالح کو روانہ کیا۔زیاد نے ان دونوں کو شکست دی۔ 751ء میں خالد بن ابراہیم نے کش پر فوج کشی کر کے وہاں کے فرمانروا کو قتل کر دیا اور بہت سامالِ غنیمت حاصل کیا۔753ء میں سفاح نے اپنے بھائی ابو جعفر منصور اور اس کے بعد اپنے چچازاد بھائی عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد مقرر کیا۔اسی سال سفاح کا انتقال ہو گیا۔ مختصر مدتِ خلافت کے باوجود اس نے عباسی اقتدار کو مستحکم کیا اور عباسی تحریک کو ایک منظم سلطنت کی شکل دی۔سفاح کو اپنے عہدِ خلافت میں تین طرح کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا: (1) سابق حکمراں خاندان بنو امیہ کے افراد اور حامیوں کی بغاوتیں۔ (2) علوی خاندان کے حامیوں کی بغاوتیں۔ (3) قسمت آزما حاکموں اور غاصبوں کی بغاوتیں۔ان بغاوتوں پر قابو پانا نئی عباسی حکومت کے استحکام کے لیے نہایت ضروری تھا۔سفاح کے عہد کا ایک اہم واقعہ جنگِ تالاس ہے۔ یہ جنگ ترکستان کی مشرقی سرحد پر عربوں اور چینیوں کے درمیان 751ء میں ہوئی تھی۔ چینیوں نے ترکستان پر قبضہ کرنے کی آخری بار کوشش کی، لیکن تالاس کی جنگ میں شکست کھانے کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے ترکستان سے دست بردار ہو گئے۔ عربوں کی فتح نے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ ان علاقوں کی آئندہ تہذیب اسلامی ہی رہے گی۔اس جنگ کے بعد وسط ایشیا میں اسلامی اثر ورسوخ مزید مضبوط ہوا۔

سفاح ایک اچھا مدبر، منتظم اور سیاست دان تھا۔اس کے ساتھ ساتھ وہ اوصافِ حمیدہ کا بھی مالک تھا۔اس میں حلم و کرم اور علم و فضل نمایاں تھے۔اسے شعر و ادب سے بھی خصوصی دلچسپی تھی۔اس نے اپنے پورے دورِ خلافت میں وزارت کا ایک نیا عہدہ قائم کیا اور اس پر ابو سلمہ کو مقرر کیا۔عباسی دور میں یہ عہدہ نہایت اہم سمجھا جاتا تھا، کیونکہ سلطنت کے بیشتر انتظامی امور وزیر انجام دیتا تھا، جبکہ خلیفہ ریاست کی عمومی نگرانی کرتا تھا۔یہی انتظامی نظام بعد کے عباسی خلفاء کے دور میں مزید منظم اور مؤثر صورت اختیار کر گیا۔

6.4.2 ابو جعفر منصور (754-75)

ابوالعباس عبداللہ السفاح کے بعد ابو جعفر منصور خلیفہ ہوئے۔ یہ عباسیوں میں اہم اور مشہور خلیفہ تھے۔انہوں نے ۲۲ سال حکومت کی اور خلافت عباسیہ کی جڑوں کو مضبوط کیا۔یہ قابل حکمراں تھا۔ مخالفوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے اور عام رعایا کے لئے وہ عادل بادشاہ تھے۔ وہ اپنا تمام وقت سلطنت کے کاموں پر صرف کرتے تھے۔انہوں نے حکم دے رکھا تھا کہ جس کو کسی حاکم سے تکلیف پہنچے وہ بلا روک ٹوک اس سے شکایت کر سکتے ہیں۔ منصور کا بڑا کارنامہ بغداد کی بنیاد ہے۔ منصور نے دریائے دجلہ کے کنارے جس شہر کو آباد کیا وہ بغداد کے نام سے مشہور ہوا۔یہی عباسیوں کا دارالخلافہ تھا۔ منصور کے زمانہ میں عباسیوں کی حکومت اندلس کو چھوڑ کر ان تمام علاقوں میں قائم ہو گئی جو بنو امیہ کے قبضے میں تھے۔ منصور کے عہد کا ایک اہم واقعہ ابو مسلم خراسانی کا قتل ہے۔عباسیوں کی حکومت قائم کرانے میں ابو مسلم خراسانی کا بہت بڑا حصہ تھا لیکن منصور نے جب دیکھا کہ ابو مسلم خراسانی کا اثر بڑھ رہا ہے اور اس کی ہمدردیاں عباسیوں سے زیادہ حضرت علیؓ کی اولاد کے ساتھ ہیں تو اس نے ابو مسلم کو دھوکا دے کر قتل کرا دیا۔ منصور کے عہد میں کئی بغاوتیں بھی ہوئیں اور حضرت علیؓ کی اولاد کی طرف سے خلافت حاصل کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں لیکن منصور نے ان تمام بغاوتوں کو دبا دیا۔ منصور کے زمانے میں رومیوں سے دوبارہ

لڑائیاں شروع ہوئیں۔ جن میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور منصور نے قیصر روم کو جزیہ دینے پر مجبور کر دیا۔

منصور کا دور حکومت علمی ترقی کے لحاظ سے بھی بہت ممتاز ہے۔ اس دور میں تصنیف و تالیف کا کام باقاعدگی سے شروع ہو گیا۔ اس کے دربار میں ہر علم و فن کے ماہر اور عالم جمع رہتے تھے اور وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے سریانی، یونانی، فارسی اور سنسکرت میں لکھی ہوئی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرایا۔ یہ کتابیں عام طور پر ریاضی، طب، فلسفہ اور علم ہیئت سے متعلق تھیں۔ یہ وہ علوم تھے جن سے عربوں اور مسلمانوں کو واقفیت نہیں تھی۔ مسلمانوں نے منصور کے عہد میں علمی ترقی کی طرف ایک اہم قدم بڑھایا۔ منصور کے عہد میں حکومت نے علم وادب کی بڑے پیمانے پر سرپرستی کی اس کے علاوہ علم وادب کے میدان میں علماء نے آزادرہ کر بہت سے علمی کارنامے انجام دئے۔ جیسے امام مالکؒ نے احادیث کی مشہور کتاب ''موطا'' اسی عہد میں لکھی۔ امام ابو حنیفہؒ نے فقہ اسلامی کو اسی دور میں تحریری صورت میں مرتب کیا اور اسی عہد میں ابن اسحاق نے آنحضرت صلعم کی پہلی مکمل سوانح عمری لکھی۔ بائیس سال تین ماہ اور چند دن حکومت کر کے منصور نے اکتوبر 775ء میں وفات پائی۔ بلاشبہ منصور عباسی خلافت کے عظیم اور قابل خلیفہ تھے۔ وہ سادہ زندگی گزارتے تھے، معمولی کپڑوں میں رہتے تھے۔ حکومت و خلافت کے معاملات پر ہر وقت غور و خوض کرتے رہتے۔ وہ پابند شریعت بھی تھے اور عدل و انصاف سے کام لیتے تھے مگر بغاوت و سرکشی کسی حال میں برداشت نہ کرتے۔ منصور نے مضبوط مرکزی حکومت قائم کر کے عباسی خلافت کو استحکام بخشا۔ بغداد کی تعمیر، علمی سرپرستی اور مؤثر انتظامی اصلاحات کی بدولت اس کے دور کو عباسی ریاست کی مضبوط بنیادوں کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ بعد کے عباسی خلفاء نے بھی انہی مضبوط بنیادوں پر اپنی حکومت کو آگے بڑھایا۔

6.4.3 مہدی (775-785)

خلیفہ ابو جعفر منصور کی وفات کے بعد ان کے ولی عہد اول اور فرزند اکبر تخت خلافت پر بیٹھے۔ ان کا نام محمد بن عبداللہ تھا مگر بطور خلیفہ انہوں نے ''المہدی'' لقب اختیار کیا اور اسی سے مشہور ہوئے۔ جب وہ خلیفہ ہوئے تو ان کی عمر ۳۳ سال تھی۔ خلیفہ مہدی نرم اور فیاض تھے۔ ان کے اندر عفو و رحم و سخاوت کے علاوہ دوسرے اعلیٰ اوصاف بھی تھے۔ وہ علم و فضل میں ممتاز تھے اور علماء و فقہاء کی قدر کرتے تھے۔ مورخین اور علماء نے محمد المہدی کی خلافت کے دوران امن و امان اور علم و فضل کے پروان چڑھنے کی تعریف کی ہے۔ انہوں نے خلیفہ بنتے ہی تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا۔ انہوں نے لوگوں کی ضبط کردہ زمینیں اور جائدادیں واپس کر دیں جس کا اچھا اثر پڑا۔ خلیفہ المہدی کے عہد 777ء میں خراسان کے ایک شخص یوسف نے بغاوت کر دی۔ اس کو گرفتار کر کے سخت سزا دی گئی۔ 781ء میں مصر کے علاقہ ''الجوف'' کے باشندوں نے علم بغاوت بلند کر دیا اور عباسی گورنر موسیٰ بن مصعب کو قتل کر دیا۔ نئے گورنر فضل بن صالح نے ان کی بغاوت کو کچل کر امن و امان قائم کیا۔ 781ء میں ہی خلیفہ المہدی نے اسلامی ریاست کے ماتحت باجگزار حکمرانوں خصوصاً سرحدی علاقوں کے حاکموں سے صلح کر کے معاہدے کیے۔ ان میں کابل، طبرستان، سغد، طخارستان، بامیان، فرغانہ، سندھ اور وسط ایشیاء کے دوسرے کئی حکمراں شامل تھے۔

مہدی کے زمانہ میں مقنع (نقاب پوش) نامی ایک شخص کا فتنہ اٹھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا مہدی نے اس فتنہ کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا۔

اس کے عہد میں رومیوں سے بھی جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو کامیابی ملی اور رومیوں کو خراج دینے کا وعدہ کرنا پڑا اس جنگ کی قیادت مہدی کے لڑکے ہارون رشید کے نام تھی جو بعد میں خلیفہ بنا۔ خلیفہ المہدی نے اپنے عہد میں تین وزیروں کو مقرر کیا (1) پہلا وزیر ابو عبیداللہ معاویہ بن یسار تھا جو اشعری غلام تھا لیکن بہت قابل شخص تھا۔ (2) دوسرا وزیر ابو عبداللہ بن داؤد تھا وہ طبقۂ موالی سے تھا۔ (3) تیسرا وزیر فیض بن ابی صالح نیشاپوری تھا۔ وہ بہت سخی اور فیاض تھا۔ وہ خلیفہ المہدی کی وفات تک وزیر رہا۔

خلیفہ المہدی کے حکم سے مکہ، مدینہ، یمن، بغداد اور دوسرے بڑے بڑے شہروں کے درمیان اونٹ اور خچروں کی ڈاک قائم کی گئی اور پوری مملکت میں کوڑھیوں کی دیکھ بھال کا سرکاری طور پر انتظام کیا گیا۔ مہدی نے خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں توسیع بھی کرائی۔ اس نے مکہ کے راستے میں سرائیں بنوائیں، کنویں کھدوائے، نادار قیدیوں کے اہل و عیال کے لئے وظائف جاری کئے۔ مہدی عقائد کا پختہ اور مذہب کے معاملہ میں متشدد تھا۔ اس نے ملحدوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرایا اور ان کی کتابوں کو جلایا۔ اس نے الحاد و زندقہ کے تدارک کے لئے حکماء کو مناظرانہ کتابوں کی تالیف کا حکم دیا۔ جس سے علم کلام کی بنیاد پڑی۔ المہدی کے دور میں داخلی امن، عوامی فلاح، مذہبی سرگرمیوں اور سرحدی علاقوں کے انتظام پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اگرچہ اس کے عہد میں چند بغاوتیں بھی ہوئیں، لیکن وہ مجموعی طور پر سلطنت میں استحکام برقرار رکھنے میں کامیاب رہا۔ خلیفہ المہدی کی وفات جولائی 785ء میں ہوئی۔ اس کے بعد خلافت موسیٰ الہادی کو ملی۔

6.4.4 موسیٰ الہادی (785-786)

چوتھے خلیفہ الہادی کا عہد حکومت بہت مختصر رہا۔ ان کے عہد میں علوی خاندان کے ایک فرد حسین بن علوی نے مدینہ میں خروج کر دیا۔ اس میں کوفہ کے شیعوں کا ہاتھ تھا۔ حسین بن علوی نے مدینہ کے گورنر عمرو بن عبدالعزیز فاروقی کو شکست دی اور بیت المال لوٹ لیا۔ مدینہ کے بعد وہ مکہ گئے لیکن چند غلاموں کے علاوہ مکہ میں کسی نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ آخر کار فتح نامی مقام پر عباسی سالاروں محمد بن سلیمان اور سلیمان بن منصور نے ان کو ہرا کر قتل کر دیا۔ الہادی کے دو وزیر ہوئے۔ پہلا وزیر ربیع بن یونس تھا۔ دوسرا ابراہیم بن ذکوان حرانی تھا۔ رعایہ پروری میں وہ مہدی کے نقش قدم پر تھا۔ اس نے رعایا کی بھلائی کے کام کئے۔ اس نے اپنے وزیر کو یہ حکم دیا کہ کسی شخص کو میرے پاس آنے سے نہ روکو۔ اس سے برکت جاتی رہتی ہے اور میرے سامنے کوئی ایسا معاملہ نہ پیش کرو جو تحقیقات کے بعد غلط نکلے کیونکہ یہ رعایا اور حکمراں دونوں کے خلاف ہے۔ ہادی بہت دنوں تک زندہ نہیں رہا۔ کل سوا سال کی حکومت کے بعد خلیفہ الہادی نے ستمبر 786ء میں وفات پائی۔ اگرچہ موسیٰ الہادی کی خلافت مختصر رہی، لیکن اس نے ریاستی نظم و نسق کو برقرار رکھنے اور علوی بغاوتوں پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بھائی ہارون رشید تختِ خلافت پر بیٹھا، جس کے دور میں عباسی خلافت اپنے عروج کی بلند ترین منزل پر پہنچی۔

6.4.5 ہارون رشید (786-809ء)

ہارون رشید کے دورِ خلافت کو عباسی خلافت کا عہدِ زرّیں کہا جاتا ہے۔ ہارون رشید 15 ستمبر 786ء کو بائیس سال کی عمر میں خلیفہ بنے۔ ذاتی طور پر وہ مذہبی اور عمدہ اوصاف کے حامل تھے۔ فیاض، رقیق القلب اور نرم مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت بہادر، دور اندیش،

مدبر اور منتظم بھی تھے۔ اپنے والد کے زمانے میں انہوں نے رومی سلطنت کے خلاف اپنی مہمات کے ذریعے اپنی عسکری صلاحیتوں کا لوہا منوایا تھا اور بعد میں خراسان کی گورنری کے دوران اپنی انتظامی قابلیت کا بھی بھرپور ثبوت دیا۔ وہ غریبوں کے ہمدرد، رعایا کے خیر خواہ، امت کے نگہبان اور علم و فضل کے سرپرست تھے۔ ان کے عہد میں عباسی سلطنت سیاسی استحکام، معاشی خوش حالی، فوجی طاقت، علمی ترقی اور تہذیبی عروج کی بلند ترین منزل پر پہنچی، اسی لیے مؤرخین ان کے دور کو عباسی خلافت کا سنہری دور قرار دیتے ہیں۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے انہیں عہدِ عباسی کا سب سے اہم خلیفہ سمجھا جاتا ہے۔ ہارون رشید نے برمکی خاندان کے مختلف افراد کو مختلف صوبوں کا گورنر مقرر کیا۔ فضل بن یحییٰ مختلف اوقات میں خراسان اور شروان وغیرہ کے والی رہے۔ جعفر بن یحییٰ کو 802ء میں افریقہ کا والی مقرر کیا گیا۔ بعد میں ان دونوں بھائیوں نے یکے بعد دیگرے وزارت کی کرسی کو رونق بخشی۔ برمکی خاندان نے ریاستی نظم و نسق، مالیات، تعلیم اور علمی سرگرمیوں کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا اور عباسی حکومت کے استحکام میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

ہارون رشید کے زمانے میں مختلف قسم کی بغاوتیں ہوئیں۔ ان میں خارجی، علوی، گورنروں اور قسمت آزما سالاروں وغیرہ کی بغاوتیں شامل تھیں۔ ہارون رشید کی خلافت کے دوسرے سال یعنی 787ء میں ایک خارجی نے موصل میں پورے صوبے میں بغاوت کی آگ بھڑکا دی، جس پر بڑی مشکل سے قابو پایا جاسکا۔ 793ء میں اسی علاقے میں عطاف نامی باغی نے بغاوت کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا، لیکن خلیفہ نے دو سال بعد اس کا خاتمہ کر دیا۔ 794 ء میں مصر میں قبائلی جنگ کا خاتمہ ہرثمہ بن اعین نے کیا۔ اسی سال ولید بن طریف خارجی نے جزیرہ اور عراق میں بغاوت کر دی اور آرمینیا اور حلوان وغیرہ کے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ ایک سال کی کشمکش کے بعد وہ جنگ میں مارا گیا۔ سندھ میں آباد عرب قبائل میں بھی یمنی اور مضری اختلافات نے سر اٹھایا اور ان میں جنگ چھڑ گئی۔ آخر کار ان کا سلسلہ کئی سال بعد 800ء–801ء میں ختم کیا جاسکا۔ 03-802ء میں دمشق کی قبائلی جنگ کو خلیفہ نے اپنے برمکی سالار جعفر کے عظیم لشکر کی مدد سے کچل دیا۔ خلیفہ نے جعفر برمکی کو اس شاندار کامیابی پر انعام و اکرام سے نوازا۔

صوبۂ افریقہ میں ہارون رشید کی خلافت کے ساتویں برس، یعنی 793ء میں، ایک بڑی بغاوت ہوئی جو 797ء تک جاری رہی۔ اس بغاوت کا سب سے اہم سردار عبداللہ بن جارود تھا۔ اس نے خلیفہ ہارون کے بھیجے ہوئے سالار یحییٰ بن موسیٰ کے لشکر کو شکست دے کر اسے واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ بعد ازاں ابن جارود گرفتار کر لیا گیا۔ ہرثمہ بن اعین نے اس بغاوت کا خاتمہ کیا اور انہیں افریقہ کا نیا والی مقرر کیا گیا۔ بعد میں ہرثمہ نے استعفادے دیا۔ افریقہ میں بڑھتی ہوئی بدامنی سے تنگ آکر خلیفہ نے ابراہیم بن اغلب سے معاہدہ کر کے اسے افریقہ کا والی مقرر کر دیا۔ انہوں نے وہاں کے نظم و نسق کو درست کیا، امن و امان قائم کیا اور شورش پسند عناصر کا خاتمہ کیا۔ اسی دور میں اغلبی حکومت کی بنیاد پڑی، جو اگرچہ عباسی خلافت کی تابع تھی، لیکن داخلی معاملات میں خاصی خود مختار حیثیت رکھتی تھی۔ ابراہیم بن اغلب نے قیروان پر اپنا اقتدار مضبوط کیا اور تمام شورش پسندوں کو کچل دیا۔ یہی حکومت آگے چل کر دولتِ اغالبہ کے نام سے مشہور ہوئی اور بغداد کی عباسی حکومت کے ماتحت رہی۔

ہارون رشید کے زمانے میں رومیوں سے متعدد بار معرکہ آرائیاں ہوئیں، جن میں یا تو خود ہارون شریک ہوتے تھے یا اپنے خاندان کے معزز افراد کو سپہ سالار بنا کر بھیجتے تھے۔ قسطنطنیہ کی فرمانروا ملکہ ایرینی، ہارون کی باج گزار تھی۔ اس کی معزولی کے بعد نقفور (نیسی فور) بادشاہ بنا۔ اس کی بدعہدی کے باعث دونوں سلطنتوں کے درمیان جنگیں ہوتی رہیں۔ آخر کار ہارون رشید نے رومی سلطنت کے مختلف علاقوں پر بھرپور حملے کیے، جس کے نتیجے میں نیسی فور خراج ادا کر کے صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ خلیفہ نے رومی خطرات سے نمٹنے کے لیے شام کی سرحدوں پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، مضبوط قلعے تعمیر کرائے، سرحدی علاقوں کو از سرِ نو مستحکم کیا، وہاں مسلمانوں کو آباد کیا اور شورش پسند عناصر کو جلاوطن کر دیا۔ ان اقدامات سے عباسی سلطنت کی سرحدی حفاظت مزید مضبوط ہوئی اور رومی حملوں کا مؤثر انداز میں مقابلہ کیا گیا۔

خلیفہ ہارون رشید نے اپنے تین بیٹوں محمد امین، عبداللہ مامون اور قاسم مؤتمن کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کیا تھا تاکہ جانشینی کے مسئلے پر کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو اور سلطنت میں استحکام برقرار رہے۔ ہارون نے تخت نشین ہوتے ہی یحییٰ بن خالد برمکی کو اپنا وزیر بنایا۔ برامکہ کی معزولی کے بعد اس نے فضل بن ربیع کو وزارت کے منصب پر فائز کیا۔ برامکہ کی معزولی عباسی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے، جس کے بعد دربار کی سیاسی صورتِ حال میں نمایاں تبدیلیاں آئیں، اگرچہ ریاستی نظام بدستور مضبوط رہا۔ خلیفہ ہارون رشید 809ء میں ایک مہم کے سلسلے میں خراسان روانہ ہوئے۔ طوس پہنچ کر بیمار ہو گئے اور وہیں 809ء میں ان کا انتقال ہوا۔

ہارون رشید کے عہد میں عباسی حکومت علمی، ادبی، تمدنی، سیاسی اور فوجی ہر اعتبار سے اوجِ کمال پر پہنچ گئی تھی۔ اس کا دور نہ صرف عباسی بلکہ پوری اسلامی تاریخ میں ممتاز اور نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس زمانے میں عربی اور ایرانی تہذیبوں کے اختلاط سے ایک نئی اور ہمہ گیر تہذیب نے جنم لیا، جس نے بعد کے اسلامی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ہارون رشید کا عہد نہایت زرّیں دور تھا۔ اس زمانے میں ہر شعبۂ زندگی میں نمایاں ترقی ہوئی۔ سلطنت کا رقبہ نہایت وسیع تھا، حکومت مضبوط و مستحکم تھی، خزانہ معمور تھا اور رعایا خوش حال تھی۔ ہارون رشید کو ہر وقت رعایا کی فلاح و بہبود کی فکر رہتی تھی اور وہ برابر ان کے حالات کی تحقیق و جستجو میں مصروف رہتا تھا۔ اس نے حکومت کے استحکام، عدل و انصاف کے قیام اور رعایا کی فلاح کے لیے گوناگوں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اس کی منظم حکمرانی، مضبوط انتظامی ڈھانچے اور عوامی بہبود کی پالیسیوں نے عباسی سلطنت کو ایک مثالی ریاست کی حیثیت عطا کی۔

خلافت کے ضوابط اور اسلامی اصولِ حکمرانی کے مطابق بدعنوانیوں کی اصلاح کی گئی اور ان کے تدارک کے لیے قاضی ابو یوسف سے ''کتاب الخراج'' تصنیف کرائی گئی۔ اس کتاب میں اسلامی حکومت کی آمدنی (صدقات، غنائم اور جزیہ) اور مصارف کے قوانین و ضوابط کے علاوہ حکومت اور رعایا کے تعلقات، ذمی اور مسلمان رعایا کے حقوق و فرائض، نیز حکومت کے ارکان اور عمال کے اختیارات و ذمہ داریوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس کتاب کو ہارون رشید نے اپنی حکومتی پالیسی کے لیے ایک اہم رہنما کے طور پر اختیار کیا، جس سے ریاستی مالیات اور نظم و نسق کو مزید منظم بنانے میں مدد ملی۔ ہارون رشید علم و فن اور علما و اصحابِ کمال کا قدر دان تھا۔ وہ ایسے تمام لوگوں کی سرپرستی کرتا تھا جو ذہین اور باصلاحیت ہوتے تھے۔ وہ علم دوست تھا اور اس کی سب سے بڑی مثال بیت الحکمت کا قیام ہے۔ اس نے مختلف علوم و فنون کی نادر و

نایاب تصانیف کے تراجم کرائے اور نئی علمی تصانیف کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام موسیٰ کاظمؒ اور امام محمدؒ اسی دور کی ممتاز شخصیات ہیں۔ اسی علمی سرپرستی کے نتیجے میں بغداد رفتہ رفتہ عالمِ اسلام کا سب سے بڑا علمی مرکز بن گیا، جہاں مختلف زبانوں اور علوم کے ماہرین جمع ہوتے تھے۔

عباسی تہذیب و تمدن کا سب سے بڑا مرکز بغداد تھا، جسے ابو جعفر منصور نے آباد کیا تھا۔ عمارتوں، آبادی، امن اور رفاہِ عامہ کے اعتبار سے یہ شہر ہارون رشید کے زمانے میں اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ یہاں بری اور بحری دونوں راستوں سے سامانِ تجارت آتا تھا اور دنیا کے مختلف علاقوں کے تاجر یہاں موجود رہتے تھے۔ مشرق و مغرب کی ہر قسم کی تجارتی اشیا بغداد کے بازاروں میں دستیاب تھیں۔ اس طرح بغداد نہ صرف عباسی سلطنت کا سیاسی دارالخلافہ تھا بلکہ تجارت، صنعت، علم اور تہذیب کا بھی بین الاقوامی مرکز بن چکا تھا۔

ہارون رشید کے زمانے میں بہت سے تمدنی کارنامے انجام دیے گئے۔ ان میں نہرِ زبیدہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس کے علاوہ شامی سرحد پر شہر رقہ کی تعمیر اور متعدد دوسری عمارتوں کی تعمیر بھی اسی دور میں ہوئی۔ خلیفہ، ان کی اہلیہ زبیدہ اور ان کے برمکی وزیروں نے بہت سے محلات، مسجدیں اور دوسری عوامی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ انہوں نے شاہراہوں، پلوں، مسافروں کی سہولت اور عوامی فلاح کے متعدد منصوبوں پر بھی خصوصی توجہ دی، جس سے سلطنت کی خوش حالی اور انتظامی استحکام میں مزید اضافہ ہوا۔ انہی شاندار سیاسی، علمی، تہذیبی، تمدنی اور انتظامی کارناموں کی بنا پر ہارون رشید کے دورِ خلافت کو عباسی خلافت کا شاندار عہدِ زرّیں کہا جاتا ہے۔ اس کا دور بعد کے عباسی خلفاء کے لیے ایک مثالی نمونہ ثابت ہوا اور اسلامی تہذیب کی تاریخ میں ہمیشہ ایک درخشاں باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

6.4.6 محمد الامین (809-13ء)

خلیفہ ہارون رشید کی وفات کے بعد ان کے بڑے فرزند محمد تختِ خلافت پر بیٹھے۔ انہوں نے الامین کا لقب اختیار کیا۔ ہارون رشید نے اپنی زندگی ہی میں محمد الامین کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا، جب کہ ان کے بھائی عبداللہ المامون کو خراسان کی حکومت سونپی گئی تھی۔ ابتدا میں دونوں بھائیوں کے درمیان تعلقات خوش گوار رہے، لیکن بعد میں جانشینی اور اقتدار کے مسئلے پر اختلافات پیدا ہو گئے، جنہوں نے عباسی خلافت کو خانہ جنگی کی طرف دھکیل دیا۔ خلیفہ الامین نسبتاً ناتجربہ کار تھے اور عیش و عشرت کی طرف زیادہ مائل تھے، تاہم اپنی قوم میں محبوب و مقبول تھے۔ انہوں نے 809ء سے 813ء تک حکومت کی۔ ان کی جانشینی کے مسئلے پر شدید تنازعات پیدا ہوئے، جن میں ان کے سوتیلے بھائی عبداللہ المامون بھی شامل تھے۔ یہ تنازع رفتہ رفتہ ایک بڑی خانہ جنگی میں تبدیل ہو گیا، جس کے نتیجے میں عباسی سلطنت کے سیاسی استحکام کو شدید نقصان پہنچا۔ محمد الامین کا دور اگرچہ مختصر تھا، لیکن عباسی خلافت کے لیے نہایت مشکل ثابت ہوا، کیونکہ اس عرصے میں سلطنت خانہ جنگی اور سیاسی عدم استحکام کا شکار رہی۔

محمد الامین چار برس آٹھ ماہ اور چند دن تک خلیفہ رہے۔ ان کے اندر تدبیر، سیاست اور ملکی انتظام کی صلاحیت نمایاں نہیں تھی۔ ان کے وزیر، مشیر اور سالار بھی زیادہ قابل ثابت نہ ہوئے۔ دوسری طرف عبداللہ المامون کو فضل بن سہل جیسے مدبر وزیر اور ہرثمہ بن اعین اور

طاہر بن حسین خراسانی جیسے تجربہ کار سپہ سالاروں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔اسی مضبوط قیادت اور بہتر فوجی حکمتِ عملی کی بدولت المامون کے حامیوں کو مسلسل کامیابیاں حاصل ہوتی گئیں۔ بالآخر 813ء میں بغداد کے محاصرے کے بعد محمد الامین قتل کر دیئے گئے اور ان کی وفات کے بعد عبداللہ المامون تختِ خلافت پر بیٹھے۔ محمد الامین کے دور کا سب سے نمایاں واقعہ المامون کے ساتھ خانہ جنگی تھی، جس نے عباسی خلافت کی داخلی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کیے،اگرچہ بعد میں المامون نے سلطنت کو دوبارہ مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

6.4.7 مامون رشید (813-33)

ہارون رشید کے بعد عباسی خلفاء میں المامون کا عہدِ حکومت نہایت اہم اور کامیاب سمجھا جاتا ہے۔المامون کے عہد میں طبرستان کا علاقہ ہنگاموں کی زد میں رہا۔مامون نے ان ہنگاموں کو ختم کرنے کی کوشش کی، لیکن مکمل کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔المامون کے عہد کا ایک اہم واقعہ جزیرۂ صقلیہ اور جزیرۂ کریٹ کی فتح ہے۔صقلیہ قیروان کے اغلبی حکمرانوں کی کوششوں سے فتح ہوا، جو عباسی خلافت کے باج گزار تھے، جبکہ جزیرۂ کریٹ کو اندلس سے نکلنے والے مسلمانوں کے ایک گروہ نے فتح کیا۔المامون کے عہد میں ترکوں میں اسلام تیزی سے پھیلنا شروع ہوا۔المامون فیاض اور نرم دل تھا۔اس نے علم وادب کی سرپرستی کی۔اسے عدل وانصاف کا بہت خیال تھا۔وہ ہر اتوار کی صبح سے ظہر تک خود رعایا کی شکایتیں سنتا تھا۔اس کی عدالت میں ایک معمولی آدمی بھی شہزادوں سے اپنا حق حاصل کر سکتا تھا۔ایک مرتبہ ایک شخص نے المامون پر بیس ہزار درہم کا دعویٰ کیا۔المامون کو قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔خادم نے اس کے لیے قالین بچھایا، مگر قاضی القضاۃ نے اسے روک دیا اور کہا کہ عدالت میں مدعی اور مدعاعلیہ دونوں برابر ہوتے ہیں۔المامون نے قاضی کی اس حق پرستی سے خوش ہو کر اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا۔المامون کو انتظامِ حکومت کا اس قدر خیال تھا کہ وہ اپنی سلطنت کی ہر چیز اور ہر کام سے واقف رہنا چاہتا تھا۔اس نے اس مقصد کے لیے سارے ملک میں پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے، جو چھوٹی سے چھوٹی بات کی اطلاع بھی خلیفہ تک پہنچاتے تھے۔صرف بغداد میں اس کام کے لیے سترہ سو عورتیں مقرر تھیں، جو اسے خفیہ اطلاعات فراہم کرتی تھیں۔

علوم وفنون کی ترقی کے لیے المامون کی کوششیں تاریخ کا زرّیں باب ہیں۔اس کے عہد میں مختلف علوم وفنون کی تعلیم کے لیے مشہور اور معتبر ماہرین مقرر کیے گئے تھے۔قدماء اور شعرائے جاہلیت کے علاوہ شعرائے عصر کے مشہور قصائد اور قطعات بھی اسے ازبر تھے۔ اس کے دربار میں ہر فن کے ماہرین اور مختلف مذاہب و ملل کے افراد موجود رہتے تھے۔ خلیفہ ان سے برابر مباحثہ و مناظرہ کرتا رہتا تھا۔اس نے یونانی علوم و فلسفے کی کتابیں روم سے منگوائیں اور ماہر مترجموں کو بھرپور معاوضہ دے کر ان کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ علم وفن کی خدمت اور اشاعت میں المامون کے کارنامے نہایت وسیع اور گوناگوں ہیں۔اس نے ریاضی دانوں اور علمِ ہیئت کے ماہرین کی مدد سے دو مرتبہ کرۂ ارض کی پیمائش بھی کرائی۔المامون کے عہد کا ایک اہم واقعہ فتنۂ خلقِ قرآن ہے۔المامون اس عقیدے کا قائل ہو گیا تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔اس نظریے کی صداقت پر اسے اس قدر یقین تھا کہ اس نے خلقِ قرآن کے نظریے کو اسلام اور کفر کا پیمانہ سمجھ لیا تھا۔اس نے علما کو مجبور کیا کہ وہ اس نظریے کو قبول کریں، ورنہ سزا بھگتنے کے لیے تیار رہیں۔المامون کا 48 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔اس نے تقریباً بیس سال حکومت کی۔ انتقال سے پہلے اس نے معتصم کو ولی عہد نامزد کیا اور اسے ضروری وصیتیں بھی کیں۔

6.4.8 معتصم باللہ (833-42ء)

مامون کی وفات کے دوسرے دن 833ء میں طرطوس میں معتصم کی بیعت ہوئی۔اس کے زمانے میں فوجی طاقت میں بڑااضافہ ہوا۔اس نے ترکوں کی ایک منظم فوج تیار کی۔اس کے عہد کا سب سے مشہور واقعہ روم پر حملہ ہے۔اس کی فوجوں نے ایشیائے کوچک کو تہہ و بالا کر دیا۔روم پر حملے کا واقعہ یہ ہے کہ رومیوں نے سرحدی علاقوں پر حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو قید کر لیا تھا۔ان قیدیوں میں ایک بوڑھی عورت بھی تھی جو معتصم کا نام لے کر مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ معتصم نے اس بوڑھی عورت کی رہائی کے لیے روم پر حملہ کیااور اس وقت تک واپس نہیں لوٹا جب تک کہ اس عورت کو آزاد نہیں کرالیا۔

معتصم کے زمانے میں بیرونی مہمات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔اس کے عہد کی سب سے اہم فتح عموریہ کی تھی، جوایشیائے کوچک میں رومیوں کاایک نہایت اہم مرکز تھا۔ معتصم نے قسطنطنیہ پر حملے کی تیاری بھی کی، لیکن عباس بن مامون کی بغاوت کی اطلاع پاکر اس نے قسطنطنیہ پر حملے کاارادہ ترک کر دیااور عباس کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ معتصم کا 47سال کی عمر میں جنوری 842ء میں انتقال ہوا۔اس کی خلافت کی مدت آٹھ سال آٹھ ماہ رہی۔اس نے اپنے دورِ خلافت میں تمام اندرونی اور بیرونی مخالف طاقتوں کا قلع قمع کیا۔اس نے ترکوں کی مستقل فوج تیار کی اور ہزاروں ترکی غلام خرید کر فوج کے اعلیٰ عہدوں پر مامور کیے۔اس کے نتیجے میں فتوحات کادائرہ وسیع ہوا، مگر آگے چل کر یہی ترک فوج اس قدر طاقت ور ہو گئی کہ جسے چاہتی تخت پر بٹھادیتی اور جسے چاہتی معزول کر دیتی۔ معتصم نے اپنے عہد میں سامرا کے نام سے ایک شہر آباد کیا۔یہ شہر ترک فوج کے قیام کے لیے بسایا گیا تھا۔

معتصم کو رعایا کی آسودہ حالی اور زمین کی آبادکاری کا بڑاخیال تھا۔اس کے عہد میں بکثرت افتادہ زمینیں قابلِ زراعت بنائی گئیں اور آباد کی گئیں۔اس نے اپنے وزیر کو عام حکم دے رکھا تھا کہ جس پرتی زمین پر دس درہم خرچ کرنے سے ایک سال کے بعد گیارہ درہم حاصل ہونے کی امید ہو، اسے آباد کرنے کے لیے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ معتصم کو علم و فن سے کوئی خاص سروکار نہ تھا۔مامون خلقِ قرآن کے مسئلے سے متعلق اسے وصیت کر گیا تھا، چنانچہ اس نے اس وصیت پر عمل کیااور ان علما کو سخت تکالیف دیں جنھوں نے اس عقیدے کو قبول نہیں کیا۔عام طور پر اس کی حکومت منصفانہ تھی اور شریعت کے مطابق بھی۔البتہ خلقِ قرآن کے مسئلے کے علاوہ اس کا عہد فوجی، سیاسی اور انتظامی استحکام کے لحاظ سے ممتاز سمجھا جاتا ہے۔

6.4.9 واثق باللہ (842-47ء)

معتصم باللہ کی وفات کے بعد ان کے فرزند ہارون "الواثق باللہ " کے لقب سے خلیفہ بنے۔وہ عالم و فاضل شخص تھے۔فلسفۂ کلام، شعر و ادب سے انہیں بہت دلچسپی تھی۔ خلیفہ واثق باللہ کا تقریباً چھ سالہ دورِ حکومت عام واقعات و حالات کا زمانہ تھا۔اس دور میں بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا، ترکی امراء کا عروج ہوا، خلقِ قرآن کے مسئلے نے شدت اختیار کی، حکومت کے مظالم میں اضافہ ہوااور رومی سلطنت کے ساتھ محاذآرائی میں کمی آئی۔

واثق، معتصم سے بھی زیادہ ترک نواز تھا۔اس نے ترکوں کو اعلیٰ عہدے دیے۔اشناس نامی ترک کو واثق نے نائب السلطنت بنایا۔ اسی کے زمانے میں نیابتِ سلطنت کا عہدہ قائم ہوا۔اس کے زمانے میں عربوں اور ترکوں کی کشمکش بڑھ گئی تھی، جس کے نتیجے میں کئی بغاوتوں کو فرو کرنا پڑا۔ دمشق میں بنو قیس، نواحِ مدینہ میں بنو سلیم، عراق میں بنو ہلال، 845ء میں دیارِ ربیعہ کے خارجیوں ،اصفہان اور فارس کے کردوں ،اور 846ء میں بنو نمیر کی شورشوں کے خلاف فوجی کارروائیاں کی گئیں۔ 845ء میں احمد بن نصر نے خروج کیا۔ وہ خلقِ قرآن کے عقیدے کے سخت مخالف تھے اور ان کے ہم خیال لوگوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔انہوں نے حکومت کے خلاف بیک وقت اٹھ کھڑے ہونے کا فیصلہ کیا، لیکن اس سازش کا پتہ چلتے ہی احمد بن نصر اور ان کے سرگرم ساتھی گرفتار کر لیے گئے۔احمد بن نصر کو واثق کے پاس سامرا بھیجا گیا، جہاں واثق نے خود اپنے ہاتھ سے ان کا سر قلم کر دیا۔ مسلمانوں اور رومیوں کی مسلسل جنگوں کی وجہ سے دونوں طرف کے ہزاروں قیدی ایک دوسرے کے قبضے میں تھے۔ واثق کے عہد میں 844ء میں ان قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔اس کے عہد میں سسلی وغیرہ میں بھی بعض اہم فتوحات ہوئیں۔ معتصم کے آخری زمانے میں قلم دانِ وزارت محمد بن عبدالملک زیات کے ہاتھ میں تھا۔ وہ واثق کے عہد میں بھی آخر تک وزیر رہا۔ واثق کا انتقال 36 سال کی عمر میں 847ء میں ہوا۔

واثق باللہ آزاد خیال تھا۔ علمی مسائل میں تقلید کے بجائے نسبتاً آزادانہ رائے رکھتا تھا۔ فلاسفہ اور قانون دانوں کی آراء جاننے اور مختلف علوم حاصل کرنے کا خواہش مند رہتا تھا۔اس کے دربار میں مختلف علوم و فنون کے علما موجود تھے۔اس نے مشہور طبیب حنین بن اسحاق سے طب پر ایک کتاب لکھوائی۔ تاہم خلقِ قرآن اور رؤیتِ باری تعالیٰ کے مسئلے میں وہ متشدد تھا۔اس کے عہد میں احمد بن نصر کے علاوہ دوسرے علما اور محدثین کو بھی قید و بند کی صعوبتیں اٹھانی پڑیں اور بعض کو قتل بھی کیا گیا، لیکن امام احمد بن حنبل پر اس نے کوئی سختی نہیں کی۔ واثق باللہ نے رفاہِ عامہ کے بھی بہت سے کام کیے۔ جہازوں سے جو بحری ٹیکس لیا جاتا تھا، اسے اس نے ختم کر دیا۔اس کے عہد میں مکہ اور مدینہ میں کوئی سائل باقی نہیں رہا۔انتظامی امور میں بھی اس نے اصلاحات کیں۔ واثق باللہ نے امراء و اراکین کے ظلم و استبداد کو روکنے کی کوشش کی اور خیانت و دیگر بدعنوانیوں کی روک تھام کے لیے بڑے بڑے جرمانے عائد کیے۔

6.4.10 جعفر المتوکل (847-61)

دسویں عباسی خلیفہ، معتصم کے دوسرے فرزند جعفر تھے۔ وہ تختِ خلافت پر 'متوکل علی اللہ' کے لقب سے بیٹھے۔ان کی تخت نشینی اگست 847ء میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر ستائیس برس تھی۔ خلیفہ متوکل کا پندرہ سالہ عہد خلافت، خلیفہ کے وقار، رعایا کی خوش حالی، امن وامان کی بحالی، سنتِ نبویؐ کے احیا اور سنی اسلام و عقیدے کی تجدید کا زمانہ تھا۔انہوں نے ترک امراء کے زور و تسلط کو بھی توڑنے کی کوشش کی، لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔انہوں نے انتظامی اصلاحات بھی کیں۔ علمی لحاظ سے بھی ان کا عہد قابل ذکر ہے۔ متوکل نے احمد بن خالد کو میر منشی کے عہدے سے ترقی دے کر وزیر بنایا۔ پھر اسے ہٹا کر ابو جعفر محمد بن فضل کو اس عہدے پر مقرر کیا۔ متوکل نے 850ء میں اسے بھی معزول کر دیا اور اس کی جگہ عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان کو وزیر مقرر کیا، جو آخر تک اس منصب پر برقرار رہا۔ متوکل نے 848ء میں آذربائیجان کے رئیس محمد بن بعیث کی بغاوت کو کچلا۔ 851ء میں آرمینیا کے بطارقہ کو خالد بن یزید شیبانی کی سرکردگی میں زیر کیا۔ 849ء

میں محمود بن فرح نیشاپوری نے نبوت کا دعویٰ کیا، جسے قتل کر دیا گیا۔ اسی سال صالح بن نصر نے سجستان پر قبضہ کر لیا۔ 853ء میں روسیوں نے دمیاط پر حملہ کیا، خوب لوٹ مار کی، جامع مسجد کو آگ لگادی اور مسلمان عورتوں کو قید کر کے لے گئے۔ اس کے جواب میں مسلم فوجوں نے سرحدی رومی شہروں پر حملے کیے۔ اس واقعے کے بعد متوکل نے دمیاط میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ 854ء میں حمص میں بغاوت ہوئی اور وہاں کے عباسی حکمراں ابوالمغیث موسیٰ بن ابراہیم کو نکال دیا گیا۔ 855ء میں روم سے مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا گیا۔ اسی سال بجاہ قبیلے نے مصر پر حملہ کیا۔ ان کے علاقے میں سونے کی کانیں تھیں۔ فریقین کے درمیان یہ معاہدہ تھا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے اور بجاہ ہر سال چار سو مثقال سونا حکومتِ مصر کو ادا کریں گے، لیکن متوکل کے عہد میں انہوں نے سونا بھیجنا بند کر دیا، مسلمانوں کو کان کنی سے روکا، بعض مسلمانوں کو قتل کیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ متوکل نے ان کی سرکوبی کے لیے محمد بن عبداللہ قمی کو روانہ کیا۔ جب وہ کامیاب ہو کر متوکل کے دربار میں پہنچا تو خلیفہ نے اسے خلعتِ فاخرہ سے نوازا۔

متوکل کے عہد میں رومیوں سے بکثرت لڑائیاں لڑی گئیں اور صقلیہ میں بھی کئی فتوحات حاصل ہوئیں۔ 860ء میں انطاکیہ کا قلعہ فتح ہوا۔ متوکل نے اپنے عہد میں ترکوں کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے پہلے اتیاخ ترکی کا خاتمہ کیا۔ بدعنوان اور خائن افراد کو سخت سزائیں دیں، ان پر جرمانے عائد کیے اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ قاضی احمد بن ابو داؤد بھی 851ء میں معتوب ہوئے اور ان کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد ضبط کر لی گئی۔

متوکل نے ہارون رشید کی طرح اپنے لڑکوں محمد، طلحہ اور ابراہیم کو بالترتیب ولی عہد نامزد کیا۔ انہیں بالترتیب منتصر باللہ، معتز باللہ اور مؤید باللہ کے القاب دے کر عباسی حکومت کے مختلف حصوں کی ذمہ داریاں سونپیں۔ منتصر کو افریقہ، شام، جزیرۂ عرب، عراق، اہواز، اصفہان اور سندھ کے علاقے دیے گئے۔ معتز کو خراسان، طبرستان، رے، آرمینیا، آذربائیجان اور فارس کا والی مقرر کیا گیا۔ 854ء میں خزانہ اور ٹکسال بھی معتز کے سپرد کیے گئے۔ مؤید کو حمص، دمشق، فلسطین اور شام کے بعض علاقوں کی ذمہ داری دی گئی۔ اتیاخ کے قتل اور ترکوں سے متوکل کی شدید مخالفت کی وجہ سے ترک امراء اس سے سخت برہم تھے اور وہ منتصر کے ساتھ ہو گئے۔ منتصر بھی اپنے والد کے خلاف ہو گیا۔ چنانچہ ان سب نے متوکل کو قتل کرنے کی سازش کی۔ ایک رات چند ترک محل میں داخل ہو گئے اور متوکل پر حملہ کر دیا۔ فتح بن خاقان نے متوکل کو بچانے کی کوشش کی، مگر حملہ آوروں نے دونوں کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ 861ء میں پیش آیا۔ اس وقت متوکل کی عمر 40 سال تھی۔ رعایا کی فارغ البالی اور ملک کی آسودگی کے لحاظ سے متوکل کا دور ایک کامیاب دور تھا۔ ہر طرف امن و امان قائم تھا اور اشیائے ضروریہ ارزاں قیمت پر ملتی تھیں۔ متوکل نے دارالخلافہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک نیا شہر آباد کیا، جہاں ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور اس کا نام جعفریہ رکھا۔ متوکل عقیدے کے لحاظ سے نہایت راسخ تھا اور شافعی مسلک کا پیروکار بن گیا تھا۔ اس کا سب سے اہم کارنامہ سنتِ نبوی ﷺ کا احیا اور احادیثِ رسول ﷺ کی اشاعت ہے۔

6.5 عباسی خلافت کے دورِ آخر کے خلفاء

خلیفہ متوکل کے بعد عباسی خلافت لگ بھگ چار سو سال تک قائم رہی، لیکن برائے نام، کیونکہ اصل اقتدار دوسروں کے ہاتھ میں رہا۔ متوکل کے بعد آٹھ سال کی مختصر مدت میں چار خلفاء تخت پر بٹھائے گئے اور معزول کیے گئے۔ دورِ آخر کے عباسی حکمرانوں میں بعض نہایت قابل اور باصلاحیت تھے۔ ان میں مہتدی باللہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس نے عباسی خلافت کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش کی، لیکن ترکوں، شاہی حکام اور امراء نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا، اور بالآخر یہ خلیفہ ترکوں کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ دورِ آخر کے عباسی حکمرانوں میں معتضد باللہ نے سب سے زیادہ خدمات انجام دیں۔ اس نے ترکوں کا زور توڑ دیا اور عرب، عراق، مغربی ایران اور آرمینیا پر مشتمل ایک وسیع علاقے میں دوبارہ امن وامان قائم کیا۔ اس نے عباسی حکومت کی گرتی ہوئی عمارت کو سہارا دیا۔ اس کے عہد میں مصر و شام کی طولونی حکومت نے بھی عباسی خلافت کی اطاعت قبول کر لی، اور اس کے جانشین مکتفی باللہ کے زمانے میں مصر و شام براہِ راست عباسی خلافت کے قبضے میں آ گئے۔ اپنے کارناموں کی وجہ سے معتضد کو 'سفاحِ ثانی' کہا جاتا ہے۔ معتضد نے امن وامان قائم کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اخلاقی اور ذہنی اصلاح کی بھی کوشش کی۔ اس نے نجومیوں اور قصہ گوؤں کو سڑکوں پر بیٹھنے سے منع کر دیا۔ فلسفے کی بعض کتابوں پر پابندی لگا دی۔ معتضد نے نوروز کے موقع پر آگ جلانے کی رسم بھی بند کر دی۔ اس کے زمانے میں عدالتیں بھی آزاد ہو گئی تھیں اور امراء حتیٰ کہ خلیفہ بھی عدالت کی بازپرس سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ معتضد کے عہد میں کوئی نیا ٹیکس نہیں لگایا گیا، بلکہ پرانے ٹیکس بھی کم کر دیے گئے۔

معتضد کے بعد یکے بعد دیگرے اس کے تین بیٹے مکتفی باللہ، مقتدر باللہ اور قاہر باللہ کے نام سے تخت نشین ہوئے۔ مکتفی ایک اچھا حکمراں تھا، لیکن اس کے بعد صورتِ حال بگڑ گئی۔ مقتدر باللہ نے پچیس سال حکومت کی، مگر اس کا پورا عہد بغاوتوں اور شورشوں میں گزرا۔ وہ عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ اس کا دربار ناچنے اور گانے والوں کا مرکز بن گیا تھا۔ شاہی محل میں گیارہ ہزار خواجہ سرا تھے۔ مقتدر باللہ کے زمانے میں معاشی ابتری پیدا ہو گئی۔ حالت یہ ہو گئی کہ فوج کو کئی کئی ماہ تک تنخواہیں ادا نہیں ہو پاتی تھیں۔ نتیجتاً امراء نے دوبارہ زور پکڑا اور مقتدر باللہ کو معزول کر کے قتل کر دیا۔ مقتدر باللہ کے عہد کا ایک اہم واقعہ بلغار میں اسلام کی اشاعت ہے۔

مقتدر باللہ کے جانشین قاہر باللہ تھے۔ وہ عباسی عہد کے انیسویں خلیفہ تھے۔ ان کا دورِ خلافت دو سال رہا۔ قاہر کے عہد کا ایک اہم واقعہ فارس میں بنی بویہ حکومت کا قیام ہے۔ قاہر کا پہلا وزیر ابنِ مقلہ تھا، جبکہ دوسرا وزیر محمد بن قاسم تھا، جسے جلد ہی معزول کر کے گرفتار کر لیا گیا۔ قاہر نے اپنے مختصر دورِ حکومت میں رعایا پر بہت ظلم و ستم کیے۔ اس نے جاسوسی کا سخت نظام نافذ کیا اور رعایا پر بھاری ٹیکس عائد کیے۔ اس نے کئی مذہبی اصلاحات بھی نافذ کیں۔ رقص و سرود اور شراب نوشی پر پابندی لگا دی، گویوں کو قید کر دیا اور ہجڑوں کو جلاوطن کر دیا۔ آلاتِ طرب و موسیقی بھی ضائع کر دیے، لیکن خود شراب نوشی اور عیش پرستی میں مبتلا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی خلفاء عباسی تختِ خلافت پر فائز ہوئے، جن میں آخر کے دو خلفاء راضی باللہ اور متقی باللہ قابلِ ذکر ہیں۔

6.6 عباسی خلافت کا زوال

عباسیوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ ترکوں کا بڑھتا ہوا اقتدار تھا، جو معتصم کے عہد سے فروغ پانے لگا۔ خلافت کا حقیقی اقتدار صرف تقریباً ایک سو گیارہ سال تک قائم رہا، جبکہ اس کے بعد تقریباً چار صدیوں تک مختلف خاندان عباسی خلفاء کے نام پر حکومت کرتے رہے۔ عباسی خلافت کے زوال کے متعدد اسباب تھے، جن میں اہم درج ذیل ہیں:

- فتوحات کا سلسلہ رک جانا: عباسی خلافت کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ تقریباً رک گیا۔ بازنطینی محاذ یا صقلیہ وغیرہ میں جو معمولی اور وقتی فتوحات ہوئیں، وہ زیادہ تر فوجی حملے تھے، اور اسلامی فوج کی واپسی کے بعد مقبوضہ علاقے دوبارہ ہاتھ سے نکل گئے۔ جو مستقل فتوحات ہوئیں، وہ عباسی خلافت کا کارنامہ نہیں تھیں بلکہ اغلبی، اندلسی، غزنوی، غوری وغیرہ خاندانوں کی فتوحات تھیں۔ اس لیے فتوحات کے سلسلے کا رک جانا عباسی خلافت کے زوال کا ایک اہم سبب تھا۔
- زوال کا ایک اہم سبب باہمی خانہ جنگی تھی۔ فتوحات کا سلسلہ رک جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی فوجی طاقت کو بیرونی محاذوں پر سرگرم رہنے کا موقع نہ ملا، جس کے نتیجے میں اندرونی تصادم اور اختلافات نے جنم لیا۔ اس باہمی خانہ جنگی نے عباسی خلافت کو بہت نقصان پہنچایا۔
- خلافتِ عباسیہ کے تمام انتظامی ادارے رفتہ رفتہ روبہ زوال ہو گئے اور اپنی افادیت کھو بیٹھے۔ تمام ادارے ناجائز دولت کے حصول اور اس کے بے جا مصرف کا ذریعہ بن گئے۔ خود خلیفہ کا ادارہ بھی بدانتظامی، استحصال اور خود غرضی کا مرکز بنتا گیا۔ فوج شورش، بغاوت، افراتفری اور لوٹ مار کی علامت بن گئی۔ معاشی نظام بحران کا شکار ہو گیا، اہلکاروں کی تنخواہوں کے لالے پڑ گئے، اور حکومت کے محاصل (ٹیکس) کا نظام ٹوٹ پھوٹ گیا، جس کے نتیجے میں رشوت، بے ایمانی، غبن اور دیگر برائیاں عام ہو گئیں۔ یہ تمام عوامل مل کر عباسی خلافت کے زوال کا سبب بنے۔
- نااہل حکمران بھی زوال کا ایک اہم سبب تھے۔ ابتدائی چھ خلفاء کے علاوہ کوئی ایسا خلیفہ سامنے نہ آسکا جو حکومت کو درپیش مختلف النوع بحرانوں پر قابو پاسکتا۔ اگرچہ چار پانچ حکمران نسبتاً بہتر ثابت ہوئے، لیکن بعد کے ادوار میں چند استثناؤں کو چھوڑ کر اکثر حکمران نااہل تھے، جنہوں نے بحرانوں سے نمٹنے کے بجائے عیش و عشرت میں وقت گزارا۔
- ہارون رشید کے عہد سے ایرانی عنصر حکومت کے ایوانوں پر غالب آنے لگا اور مامون کے زمانے میں اس کا عروج نقطۂ کمال کو پہنچ گیا۔ عربوں اور ایرانیوں کے باہمی اختلافات اور کشمکش نے ترک عناصر کو خلافت پر غالب آنے کا موقع فراہم کیا۔ یہ ترک سالار اجڈ تھے اور انہوں نے خلافت کے اداروں کو اندر سے کھوکھلا کر دیا، جو زوال کا ایک اہم سبب بنا۔
- سنی۔شیعہ اختلافات نے اسلامی ریاست کی نظریاتی اور دینی وحدت کو سخت نقصان پہنچایا۔ عباسی خلفاء میں المامون، معتصم اور واثق نے خلقِ قرآن اور رؤیتِ باری کے مسائل میں معتزلی افکار کی سرپرستی کرتے ہوئے ریاستی جبر کی پالیسی اختیار کی، جس سے اسلامی قوت کمزور ہوئی اور خلافت زوال کا شکار ہوئی۔
- سنی معاشرہ بھی بحران اور انتشار کا شکار ہو گیا تھا۔ مذہب اور اخلاق کی گرفت کمزور پڑ گئی تھی۔ خود غرضی اور عیش پرستی اپنے عروج پر

تھی۔ مسلکی تعصبات اور دینی و مذہبی جھگڑے معمول بن گئے تھے۔ اشاعرہ اور حنابلہ، نیز سنی اور معتزلہ کے اختلافات نے خلافت کو نقصان پہنچایا۔ اس کے علاوہ قرامطہ، خوارج اور فاطمی جیسی تحریکیں بھی خلافتِ عباسیہ کے زوال کے اہم اسباب میں شامل تھیں۔

6.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عباسی خلافت کا قیام 750ء میں ہوا، جسے مجموعی طور پر دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے : عروج و ترقی کا دور اور زوال کا دور۔ ابتدائی دور سیاسی استحکام، سلطنت کی توسیع، انتظامی مضبوطی، تہذیب و تمدن کے فروغ اور علوم و فنون کی ترقی کے اعتبار سے عباسی خلافت کا عہدِ زریں تھا۔ اس دور کا آغاز ابوالعباس السفاح سے ہوا، جس نے ہاشمیہ کو دارالخلافہ بنایا اور بنو امیہ کا خاتمہ کر کے عباسی اقتدار کو مستحکم کیا۔ اس کے بعد ابو جعفر منصور نے بغداد کی بنیاد رکھ کر اسے خلافت کا دارالخلافہ بنایا، جو بعد میں علم، تہذیب اور تجارت کا عالمی مرکز بن گیا۔ المہدی نے رفاہِ عامہ اور رعایا کی خوش حالی پر توجہ دی، جبکہ الہادی کے بعد ہارون رشید کے عہد میں عباسی خلافت اپنی شان و شوکت کے عروج پر پہنچی۔ اس دور میں علم و ادب، تہذیب و ثقافت اور معاشی خوش حالی نے نمایاں ترقی کی۔ ہارون رشید کے بعد مامون رشید نے علم و ادب کی سرپرستی، تراجمِ علوم اور عدل و انصاف کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا، اگرچہ اس کے عہد میں فتنۂ خلقِ قرآن بھی پیش آیا۔ اس کے بعد معتصم باللہ نے فوجی نظام کو مضبوط کیا اور ترکوں پر مشتمل مستقل فوج قائم کی، واثق باللہ نے علمی سرگرمیوں کی سرپرستی کی مگر خلقِ قرآن کے مسئلے میں سخت رویہ اختیار کیا، جبکہ متوکل علی اللہ کے دور میں امن و امان، سنتِ نبویؐ کے احیا اور سنی عقیدے کی تجدید پر خصوصی توجہ دی گئی۔

عباسی خلافت کے آخری دور میں خلفاء کی سیاسی خود مختاری بتدریج کمزور ہوتی گئی اور مختلف صوبے مرکز سے الگ ہو کر خود مختار حکومتوں کی صورت اختیار کرنے لگے۔ اگرچہ مہتدی اور خصوصاً معتضد جیسے بعض باصلاحیت خلفاء نے خلافت کو دوبارہ مستحکم کرنے اور امن و امان بحال کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی اصلاحات دیرپا ثابت نہ ہو سکیں۔ معتضد کے بعد مکتفی باللہ، مقتدر باللہ اور قاہر باللہ کے ادوار میں انتظامی کمزوری، عیش و عشرت، بغاوتوں، معاشی ابتری اور امراء و ترک فوج کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ نے خلافت کو مزید کمزور کر دیا۔ بعد کے خلفاء، جن میں راضی باللہ اور متقی باللہ بھی شامل ہیں، محض برائے نام حکمران رہ گئے اور حقیقی اقتدار دوسروں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا۔ اس طرح عباسی خلافت، جس نے کئی صدیوں تک اسلامی تہذیب، علم، تمدن اور سیاسی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے، بتدریج اپنے زوال کی طرف بڑھ گئی۔

6.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

استیصال : بیخ کنی کرنا۔ جڑ سے ختم کرنا۔

افتادہ : غیر استعمال، پرتی زمین، ایسی زمین جس پر زراعت نہ ہوتی ہو۔ ویران علاقہ

زریں : اچھا اور سنہرا

6.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

6.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. بنوامیہ کی حکومت کے خاتمے کے بعد 750ء میں عباسی خلافت کا پہلا خلیفہ کون بنا؟

(الف) ابو جعفر منصور (ب) ابوالعباس السفاح (ج) ہارون رشید (د) المہدی

2. مشہور شہر 'بغداد' کی بنیاد کس عباسی خلیفہ نے رکھی اور اسے دار الخلافہ بنایا؟

(الف) ابو جعفر منصور (ب) المہدی (ج) ہارون رشید (د) مامون رشید

3. کس خلیفہ کے دورِ حکومت کو عباسی خلافت کا 'عہدِ زرّیں' (Golden Age) کہا جاتا ہے؟

(الف) ابو جعفر منصور (ب) ہارون رشید (ج) واثق باللہ (د) متوکل علی اللہ

4. عباسی فوج میں ترکوں کی ایک منظم اور مستقل فوج کس خلیفہ نے تیار کی جو بعد میں زوال کا سبب بنی؟

(الف) مامون رشید (ب) الامین (ج) معتصم باللہ (د) واثق باللہ

5. خلیفہ مامون رشید کے دور کا کون سا مذہبی واقعہ سب سے زیادہ متنازعہ رہا جس پر اس نے سختی کی؟

(الف) علویوں کی بغاوت (ب) فتنۂ خلقِ قرآن (ج) برمکی خاندان کا زوال (د) خوارج کا فتنہ

6.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ابو جعفر منصور کے دور خلافت پر روشنی ڈالیں۔
2. فتح عموریہ کا واقعہ بیان کریں۔
3. 'کتاب الخراج' پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔

6.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ہارون الرشید کا بحیثیت عباسی خلیفہ کے جائزہ پیش کریں؟
2. مامون رشید کا عباسی خلفاء میں کیا مقام تھا؟ واضح کریں۔

جوابات

1. (ب) ابوالعباس عبداللہ السفاح 2۔(الف) ابو جعفر منصور 3۔(ب) ہارون رشید
4۔(ج) معتصم باللہ 5۔(ب) فتنۂ خلقِ قرآن

اکائی 7۔اموی اور عباسی دور میں میں سماج و معیشت

(Society and Economy during the Umayyads and Abbasids)

اکائی کے اجزا

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 اموی دور

7.2.1 سماجی زندگی

7.2.2 معاشی زندگی

7.2.2.1 زراعت و صنعت

7.2.2.2 تجارت اور کاروبار

7.2.3 غلامی کا ادارہ

7.3 عباسی دور

7.3.1 سماجی زندگی

7.3.2 معاشی زندگی

7.3.2.1 زراعت

7.3.2.2 صنعت

7.3.2.3 تجارت و کاروبار

7.3.3 غلامی کا ادارہ

7.4 اکتسابی نتائج

7.5 کلیدی الفاظ

7.6 نمونہ امتحانی سوالات

7.0 تمہید (Introduction)

اموی عہد (750-661ء) کے سماجی و معاشی حالات کو سمجھنے کے لیے اس دور کے سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کا مطالعہ ضروری ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد قائم ہونے والی اموی خلافت نے عرب اقتدار کو مستحکم کیااور اسلامی سلطنت کو وسعت بخشی۔اس دور میں شہروں نے ترقی کی، زراعت، تجارت اور صنعت کو فروغ ملااور عربی زبان کو سلطنت کی وحدت کا ذریعہ بنایا گیا۔تاہم عرب اور عجم کے درمیان امتیاز، دولت کی غیر مساوی تقسیم اور موالی (غیر عرب نومسلموں) کے ساتھ امتیازی سلوک نے سماجی کشیدگی کو جنم دیا، جو بعد میں عباسی تحریک کے فروغ کا ایک اہم سبب بنا۔ عرب فوجی، سیاسی اور انتظامی مناصب پر غالب تھے، جبکہ موالی کو دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا تھا۔ معیشت کی بنیاد زراعت تھی جس سے حاصل شدہ خراج کے ذریعے بیت المال کو آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ محفوظ تجارتی راستوں کی بدولت ریشم، مسالے، کپڑا، ہتھیار اور کھجور جیسی تجارتی اشیا کی خرید و فروخت میں اضافہ ہوا، جبکہ دمشق اور حلب کپڑے اور ہتھیار سازی کے اہم مراکز بن گئے۔اس کے باوجود دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث عرب اشرافیہ عیش و عشرت کی زندگی گزارتی تھی، جبکہ عام عوام اور موالی نسبتاً سہولتوں سے محروم تھے۔اس دور میں غلامی کا رواج بھی عام تھا۔ فتوحات کے نتیجے میں روم اور ایران سے بڑی تعداد میں غلام لائے گئے جو فوج، گھریلو خدمات اور زرعی کاموں میں مصروف رہتے تھے، جبکہ اشرافیہ کے یہاں غلاموں، خصوصاً خادماؤں اور کنیزوں، کی بڑی تعداد موجود تھی۔

عباسی دور (1258-750ء) میں سماجی اور معاشی حالات میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ عرب و عجم کے درمیان امتیاز نسبتاً کم ہوااور موالی کو زیادہ حقوق اور مواقع حاصل ہوئے۔ بغداد، کوفہ، بصرہ، سمرقند اور نیشاپور علم، تہذیب اور ثقافت کے عظیم مراکز بن گئے، جہاں قرآن و حدیث، فقہ، فلسفہ، سائنس، طب، ریاضی اور ادب کے علوم کو فروغ ملا۔ معیشت کی بنیاد بدستور زراعت رہی، لیکن بغداد عالمی تجارت کا اہم مرکز بن گیااور ہند، چین، افریقہ اور یورپ کے ساتھ تجارتی روابط مزید مستحکم ہوئے۔ صنعت، تجارت، شہری زندگی اور علوم و فنون نے اس دور میں غیر معمولی ترقی کی، اگرچہ طبقاتی فرق اور عیش و عشرت کا رجحان بھی بڑھتا گیا۔ غلامی کا نظام بھی مزید وسعت اختیار کر گیا۔ تجارت اور فتوحات کے ذریعے غلاموں کی تعداد میں اضافہ ہوااور وہ صرف گھریلو یا زرعی خدمات تک محدود نہ رہے، بلکہ فوجی اور سیاسی امور میں بھی اہم کردار ادا کرنے لگے۔ بعض غلام سلطنت کے انتظام وانصرام اور سیاسی معاملات پر بھی اثر انداز ہوئے۔اس طرح اموی اور عباسی دونوں ادوار میں سماجی اور معاشی نظام نے اسلامی تہذیب کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

7.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- اموی اور عباسی خلافت کے عہد میں معاشرہ، معیشت کے خدوخال سے واقف ہو جائیں گے۔
- ان دونوں خلافت کے عہد میں تجارت و کامرس کو کیسے فروغ ملا، یہ جان سکیں گے۔
- عہد بنی امیہ و بنو عباس میں متعدد ملکوں سے تجارتی روابط اور تجارت کے بڑے مراکز کا تجزیہ کر سکیں گے۔

- دونوں ادوار میں غلامی کے فروغ پر بحث کر سکیں گے۔

7.2 اموی دور

7.2.1 سماجی زندگی

خلافتِ راشدہ میں فتوحات کی رفتار اگرچہ بہت تیز تھی، لیکن عربوں کے پاس انتظامی صلاحیت رکھنے والے افراد کی کمی تھی، اس لیے وسیع اسلامی سلطنت کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لینے میں انہیں وقت لگا۔ مسلمانوں کی فتوحات کے ساتھ نئے نئے علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوتے گئے اور ان کے ساتھ نئے انتظامی، سماجی اور معاشرتی مسائل بھی پیدا ہوئے۔ ابتدا میں امیر معاویہؓ نے قدیم عرب سرداروں کی طرح حکومت کرنے کی کوشش کی۔ ان کا دروازہ ہر داد خواہ، خصوصاً کمزور اور مظلوم افراد، کے لیے کھلا رہتا تھا اور وہ خود تمام معاملات کے فیصلے کرتے تھے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ خلیفہ تک عوام کی براہِ راست رسائی محدود ہوتی گئی، محل کے گرد پہرے بڑھنے لگے اور درباری شان و شوکت میں اضافہ ہونے لگا۔ اسلام جس علاقے سے ابھرا تھا وہ نسبتاً پسماندہ اور بدوی معاشرہ تھا، مگر سلطنت کی توسیع کے بعد مسلمان جب ایران، شام، مصر اور دوسرے ترقی یافتہ علاقوں میں پہنچے تو وہاں کی تہذیب، تمدن، علوم اور فنون سے متاثر ہوئے، جس کے نتیجے میں اموی معاشرے میں نمایاں تبدیلیاں آئیں۔

اس دور کا مسلم معاشرہ مختلف علاقائی، لسانی اور تمدنی گروہوں، جیسے عرب، ایرانی، بربر، عراقی، شامی، قبطی، خراسانی، ترک، وزی گوتھ، افغان اور ہندوستانی عناصر پر مشتمل تھا، تاہم عمومی طور پر اسے دو بڑے طبقات، یعنی عرب اور غیر عرب (موالی)، میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ عرب معاشرے میں بھی قبائلی، علاقائی اور دینی بنیادوں پر تقسیم موجود تھی۔ قبائلی اعتبار سے قریش کو سب سے زیادہ عزت و فضیلت حاصل تھی، کیونکہ وہ بیت اللہ کے متولی تھے اور رسول اکرم ﷺ بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ بنو ہاشم کو رسول اکرم ﷺ کی نسبت سے خصوصی مقام حاصل تھا، جبکہ خلافتِ امویہ کے قیام کے بعد بنو امیہ سیاسی اقتدار کے باعث قریش کے ممتاز ترین خاندان بن گئے۔ علاقائی اعتبار سے عرب قبائل یمنی (جنوبی) اور مضری (شمالی) گروہوں میں تقسیم تھے، جن میں شام یمنی قبائل، خصوصاً بنو کلب، کا مضبوط مرکز تھا۔ دینی لحاظ سے صحابۂ کرامؓ، ازواجِ مطہراتؓ، تابعین اور تبع تابعین کو معاشرے میں نہایت بلند مقام اور احترام حاصل تھا۔

عربوں کے بعد مسلم معاشرے کا سب سے بڑا طبقہ موالی، یعنی غیر عرب نو مسلموں، پر مشتمل تھا۔ انہیں کسی نہ کسی عرب قبیلے یا خاندان سے ولاء (دوستی و سرپرستی) کا تعلق قائم کرنا پڑتا تھا، اسی نسبت سے وہ موالی کہلاتے تھے۔ اگرچہ عام موالی کو عربوں کے مساوی مقام حاصل نہ تھا، تاہم بنو امیہ کے موالی کو سیاسی اور سماجی مراعات حاصل تھیں اور بعض کا شمار طبقۂ امراء میں ہوتا تھا۔ مسلم معاشرے کا ایک اہم طبقہ ذمیوں کا بھی تھا، جنہیں اہلِ ذمہ کہا جاتا تھا۔ ان میں مسیحی، یہودی اور صابئین شامل تھے، جو اسلامی ریاست کے زیرِ انتظام رہتے اور معاہدۂ ذمہ کے تحت اپنے مذہبی حقوق سے مستفید ہوتے تھے۔

معاشرے کے نچلے طبقے میں غلام شامل تھے، جو ابتدا میں زیادہ تر جنگی قیدیوں میں سے بنائے جاتے تھے، تاہم بعد میں خرید و فروخت اور دیگر ذرائع سے بھی غلام حاصل کیے جانے لگے اور غلاموں کی تجارت ایک منافع بخش پیشہ بن گئی۔ غلام عموماً گھریلو خدمات، زراعت اور دیگر معاشی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔ اگرچہ ان کا درجہ آزاد افراد جیسا نہ تھا، تاہم انہیں متعدد حقوق اور سہولتیں حاصل تھیں۔ متوسط طبقے اور تاجروں کے غلام نسبتاً بہتر زندگی گزارتے تھے، جبکہ حکمرانوں، گورنروں اور امراء کے غلام اکثر اپنے آقاؤں کے معتمد ہوتے، اہم سرکاری عہدوں پر فائز ہوتے اور بعض اوقات معاشرتی و معاشی اعتبار سے آزاد عربوں اور موالی سے بھی زیادہ بااثر بن جاتے تھے۔ طارق بن زیاد، جو ابتدا میں موسیٰ بن نصیر کے غلام تھے، بعد میں آزادی حاصل کر کے ایک عظیم سپہ سالار بنے، جبکہ عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور نافع مولیٰ ابن عمر جیسے متعدد موالی نے اپنے علم و فضل کے ذریعے اسلامی معاشرے میں بلند مقام حاصل کیا۔

عہدِ بنو امیہ میں اسلامی معاشرہ ایک نئے دور میں داخل ہوا۔ اس عہد میں معاشرہ خوش حال تھا۔ صنعتی ترقی اور کپڑے کی صنعت کے فروغ نے لوگوں کے رہن سہن کو زیادہ معیاری بنا دیا تھا۔ معاشی خوش حالی کے باعث خوش لباسی عام ہو گئی تھی۔ اموی دور کے آخری زمانے میں خوش لباسی معاشرے کا ایک لازمی جز بن چکی تھی۔ اس عہد کے علماء بھی خوش لباس ہوتے تھے۔ امام زین العابدین، امام جعفر صادق، امام حسن بصری، امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ سب خوش لباسی کے لیے مشہور تھے۔

اموی عہد کی معاشرت اور ثقافت میں کئی ایسی نئی باتیں نظر آتی ہیں جو اسلامی روح کے خلاف تھیں اور جو محض دولت کی فراوانی، استبدادی نظامِ حکومت اور نظریاتی تربیت کی کمی کے باعث مسلم معاشرے میں داخل ہوئیں۔ رومی اور ایرانی اثرات کے تحت دربار میں خواجہ سراؤں کا رواج ہوا۔ بڑے بڑے حرم وجود میں آئے جو کنیزوں اور لونڈیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ شراب نوشی، رقص اور موسیقی کو اس عہد میں ثقافتی حیثیت حاصل ہوئی۔ موسیقی کی سرپرستی دربار سے شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ اس نے ان امراء کے گھروں میں بھی جگہ بنالی جو مذہبی رجحانات نہیں رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم معاشرے میں موسیقی کو جس شخص نے رواج دیا، وہ ایک مخنث "طاؤس" تھا۔ امویوں کے عہد میں دربار گویوں کا مرکز بن گیا۔ گانے والے اور گانے والیاں عموماً ایرانی یا غیر عرب ہوتے تھے۔ آلاتِ موسیقی بھی زیادہ تر غیر عرب اقوام سے لیے گئے۔ رقص اور موسیقی کا مقصد محض تفریح، جذباتی تسکین اور عیش پسندی تھا، اس لیے ان چیزوں نے آہستہ آہستہ مسلم معاشرے میں جنسی بداخلاقی اور عیاشی کے لیے راہ ہموار کر دی۔ حسن بصریؒ کہا کرتے تھے کہ: ''بصرہ کی رونق منافقوں کے دم سے ہے، اگر منافق نہ رہیں تو شہر میں لوگوں کا جی لگنا مشکل ہو جائے۔''

اموی عہد میں خواتین ضروری کاموں اور تفریح کے لیے باہر نکلتی تھیں اور علمی و ادبی مجلسوں میں بھی شرکت کرتی تھیں، لیکن یہ اجتماعات مخلوط نہیں ہوتے تھے۔ بالعموم خواتین پردے کے پیچھے بیٹھتی تھیں۔ اموی عہد کی ممتاز خواتین میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور رابعہ بصریؒ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اس دور کی ایک اور ممتاز خاتون سکینہ بنت حسین تھیں، جو ادب، شعر اور موسیقی کی محفلوں کی رونق

سمجھی جاتی تھیں۔ شادی بیاہ میں عربی قبائلی رسوم غالب تھیں، مگر اسلام کے اثر سے نکاح کو شرعی حیثیت حاصل ہوئی۔ تعددِ ازدواج رائج تھا، لیکن بیویوں اور کنیزوں کے ساتھ تعلقات میں امتیاز نظر آتا تھا۔ غلام اور باندی رکھنے کا رواج موجود تھا اور دربار میں کنیزوں کا خاص اثر تھا۔

عورت کو سماج میں شرعی حیثیت کے مطابق وراثت اور نکاح میں حقوق حاصل تھے۔ گھریلو سطح پر عورتیں پردہ، تعلیمِ قرآن اور مذہبی سرگرمیوں میں شریک رہتی تھیں۔ دولت مند طبقہ شاہانہ زندگی گزارتا تھا، جبکہ عام عوام اور موالی سخت محنت مزدوری کرتے اور ٹیکس ادا کرتے تھے۔ غرض کہ اموی عہد کی معاشرتی زندگی تضادات کا مجموعہ تھی۔ ایک طرف عربی قبائلی روایات اور شاہانہ طرزِ زندگی تھی، تو دوسری طرف اسلامی تعلیمات اور زہد و تقویٰ کی تحریکیں۔ شہری تمدن نے ترقی کی، لیکن طبقاتی تقسیم اور نسلی امتیاز نے معاشرے میں بے چینی کو بھی جنم دیا۔

7.2.2 معاشی زندگی

7.2.2.1 زراعت و صنعت

بنوامیہ کے عہد میں معاشی ترقی نمایاں رہی۔ معاشی خوشحالی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں لوگ اشرفیوں کی تھیلیاں لے کر نکلتے تھے، مگر صدقہ لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ بنوامیہ نے مختلف علاقوں کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔ آبپاشی کے ذرائع کو وسعت دی گئی، نہریں اور کنویں کھدوائے گئے، نیز حوض اور تالاب تعمیر کرائے گئے۔ امیر معاویہ نے پہاڑوں کی بعض گھاٹیوں پر بند تعمیر کرا کر انہیں تالابوں کی شکل دی، جس سے زرعی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ سلیمان بن عبدالملک نے آبِ شیریں کا ایک چشمہ جاری کرایا۔ بنوامیہ کے عمال نے بصرہ میں بھی کثرت سے نہریں کھدوائیں۔ ملک کے مختلف علاقوں میں متعدد سڑکیں تعمیر کی گئیں اور بڑے بڑے شہروں کو سڑکوں کے ذریعے دمشق سے جوڑا گیا تاکہ آمد و رفت میں آسانی ہو۔ ولید بن عبدالملک نے مختلف شہروں کے راستوں کی مرمت کرائی۔ راستوں کی حفاظت کے لیے بھی مناسب تدابیر اختیار کی گئیں اور مسافروں کے لیے سرائیں تعمیر کرائی گئیں۔ ان اقدامات کے نتیجے میں تجارت کو فروغ ملا اور معیشت مضبوط ہوئی۔

مکہ معظمہ میں روئی سے کاغذ بنانے کا ایک کارخانہ قائم کیا گیا۔ موسیٰ بن نصیر نے مغرب کے علاقوں میں کاغذ سازی کا طریقہ رائج کیا۔ بعض مقامات پر ریشم سے بھی کاغذ تیار کرنے کے کارخانے قائم کیے گئے۔ اس دور میں صنعت و حرفت نے بھی نمایاں ترقی کی۔ اسلحہ سازی، جہاز سازی، ظروف سازی اور کپڑا سازی کی صنعتیں خوب فروغ پائیں۔ زراعت کو بھی اموی دور میں خصوصی توجہ دی گئی۔ ویران زمینوں کو آباد کر کے زرعی پیداوار بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ حجاج بن یوسف نے کھیتی باڑی کی سہولت کے پیش نظر حکم دیا کہ بیلوں کو بلا ضرورت ذبح نہ کیا جائے تاکہ ان کی کمی کے باعث زراعت متاثر نہ ہو۔ اسلحہ سازی، جہاز سازی، پارچہ بافی اور ظروف سازی اس دور کی اہم صنعتیں تھیں۔ ہشام کے عہد میں بالخصوص ریشمی کپڑے کی صنعت نے بڑی ترقی کی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جس طرح ولید کے دور میں

لوگوں کی گفتگو کا موضوع عمارتیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں دینی امور ہوتے تھے، اسی طرح ہشام کے عہد میں لباس اور کپڑوں کا ذکر عام گفتگو کا نمایاں موضوع بن گیا تھا۔

7.2.2.2 تجارت اور کاروبار

عہدِ اموی میں تجارت اور کامرس، اسلامی معیشت کا ایک بنیادی پہلو تھا۔ اس عہد میں تجارت کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی، جس کے نتیجے میں معیشت مزید مستحکم ہوئی۔ اموی خلفاء نے فتوحات کے ذریعے ایک وسیع سلطنت قائم کی، جس نے تجارت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ اس عہد میں دمشق سب سے اہم تجارتی مرکز تھا۔ بصرہ، کوفہ، فسطاط (مصر)، قرطبہ (اندلس) اور شمالی افریقہ کے متعدد شہر بھی بڑے تجارتی مراکز کے طور پر ابھرے۔ بحیرۂ روم، بحیرۂ احمر اور خلیج فارس کے ذریعے بین الاقوامی تجارت کو فروغ ملا۔ زمینی تجارتی راستے شاہراہِ ریشم (Silk Road) سے منسلک تھے، جن کے ذریعے چین، ہندوستان اور وسطی ایشیا سے سامان لایا جاتا تھا۔ مشرق سے ریشم، کاغذ، مسالہ جات، خوشبوئیں اور قیمتی پتھروں کی تجارت ہوتی تھی، جبکہ یمن و حجاز سے خوشبودار عطر، کھجوریں اور سونا، اندلس و شمالی افریقہ سے زیتون، شراب، چمڑا اور دھاتیں، اور عراق و شام سے غلہ، کپڑا، ہتھیار اور ظروف تجارت کا اہم حصہ تھے۔ بین الاقوامی تجارت کے سلسلے میں ہندوستان، چین اور وسطی ایشیا کے ساتھ مضبوط تجارتی تعلقات تھے، جبکہ یورپ سے بھی لین دین جاری رہا۔ عرب تاجروں نے بحری راستوں پر نمایاں برتری حاصل کر لی تھی۔ اموی عہد میں بڑے بڑے بازار قائم کیے گئے، جہاں سرکاری اہل کار نگران مقرر ہوتے تھے۔ قیمتوں میں اعتدال برقرار رکھنے کے لیے محتسب (بازار کا نگران) مقرر کیا جاتا تھا۔ وزن اور پیمانے کے بھی باقاعدہ اصول متعین تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے پہلی مرتبہ اسلامی سکے (دینار اور درہم) جاری کیے، جو تجارت کو منظم بنانے میں سنگِ میل ثابت ہوئے۔ سونے اور چاندی کے سکوں کے ساتھ تانبے کے سکے (فلس) بھی رائج تھے۔

دمشق کا تیار کردہ کپڑا دنیا کے مختلف علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ اسی طرح غلاموں کی خرید و فروخت بھی تجارتی سرگرمیوں کا حصہ تھی۔ جنگوں میں قیدی بنائے جانے والے غلام منڈیوں میں فروخت کیے جاتے تھے۔ اموی عہد میں ملکی تجارت نے بھی نمایاں ترقی کی۔ تمام بڑے شہروں، خصوصاً عراق کی بندرگاہوں، بصرہ اور شام کے ساحلی مقامات پر تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں قائم تھیں۔ پوری سلطنت میں تجارت کو استحکام حاصل تھا۔ شہر اور بعض محلے تجارتی مراکز کی حیثیت رکھتے تھے، جہاں تجارتی منڈیاں اور گلڈ (Guilds) موجود تھے، اور ان کی سڑکیں اور محلے انہی کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔ قبائلی عرب معاشرے کے اثر کے باعث ہر قبیلے کا اپنا محلہ، بازار اور حرفت و صنعت کے مراکز ہوتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ عہدِ اموی میں تجارت نے بین الاقوامی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اموی سلطنت ایشیا، یورپ اور افریقہ کے درمیان ایک اہم تجارتی پل بن گئی، جبکہ اموی سکے، منظم بازاروں اور وسیع فتوحات نے تجارت کو غیر معمولی ترقی عطا کی۔

7.2.3 غلامی کا ادارہ

عہدِ اموی میں غلامی ایک منظم سماجی و معاشرتی ادارے کی حیثیت رکھتی تھی۔ غلامی نہ صرف گھریلو خدمات بلکہ سیاسی، فوجی اور

اقتصادی نظام کا بھی اہم حصہ تھی۔ ابتدائی اسلامی عہد میں غلام عموماً جنگی قیدیوں میں سے بنائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ خرید و فروخت اور حملوں کے ذریعے بھی غلام حاصل کیے جاتے تھے۔ تمام مسلم علاقوں میں غلاموں کی تجارت تیز اور منافع بخش بن گئی تھی۔ مشرقی یا وسطی افریقہ سے آنے والے بعض غلام سیاہ فام تھے، جبکہ فرغانہ اور چینی ترکستان سے آنے والے غلام زرد نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ مشرقِ قریب اور مشرقی و جنوبی یورپ سے سفید فام غلام بھی لائے جاتے تھے۔ ہسپانوی غلام صقالیہ کی قیمت ایک ہزار دینار تک ہوتی تھی، جبکہ ترکی غلاموں کے عوض صرف چھ سو دینار ملتے تھے۔

اسلامی قانون کے مطابق کسی غلام، مالک کے علاوہ کسی اور مرد، یا اپنے مالک (اگر وہ اسے اپنی اولاد تسلیم نہ کرے) کے نطفے سے کسی کنیز کی پیدا ہونے والی اولاد غلام شمار ہوتی تھی، جبکہ غلام کے نطفے سے کسی آزاد عورت کی اولاد آزاد ہوتی تھی۔ فتوحات کے دوران مسلم سلطنت میں بڑی تعداد میں غلاموں کے آنے کے شواہد ملتے ہیں، جن کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ قیدیوں کو غلام بنانے کی روایت اس عہد میں موجود تھی۔ موسیٰ بن نصیر نے تین لاکھ غلام بنائے۔ اس نے اسپین کی گوتھک اشرافیہ کی تیس ہزار کنواری دوشیزائیں گرفتار کیں۔ قتیبہ نے صرف سغد سے ایک لاکھ غلام بنائے۔ زبیر بن عوام کے ترکے میں دیگر اشیاء کے علاوہ ایک ہزار غلام مرد اور عورتیں شامل تھیں۔ مکہ کے مشہور شاعر عمرو بن ابی ربیعہ کے پاس ستر سے زائد غلام تھے۔ اگرچہ ان اعداد و شمار میں مبالغہ ہو سکتا ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ قیدیوں کو غلام بنائے جانے کا رواج عام تھا۔

آقا اور کنیز کے درمیان داشتہ گیری کی اجازت تھی، لیکن قانونی شادی کی اجازت نہیں تھی۔ اس تعلق سے پیدا ہونے والے بچے آقا کے شمار ہوتے اور آزاد قرار پاتے تھے۔ اس کے نتیجے میں داشتہ کا رتبہ بڑھ جاتا اور وہ **ام ولد** بن جاتی، جسے اس کا آقا نہ فروخت کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی کے حوالے کر سکتا تھا، جبکہ آقا کی وفات کے بعد وہ آزاد ہو جاتی تھی۔ غلاموں کی آزادی کو ہمیشہ نیکی اور باعثِ ثواب سمجھا جاتا تھا۔ آزاد کردہ غلام کو اپنے سابق آقا کے موالی کا درجہ مل جاتا اور سابق آقا اس کا سرپرست شمار ہوتا۔ اگر سرپرست کسی وارث کے بغیر وفات پاتا تو مولیٰ اس کی جائیداد کا وارث بنتا۔

غلام آزاد شہریوں کے برابر نہیں تھے، لیکن اسلام نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی آزادی کو باعثِ ثواب قرار دیا۔ اموی عہد میں بعض حکمران اور امراء اپنے غلاموں کو آزاد کر کے انہیں منصب و مرتبہ بھی عطا کرتے تھے۔ بعض غلام علم و فن میں اس قدر ترقی کر گئے کہ آزاد معاشرے میں باوقار مقام حاصل کر لیا۔ دمشق، کوفہ، بصرہ اور قرطبہ جیسے بڑے شہروں میں غلاموں کی خرید و فروخت کے بازار قائم تھے، جہاں مختلف قوموں اور علاقوں کے غلام دستیاب ہوتے تھے۔ اموی دربار میں غلاموں کو انتظامی امور اور فوجی خدمات میں بھی شامل کیا جاتا تھا، اور بعض غلام آزادی حاصل کرنے کے بعد بڑے عہدوں تک پہنچے۔

عہدِ اموی میں غلامی ایک مضبوط ادارے کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ اگرچہ غلاموں کو مکمل سماجی آزادی حاصل نہ تھی، لیکن اسلامی تعلیمات کے تحت ان کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کی آزادی اور انہیں عزت دینے کے متعدد واقعات بھی ملتے ہیں۔

7.3 عباسی دور

7.3.1 سماجی زندگی

عباسی خلافت کا معاشرہ بنیادی طور پر وہی تھا جو اموی عہد میں تھا۔ مسلم معاشرہ دو بڑے طبقات: (1) عرب اور (2) غیر عرب مسلم یا موالی میں تقسیم تھا۔ غیر مسلم طبقات میں ذمیوں کے ذیلی طبقات اور مختلف گروہ بندیاں بھی موجود تھیں۔ اقتصادی لحاظ سے اعلیٰ، اوسط اور کمزور طبقات کی تقسیم بھی اموی دور کی طرح برقرار تھی۔ ایک نمایاں فرق یہ تھا کہ عباسی معاشرہ اموی معاشرے کے مقابلے میں چھوٹا ہو گیا تھا، کیونکہ اندلس اس سے الگ ہو چکا تھا، جو مغربی یورپ کی مختلف اقوام پر مشتمل تھا۔ تاہم، تمام تر مماثلت کے باوجود عباسی معاشرے میں ہر طبقے کی اندرونی ساخت میں تبدیلی آچکی تھی۔ ان کے سیاسی اور سماجی مرتبے میں فرق پیدا ہوا تھا اور ان کے اقتصادی حالات بھی بدل گئے تھے۔ دینی لحاظ سے اموی معاشرہ صحابۂ کرام اور تابعین کا عہد تھا، لیکن عباسی معاشرہ صحابۂ کرام سے یکسر محروم ہو چکا تھا۔ عرب قبائل اور افراد کو اس دور کے آغاز ہی سے اپنے سابقہ بلند مقام سے محروم ہونا پڑا۔ اگر اموی معاشرہ بنیادی طور پر عرب امتیاز و تفوق کا نمائندہ تھا، تو عباسی معاشرہ ایرانی اور ترکی عناصر کی برتری کا آئینہ دار بن گیا۔ جہاں تک رہن سہن، طرزِ معاشرت، رسوم و رواج وغیرہ کا تعلق ہے، عرب معاشرے کی روایات بتدریج ایرانی اور بعد ازاں ترکی اثرات، افکار اور رسوم کے لیے جگہ چھوڑتی گئیں۔ عباسی خلیفہ، اس کا دربار، حرم، درباری اور افسران کے طبقات ایرانی روایات اور بعد میں ترکی اثرات سے متاثر ہو گئے تھے۔ ان اثرات کے نتیجے میں بہت سی معاشرتی خرابیاں اور عقائد و افکار کی نئی صورتیں بھی پیدا ہوئیں۔ عرب معاشرتی اقدار سے دوری نے عربی اسلامی تمدن کی جگہ ایرانی اور ترکی عجمی تمدن کو فروغ دیا، اور یہی وہ مرحلہ تھا جہاں سے عجمیت کو نمایاں برتری حاصل ہوئی۔

- **موالی:** عباسی دورِ خلافت میں موالی کی حالت یکساں نہیں تھی۔ صوبوں میں ان کی حالت بڑی حد تک پہلے جیسی رہی۔ ان کے سماجی مرتبے میں نمایاں فرق اس وقت پیدا ہوتا تھا جب ان کا تعلق حکمران خاندان سے ہوتا، کیونکہ خلیفہ یا حکمران طبقے کے موالی خود بھی بااثر سمجھے جاتے تھے، جبکہ عام طبقات کے موالی نسبتاً فروتر خیال کیے جاتے تھے۔ تاہم مرکزی علاقوں اور قلبِ اسلام میں موالی کے اعلیٰ طبقات کو اموی دور کے مقابلے میں کہیں زیادہ سماجی رتبہ اور معاشرتی مقام حاصل ہوا۔ اس دور میں حکومت کے ایوانوں اور اقتدار کے مراکز میں موالی کی عددی طاقت میں اضافہ ہوا، جس کے باعث ان کی سماجی حیثیت بھی بلند ہوئی۔
- **ذمی:** ذمی طبقات کو جو مراعات اموی دور میں حاصل تھیں، وہ عباسی دور میں بھی برقرار رہیں، اگرچہ بعض اوقات ان پر نئی شرائط بھی عائد کر دی جاتی تھیں۔ مجموعی طور پر اموی اور عباسی دونوں ادوار میں ان کی سماجی حالت بہتر رہی۔ ذمیوں کو جان، مال اور آبرو کے تحفظ کے ساتھ شخصی، دینی، سماجی اور تمدنی آزادی حاصل تھی، البتہ اس کے عوض انہیں اسلامی حکومت کو جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا اور اپنی زرعی زمینوں پر خراج بھی دینا ہوتا تھا۔ اس کے بدلے انہیں سماجی، اقتصادی اور تمدنی آزادی میسر تھی۔ وہ اپنے مذہبی اور سماجی اقدار و روایات کے مطابق زندگی گزارنے میں آزاد تھے۔ انہیں حکومت میں مختلف عہدے اور مناصب بھی دیے جاتے تھے، خصوصاً مالیات کے شعبے میں ان کا نمایاں کردار تھا۔ عباسی عہد میں بعض ذمیوں کو اعلیٰ انتظامی مناصب بھی حاصل ہوئے۔

- **غلام:** سماج کے غیر آزاد طبقات میں غلاموں کا طبقہ نہایت اہم تھا۔ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق اور مراعات عطا کی تھیں، وہ اموی عہد سے عباسی دور تک برقرار رہیں۔ جنگوں میں گرفتار کیے جانے والے قیدی غلام اور کنیز بنائے جاتے تھے، اور ان کی خرید و فروخت بازاروں میں جاری رہی۔ خلفاء اور دوسرے بااثر طبقات کے غلاموں کی حالت اور سماجی حیثیت ان کے آقاؤں کے مقام و مرتبے کے مطابق ہوتی تھی۔ بعض غلام، غلام ہونے کے باوجود، معاشرے میں بلند مقام حاصل کر لیتے تھے۔ انہیں اہم عہدے دیے جاتے تھے اور سیاسی مرتبے کے مطابق بعض اوقات جاگیریں بھی عطا کی جاتی تھیں۔

قدیم قبائلی نظام، جو عرب معاشرے کی بنیادی ساخت تھا، عباسیوں کے عہد میں بڑی حد تک منتشر ہو گیا۔ عباسی خلفاء میں صرف تین خلفاء آزاد ماؤں کے بطن سے تھے: (1) ابوالعباس، (2) الہادی، (3) الامین۔ الامین ماں اور باپ دونوں کی طرف سے رسول ﷺ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ المنصور کی ماں بربر غلام، المامون کی ماں ایک فارسی لونڈی، الواثق کی ماں یونانی اور المستنصر کی ماں بھی یونانی تھیں۔ المکتفی اور المقتدر کی مائیں ترک لونڈیاں تھیں، جبکہ ہارون الرشید کی ماں ایک غیر ملکی لونڈی، مشہور الخیزران، تھیں۔ یہی وہ خاتون تھیں جنہوں نے عباسی خلافت کے معاملات میں نمایاں اثر ورسوخ استعمال کیا۔

عرب مورخین کی دلچسپی خلفاء کے امور اور سیاسی واقعات میں اس قدر مرکوز رہی کہ وہ اس دور کے عام لوگوں کی سماجی اور اقتصادی زندگی کی مکمل تصویر پیش نہ کر سکے۔ چند منتشر روایات اور ادبی تحریروں ہی کی بنیاد پر اس زمانے کی روزمرہ زندگی کا تصور قائم کیا جا سکتا ہے۔
ابتدائی عباسی دور میں عورت کو اموی عہد کی عورت کی طرح کافی آزادی حاصل تھی۔ اس دور کے ابتدائی زمانے میں اعلیٰ طبقات کی خواتین نے نمایاں مقام حاصل کیا اور ریاستی امور میں بھی اثر ورسوخ استعمال کیا۔ ان میں المہدی کی بیوی اور ہارون الرشید کی والدہ الخیزران، المہدی کی بیٹی عُلیہ، ہارون کی بیوی اور الامین کی والدہ زبیدہ، اور المامون کی بیوی بوران کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ بعض عرب دوشیزاؤں نے دستوں کی قیادت کی، جنگوں میں حصہ لیا، شاعری کی اور ادبی سرگرمیوں میں مردوں کا مقابلہ کیا، یا اپنی ذہانت، موسیقی کی صلاحیت اور گلوکاری کے ذریعے معاشرے میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ اس نوعیت کی ایک مشہور خاتون عبیدہ الطنبوریہ تھیں، جنہوں نے المعتصم کے دور میں اپنے حسن اور نغمہ گری کے باعث شہرت حاصل کی۔

عباسی عہد کے زوال کے زمانے میں داشتہ گیری عام ہو گئی تھی۔ جنسی اخلاقیات میں نرمی آ چکی تھی اور عیش و عشرت کا رجحان بڑھ گیا تھا۔ ایسے حالات میں عورت کی سماجی حیثیت بھی متاثر ہوئی۔ بیوی کا اولین فریضہ شوہر کی خدمت، بچوں کی پرورش اور گھریلو امور کا انتظام سمجھا جاتا تھا۔ اگر فرصت ملتی تو چرخہ کاتنا اور کپڑا بننا بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔ متمول اور اعلیٰ طبقے کے گھروں کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا: (1) زنان خانہ، جو **مقاصیرِ حرم** کہلاتا تھا، (2) دیوان خانہ یا بیٹھک، جسے **مجالس السلام** کہا جاتا تھا اور جہاں مہمانوں سے ملاقات کی جاتی تھی، اور (3) ملازموں کے قیام کے لیے مخصوص حصہ۔ مکانات میں پانی کا مناسب انتظام ہوتا تھا اور گرمیوں میں انہیں ٹھنڈا رکھنے کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ متوسط اور متمول طبقے کے گھروں میں پائیں باغ ہوتے تھے، جن میں مختلف اقسام کے درخت اور پودے لگائے

جاتے تھے۔

کھانے کے برتن اعلیٰ معیار کے ہوتے تھے۔ خلفاء اور امراء سونے اور چاندی کے ظروف استعمال کرتے تھے، جبکہ متمول طبقات کے برتن بھی نہایت عمدہ ہوتے تھے۔ کھانوں کی متعدد اقسام تیار کی جاتی تھیں۔ ثرید، ہریسہ اور خلیص قدیم عربی کھانے تھے جو عباسی دور میں بھی مقبول رہے۔ گیہوں، دودھ اور گوشت سے تیار ہونے والا کھانا **سکنگ** کہلاتا تھا، جبکہ سرکہ اور گوشت سے تیار کیا جانے والا کھانا **سکباج** کہلاتا تھا۔ اس کے علاوہ حضیرہ، عصیدہ، قلیہ، قطیفہ وغیرہ بھی معروف کھانے تھے۔ ہارون الرشید کے دستر خوان پر ایک وقت میں تیس تیس اقسام کے کھانے پیش کیے جاتے تھے۔ ان کے مطبخ کا خرچ روزانہ دس ہزار درہم بتایا جاتا ہے، جبکہ المامون کا ذاتی خرچ چھ ہزار دینار روزانہ تھا۔ کھانوں میں روٹی کی مختلف اقسام اور چاول بھی شامل ہوتے تھے۔ میوے اور پھل بھی لازمی جز تھے۔ مشروبات کی بھی مختلف اقسام رائج تھیں۔ غیر الکحلی مشروبات میں شکر ملے پانی اور بنفشہ، کیلا، گلاب اور شہتوت کے عرق سے تیار کردہ شربت استعمال کیے جاتے تھے، جبکہ نجی اور عوامی محفلوں میں الکحلی مشروبات بھی نوش کیے جاتے تھے۔ نبیذ سب سے عام مشروب تھی۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ ہارون الرشید اور المامون جیسی شخصیات صرف نبیذ پیتی تھیں۔ متوسط گھرانوں کے دستر خوان پر بھی گوشت کی مختلف اقسام، سبزیاں اور دیگر غذائیں موجود ہوتی تھیں، جبکہ مشروبات میں پھلوں کا رس اور نبیذ بھی شامل تھی۔

عباسی عہد میں مسلمانوں کا قدیم عربی روایتی لباس مقبول رہا۔ بعض شہروں میں ایرانی لباس بھی رائج ہوا، جس میں اونچی ٹوپی، کام دار قبائیں، جبے اور عمامے شامل تھے۔ منصور کے عہد سے ایرانی لباس سرکاری حیثیت اختیار کر گیا، تاہم گھریلو لباس میں قدیم عربی طرز برقرار رہا۔ بعض عباسی خلفاء نہایت پر تکلف لباس استعمال کرتے تھے، جن میں ریشم، کمخواب، دیبا، حریر اور کتان شامل تھے۔ چادریں بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ خواتین کے لباس بھی نہایت قیمتی ہوتے تھے۔ کھانے پینے میں تکلف اور لباس میں خوش پوشی و عیش پسندی نمایاں تھی۔

حمام کا رواج بہت عام تھا۔ ایک ایک شہر میں بے شمار حمام موجود تھے، حتیٰ کہ کوئی چھوٹا سا محلہ بھی حمام سے خالی نہ ہوتا تھا۔ بعض حمام صرف عورتوں کے لیے مخصوص تھے۔ عباسی عہد میں حمام صرف وضو اور غسل ہی کے لیے نہیں بلکہ تفریح اور تعیش کے مقامات کے طور پر بھی مقبول ہو گئے تھے۔ مخصوص دنوں میں عورتوں کو بھی وہاں جانے کی اجازت تھی۔ الخطیب کے مطابق المقتدر (908–932ء) کے زمانے میں بغداد میں 27,000 حمام تھے، جبکہ بعض ادوار میں ان کی تعداد 60,000 بھی بیان کی گئی ہے۔ یعقوبی بغداد کی آبادکاری کے بعد ان کی تعداد 10,000 بتاتا ہے۔

عباسی عہد میں مخصوص اندرونی کھیل بھی مقبول ہوئے۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید شطرنج کھیلتے تھے اور اس کھیل کو فروغ دیا۔ اسی طرح بیرونی کھیلوں میں تیر اندازی، پولو (چوگان)، سولجان (ہاکی کی ایک قسم)، شمشیر زنی، نیزہ اندازی، گھڑ سواری اور شکار عام تھے۔ خلفاء میں المعتصم کو پولو کا خصوصی شوق تھا، جبکہ شکار خلفاء اور شہزادوں کا پسندیدہ مشغلہ شمار ہوتا تھا۔ معاشرتی زندگی میں مختلف تقریبات عام تھیں۔ تہوار اور تقریبات بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھیں۔ شادی بیاہ، عقیقہ اور بچوں کی بسم اللہ جیسی تقریبات اہم سمجھی جاتی تھیں، جبکہ مذہبی

تقریبات میں عیدالفطر وغیرہ نمایاں تھیں۔ان مواقع پر موسیقی کی محفلیں بھی سجتی تھیں اور تقریبات پر بے دریغ دولت خرچ کی جاتی تھی۔ امراءاور خلفاء شادیوں پر کثیر سرمایہ صرف کرتے تھے۔ خلیفہ المامون کی بوران سے شادی اس دور کی سب سے مہنگی شادیوں میں شمار کی جاتی ہے، جس میں بے تحاشا دولت خرچ کی گئی۔ ملکہ کے والد وزیر حسن بن سہل نے بھی اس موقع پر غیر معمولی فضول خرچی کی۔ مقتدر کی والدہ نے اپنے ایک پوتے کی تقریب کے لیے پورا گاؤں چاندی سے مزین کروادیا تھا۔ وزراءاور امراء بھی تقریبات پر بے دریغ دولت خرچ کرتے تھے۔ہارون الرشید کے برمکی وزراءاس معاملے میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ان تقریبات میں نوروز، مہرجان اور دیگر ایرانی تہوار بھی منائے جاتے تھے۔اسی طرح پیراکی، گھڑ سواری، کشتی رانی اور تیر اندازی جیسے مقابلے بھی منعقد ہوتے تھے، جن میں لوگ اپنی مہارت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ مسخروں کی نقلوں کے ساتھ ساتھ مغنی مردوں اور مغنیہ عورتوں کی موسیقی بھی شہری زندگی کا حصہ بن چکی تھی۔

7.3.2 معاشی زندگی

عباسی عہد (750–1258ء) اسلامی تاریخ کا ایک اہم دور ہے، جس میں معاشی اعتبار سے نمایاں ترقی ہوئی۔ معیشت کے لحاظ سے عباسی خلافت کو درج ذیل نکات کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے۔

7.3.2.1 زراعت

بنو عباس کا زرعی نظام تقریباً وہی تھا جو اموی دور میں رائج تھا۔ یعنی زمینوں کا ایک بڑا حصہ خلیفہ، شاہی خاندان اور وزراء کے قبضے میں تھا۔ ابتدائی عباسی خلفاء کے دور میں زراعت کو خاص فروغ حاصل ہوا۔ کاشت کاری ریاست کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھی۔ سلطنت کے مختلف حصوں میں ویران پڑے کھیتوں اور تباہ حال دیہات کو بتدریج دوبارہ آباد اور بحال کیا گیا۔ وادیٔ دجلہ و فرات کا زیریں حصہ مرکزی حکومت کی خصوصی توجہ کا مرکز تھا۔ عباسی عہد کی اہم فصلوں میں جَو، گندم، چاول، کھجور، تل، کپاس اور سن شامل تھیں۔ اس کے علاوہ جوز، مالٹا، بیگن، گنا، باقلائے مصری اور گلاب و بنفشہ جیسے پھول بھی بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ عراق، مصر اور خراسان نہایت زرخیز علاقے تھے۔ عرب جغرافیہ دانوں کے مطابق بخارا اور اس کے گرد و نواح کی زمین ایک حقیقی باغ کی مانند تھی۔ باغات میں کھجور، سیب، خوبانی، آڑو، آلو بخارا، لیموں، نارنگی، انجیر، انگور، زیتون، بادام، تربوز، کھیرا اور گلاب سمیت پھلوں، سبزیوں اور پھولوں کی متعدد اقسام کاشت کی جاتی تھیں۔ یہ پیداوار المامون اور الواثق کے درباروں تک بھی بھیجی جاتی تھی۔ مغربی ایشیا میں پیدا ہونے والے تقریباً تمام معروف پھل اور سبزیاں اس زمانے میں دستیاب تھیں۔

پھلوں اور سبزیوں کی کاشت کے ساتھ ساتھ پھولوں کی کاشت کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی، اور انہیں تجارتی مقاصد کے لیے بڑے پیمانے پر اگایا جاتا تھا۔ ان پھولوں سے عطر کشید کیا جاتا تھا۔ عرقِ گلاب مشرق میں چین اور مغرب کے مختلف علاقوں تک برآمد کیا جاتا تھا۔ فارس اپنے خراج میں عرقِ گلاب کی تیس ہزار بوتلیں بھی شامل کرتا تھا، جو ہر سال بغداد میں خلیفہ کو بھیجی جاتی تھیں۔ مہدی کے زمانے میں محکمۂ پیمائش و بندوبست قائم کیا گیا اور پوری مملکت کی زمینوں کی پیمائش کرائی گئی۔ کوشش یہ تھی کہ کسانوں پر ظلم و جبر نہ ہو اور ان پر ضرورت

سے زیادہ ٹیکس عائد نہ کیا جائے۔اسی مقصد کے تحت ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف سے **"کتاب الخراج "** تصنیف کروائی تھی۔سواد، عراق، کوفہ، بصرہ، واسط اور قادسیہ جیسے عراقی علاقوں سے حکومت کو بہت زیادہ آمدنی حاصل ہوتی تھی۔سب سے زیادہ آمدنی علاقۂ سواد سے ہوتی تھی،اس کے بعد خراسان اور پھر مصر کا درجہ تھا۔عباسی خلافت میں مجموعی زرعی آمدنی کروڑوں دینار تک پہنچ گئی تھی۔زمین کے مالیے، خراج اور عشر کی شرح مختلف علاقوں میں مختلف تھی۔سواد اور بعض دیگر علاقوں میں زمین کا خراج نصف، یعنی پچاس فیصد، وصول کیا جاتا تھا، لیکن المامون نے اسے کم کر کے تیس فیصد کر دیا۔خلیفہ نے رَے کے علاقے کا خراج بھی کم کر دیا تھا۔بلاشبہ زرعی اعتبار سے عباسی عہد نہایت خوشحال تھا۔زرعی پیداوار وافر تھی، کسان نسبتاً خوشحال تھے اور خلافت معاشی طور پر مضبوط تھی۔

7.3.2.2 صنعت

عباسیوں نے مختلف صنعتوں کی حوصلہ افزائی کی اور کاریگروں و حرفہ مندوں کو مادی معاونت فراہم کی۔جب بغداد کی تعمیر ہوئی اور اسے دارالخلافہ بنایا گیا تو وہ ایک اہم صنعتی شہر بھی بن گیا، جہاں متعدد صنعتوں نے فروغ پایا۔کپڑے کی صنعت خصوصاً بغداد میں خوب ترقی کرتی رہی۔ یہاں کے صنعت کار ریشمی کپڑے، باریک ململ، سوتی اور ریشمی چادریں، ٹشو اور رومال تیار کرتے تھے۔بغداد کا سقلاطون نامی ریشمی کپڑا ہر جگہ مقبول تھا، جس کے بعد عتابیہ نامی کپڑے کو شہرت حاصل ہوئی۔بغداد کے نواح میں واقع باقدر نامی بستی میں نہایت عمدہ سوتی کپڑا تیار کیا جاتا تھا۔حفیرہ بھی سوتی کپڑے کی پیداوار کا ایک اہم مرکز تھا۔کوفہ ریشمی کپڑوں، خصوصاً خز کی صنعت کے لیے بہت مشہور تھا۔ کوفہ کے عمامے اور رومال بھی خاصی مقبولیت رکھتے تھے۔ریشمی کپڑوں کے علاوہ کوفہ اونی اور سوتی کپڑوں کی صنعت کا بھی ایک اہم مرکز تھا۔ بصرہ میں بڑ نامی سوتی کپڑا تیار کیا جاتا تھا جو مضبوط اور نسبتاً موٹا ہوتا تھا۔ایلہ میں نفیس اور باریک کتان کے کارخانے تھے، جہاں سادہ اور نقش دار کپڑے تیار کیے جاتے تھے۔ململ اور عمامے کے کپڑے بنانے میں بھی اسے اہم مقام حاصل تھا۔ حیرہ، قصر، ابن ہبیرہ، تکریت اور موصل سوتی، اونی اور ریشمی کپڑوں کی صنعت کے اہم مراکز تھے۔اس کے علاوہ مصر کے مختلف شہر بھی پارچہ بافی کی صنعت کے لیے مشہور تھے، جبکہ خراسان اور ایران بھی اس صنعت میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔افریقہ کے بعض علاقوں میں بھی کپڑے کی صنعت کافی ترقی یافتہ تھی۔

قالین بافی کے اہم مراکز عراق کے شہر تھے، جن میں حیرہ اور تکریت نمایاں تھے، جہاں ریشمی اور اونی دھاگوں سے نہایت نفیس قالین تیار کیے جاتے تھے۔اسی زمانے میں برتنوں پر گلکاری کی صنعت نے بھی خاص ترقی کی۔ برتنوں، گلدانوں، صراحیوں، جاموں اور شیشے کے برتنوں پر عمدہ نقش و نگار بنائے جاتے تھے۔ مٹی اور چینی کے برتن بھی تیار کیے جاتے اور خوبصورتی سے آراستہ کیے جاتے تھے۔ برتن سازی میں سب سے زیادہ ترقی شیشے کی صنعت نے کی۔ شیشے کی صنعت کے اہم مراکز سامرا، بغداد، بصرہ اور قادسیہ تھے۔اسی دور میں نجف بلور سازی کا بھی ایک اہم مرکز بن گیا۔ چاندی اور سونے کے برتن بھی تیار کیے جاتے تھے، جن کی اعلیٰ طبقے میں بہت مانگ تھی۔لوہے کے برتنوں میں کڑاہیاں، دیگچے، توے، چھریاں اور چاقو شامل تھے۔لوہے کی صنعت نے تلواروں، زرہوں، خودوں، نیزوں، بھالوں، تیروں اور دیگر اسلحہ سازی کو بھی فروغ دیا۔ عباسی عہد میں سائنس اور ریاضی کے آلات کی تیاری بھی ترقی کر گئی۔ حران ریاضی اور انجینئرنگ کے آلات، خصوصاً اصطرلاب سازی، کا ایک اہم مرکز تھا۔

عباسی عہد میں چمڑے کی صنعت بھی خوب پروان چڑھی۔ موزے، جرابیں، جوتے، چپل، کوٹ اور جرسی جیسی متعدد اشیاء سادہ اور رنگین دونوں صورتوں میں تیار کی جاتی تھیں۔ اس صنعت کے اہم مراکز بغداد، کرخ اور بصرہ تھے۔ عباسی خلفاء نے مختلف صنعتوں کے لیے اپنے ذاتی کارخانے قائم کیے تھے، جو **طراز یا دار الطراز** کہلاتے تھے، جبکہ ان کے نگران افسر **صاحب الطراز** کہلاتے تھے۔ صوبوں کے گورنروں اور امیروں نے بھی ایسے کارخانے قائم کیے، جن میں بڑی مقدار میں سامان تیار کیا جاتا تھا۔ اہواز کے ایک حاکم نے وہاں اسی (80) کارخانے قائم کر رکھے تھے، جہاں کپڑا، برتن، سونے، چاندی اور لوہے کی مختلف اشیاء تیار کی جاتی تھیں۔

عباسی دور میں لکڑی کی صنعت نے بھی نمایاں ترقی کی۔ لکڑی سے بنی ہوئی اشیاء عوام اور خواص دونوں استعمال کرتے تھے۔ روزمرہ ضرورت کی متعدد اشیاء عمدہ لکڑی سے تیار کی جاتی تھیں۔ عود، طنبورہ وغیرہ آبنوس اور عاج سے بنائے جاتے تھے۔ کشتیوں اور جہازوں کی تیاری میں بھی اس صنعت نے ترقی کی۔ اس کے علاوہ زرگری، روغن گری اور دیگر صنعتوں نے بھی عباسی عہد کی معیشت کو مضبوط بنایا۔ آمدنی کے لحاظ سے پورے عباسی معاشرے کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- مالدار طبقہ، جس میں سب سے اوپر خلفاء، ان کے وزراء، حکومت کے اعلیٰ اراکین اور حکمران خاندان کے افراد شامل تھے۔ ان کے بعد بڑے تاجر، بڑے زمیندار اور صنعت کار آتے تھے۔
- دوسرا طبقہ متوسط آمدنی والوں پر مشتمل تھا، جس میں حکومت کے درمیانی درجے کے اہلکار، تنخواہ دار علماء، قضاۃ، دوسرے درجے کے کاریگر، تاجر اور کاشتکار شامل تھے۔
- تیسرا طبقہ کم آمدنی والے افراد پر مشتمل تھا، جس میں معمولی سپاہی، حکومتی کارکن، معمار، مزدور اور دیگر محنت کش شامل تھے۔

7.3.2.3 تجارت و کامرس

عباسی عہد میں سلطنت کی وسعت اور ترقی یافتہ تہذیب نے وسیع پیمانے پر بین الاقوامی تجارت کو ضروری بنا دیا۔ ابتدا میں تجارت پر مسیحیوں، یہودیوں اور زرتشتیوں کا غلبہ تھا، لیکن بعد میں مسلمانوں اور عربوں نے اس میدان میں فوقیت حاصل کر لی۔ بغداد، بصرہ، صیراف، قاہرہ اور اسکندریہ جیسی بندرگاہیں جلد ہی زمینی اور بحری تجارت کے اہم مراکز بن گئیں۔ مسلم تاجر مشرق میں چین تک پہنچے، جو عرب روایت کے مطابق دوسرے عباسی خلیفہ المنصور کے زمانے میں ہی بصرہ سے قابل رسائی ہو چکا تھا۔ ہندوستان اور چین کے ساتھ عرب و فارسی بحری مواصلات کا ذکر سلیمان التاجر اور تیسری صدی ہجری کے دیگر مسلم تاجروں نے بھی کیا ہے۔ تجارت کی بنیاد ریشم تھی، جو **شاہراہِ ریشم** کے ذریعے لایا جاتا تھا۔ یہ شاہراہ سمرقند اور چینی ترکستان سے گزرتی تھی۔ تجارتی اشیاء عموماً خچروں کے ذریعے منتقل کی جاتی تھیں، جبکہ چند ہی قافلے پورا سفر طے کرتے تھے۔ تجارت کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- **مقامی تجارت:** ہر شہر، قصبے اور گاؤں کی اپنی مقامی تجارت ہوتی تھی، خصوصاً ان بازاروں میں جو سال کے مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر لگتے تھے۔ عباسی عہد میں بغداد، کرخ، سامرا، جعفریہ اور دیگر بڑے شہروں و تہذیبی مراکز کے اپنے مستقل بازار تھے۔ بغداد

میں تو ہر قسم کے سامانِ تجارت کے الگ الگ بازار قائم تھے۔

- **ملکی تجارت:** بیرونی تاجروں نے کرخ میں اپنے اپنے الگ بازار قائم کر رکھے تھے۔ان میں شام، بلخ، مرو، بخارا، کابل اور خوارزم وغیرہ کے الگ الگ بازار شامل تھے۔ محلہ حربیہ بیرونی تاجروں کی سب سے بڑی منڈی بن گیا تھا۔ ملکی تجارت کے اہم مراکز میں بصرہ، ابلہ، دمشق، سامرا، موصل، مصر اور افریقہ کے مختلف شہر شامل تھے۔
- **غیر ملکی تجارت:** ملکی اور غیر ملکی تجارت کا سب سے بڑا مرکز بصرہ تھا، جو بین الاقوامی تجارت کا بھی اہم مرکز تھا۔ مشرقی علاقوں کے تاجر چین اور ہندوستان سے بھی یہاں آتے تھے۔ بصرہ بری اور بحری دونوں قسم کی تجارت کا مرکز تھا۔اس کی سب سے بڑی منڈی **المربد** تھی۔ ابلہ دوسرا اہم تجارتی مرکز تھا، جہاں زیادہ تر بحری تجارت ہوتی تھی۔ بصرہ کے تین مشہور بازار، **سوق خزاعہ، سوق عثمان** اور **سوق قداحین** بالترتیب صبح، دوپہر اور شام کے اوقات میں لگتے تھے۔ یہ عام خرید و فروخت کے اہم مراکز تھے۔

موصل ملکی اور غیر ملکی دونوں قسم کی تجارت کا اہم مرکز تھا اور زیادہ تر آذربائیجان، شام، آرمینیا اور جنوبی عراق سے منسلک تھا۔اس کی تجارت زیادہ تر زمینی راستوں سے ہوتی تھی۔ عراق میں کوفہ بھی ایک بڑا تجارتی مرکز تھا، خصوصاً جزیرۂ عرب آنے جانے والوں کے لیے۔ اپنی کپڑا سازی کی صنعت کی وجہ سے بھی وہ ایک اہم تجارتی منڈی بن چکا تھا۔ جزیرۂ عرب میں مدینہ، طائف، یمن، بحرین، صنعاء، دومۃ الجندل اور بجر اہم تجارتی منڈیاں تھیں۔ شام کے تمام بڑے شہر، اسی طرح ایران، خراسان، کابل، افغانستان، سندھ، ہندوستان، مصر اور شمالی افریقہ کے بڑے شہر بھی تجارت کے اہم مراکز تھے۔ ملکی تجارت میں پانچ بڑی شاہراہیں تمام اہم مراکز کو بغداد سے ملاتی تھیں۔ بحری تجارت بھی مقامی، ملکی اور بین الاقوامی تینوں سطحوں پر رائج تھی۔ اندرونِ ملک دجلہ اور فرات کے دریاؤں میں کشتیوں کے ذریعے مقامی اور ملکی تجارت بڑے پیمانے پر کی جاتی تھی۔ بازاروں میں تاجروں کے بھی مختلف طبقات تھے، جنہیں تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا تھا:

- **الرکاض** : یہ بین الاقوامی تاجر تھے، جو مختلف ممالک سے تجارت کرتے اور مختلف علاقوں میں اپنے تجارتی مراکز قائم رکھتے تھے۔
- **الخزان** : یہ عموماً ذخیرہ اندوز یا سٹہ بازار سے وابستہ تاجر ہوتے تھے اور اکثر منڈیوں پر ان کا اثر و رسوخ ہوتا تھا۔
- **المجہز** : یہ اپنے سرمائے سے تجارت کرتے تھے اور دوسروں کی تجارت کے منافع میں بھی شریک ہو جاتے تھے۔

ان کے علاوہ ہر قسم کے سامان کے دلال بھی ہوتے تھے، جو سودا طے کرانے پر کمیشن لیتے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ خریدار اور فروخت کنندہ، دونوں سے اپنا معاوضہ وصول کرتے تھے۔اس عہد میں ہنڈی کا رواج بھی موجود تھا۔ تاجر عموماً نقد رقم لے کر سفر نہیں کرتے تھے، بلکہ بڑے تاجروں سے اپنے تجارتی مراکز میں موجود ان کے گماشتوں کے نام ہنڈی بنوا لیتے تھے۔اس خدمت کے عوض وہ کچھ معاوضہ بھی ادا کرتے تھے۔ بعد میں تاجر اپنے مطلوبہ مقام پر گماشتوں سے ہنڈی نقد رقم میں وصول کر لیتے تھے۔اس طریقے کو **سفتجہ** یا **سفتیج** کہا جاتا تھا۔ جہاں تک سامانِ تجارت کا تعلق ہے، مختلف تجارتی مراکز مختلف اشیاء کے لیے مشہور تھے۔ بصرہ سے حنا، بنفشہ، عرقِ گلاب، خز (ریشمی کپڑا) اور کھجوریں آتی تھیں۔ ابلہ سے گیہوں، جو، شہد، نمک، سمانی دراج اور پردے لائے جاتے تھے۔ کوفہ سے روغن، بنفشہ، کھجوریں، رومال اور خز کے ریشمی کپڑے آتے تھے۔ شام سے شیشہ، شیشے کے برتن، پھل، شکر، زیتون، روئی اور ریشم فراہم کیا جاتا تھا۔ شمالی افریقہ سے تلواریں، لونڈیاں،

غلام، سنجاب، سمور، فر، لبادے اور اونی کپڑے آتے تھے۔ ہندوستان سے ہاتھی، جوزِ ہندی، آبنوس، سفید صندل، کھالیں، عودِ ہندی، کافور، یاقوت، موتی اور مختلف مسالے برآمد کیے جاتے تھے۔ چین سے کاغذ، دوائیں، سونے اور چاندی کے برتن، قفل، مشک، دار چینی، دیباج، ریشم، ریشمی کپڑے اور عطر آتے تھے۔ اندلس سے برز، زنبق، باندیاں اور قیمتی کپڑے لائے جاتے تھے۔ اسی طرح مصر، موصل، یمن، آرمینیا، مکہ، مدینہ، ایران اور ترکستان کی مختلف مصنوعات بھی تجارت کا اہم حصہ تھیں۔ ان تجارتی اشیاء اور ملکی و بین الاقوامی تجارت نے عباسی سلطنت کی معیشت کو نہایت مضبوط بنایا۔

7.3.3 غلامی کا ادارہ

غلامی کے عام رواج کا اندازہ خلیفہ کے محل میں موجود غلاموں کی بڑی تعداد سے کیا جاسکتا ہے۔ المقتدر کے محل میں 11000 (گیارہ ہزار) یونانی اور سوڈانی خصیان (غلام) تھے۔ ایک رپورٹ کے مطابق المتوکل کی 4000 (چار ہزار) داشتائیں تھیں۔ ایک موقع پر اس خلیفہ کو اپنے ایک جرنیل کی طرف سے دو سو کنیزوں کا تحفہ ملا۔ گورنر اور جرنیل خلیفہ یا وزیر کو غلام یا کنیزیں بطور تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ خلیفہ کی خدمت پر مامور تقریباً تمام خادم غلام ہوتے تھے، جو یا تو جنگ کے دوران قیدی بنائے جاتے تھے یا امن کے زمانے میں خریدے جاتے تھے۔ ان غلاموں میں کچھ نیگرو، ترک اور کچھ سفید فام ہوتے تھے۔ سفید فام غلام زیادہ تر یونانی، سلاوی، آرمینیائی اور بربر ہوتے تھے۔ مخصوص غلام **خصیان** کہلاتے تھے اور حرم کی خدمت پر مامور کیے جاتے تھے۔ کچھ کو **غلمان** کہا جاتا تھا، جو اپنے آقاؤں کی خصوصی عنایات کے مستحق ہوتے تھے۔ الامین نے عرب دنیا میں غلمان کے استعمال کو متعارف کرایا۔ المامون کے عہد میں ایک قاضی کے پاس بھی اس قسم کے بہت سے نوجوان غلام موجود تھے۔ غلام دوشیزائیں گلوکارہ، رقاصہ اور داشتہ کے طور پر استعمال ہوتی تھیں، اور ان میں سے بعض نے اپنے آقاؤں پر خاصا اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ ایک دوشیزہ **ذات الخال** (تل والی) کے نام سے مشہور تھی، جسے ہارون الرشید نے 70000 (ستر ہزار) درہم میں خریدا۔ ہارون الرشید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اس سے اس قدر متاثر تھا کہ اس کے شوہر کو سات سال کے لیے فارس کا گورنر مقرر کر دیا۔ ہارون الرشید کی بیوی قبیدہ نے اپنے شوہر کی توجہ ایک مغنیہ سے ہٹانے کے لیے اسے دس دوشیزائیں پیش کیں، جن میں سے ایک بعد میں المامون کی ماں اور دوسری المعتصم کی ماں بنی۔ خلیفہ الامین کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس نے کنیزوں کا ایک ایسا دستہ تیار کیا، جس کی اراکین چھوٹے بال رکھتی تھیں، لڑکوں جیسا لباس پہنتی تھیں اور ریشمی پگڑیاں باندھتی تھیں۔

اسلام نے غلاموں کو جو حقوق اور مراعات دی تھیں، وہ عباسی عہد میں بھی برقرار رہیں۔ جنگوں میں گرفتار کیے گئے قیدی غلام اور کنیز بنائے جاتے رہے، اور ان کی خرید و فروخت بازاروں میں جاری رہی۔ خلفاء اور دوسرے بااثر طبقات کے غلاموں کی حالت اور سماجی حیثیت ان کے آقاؤں کے مقام و مرتبے کے مطابق ہوتی تھی، اور وہ غلام ہونے کے باوجود معاشرے میں بلند مقام حاصل کر لیتے تھے۔ اسلام میں غلامی سماجی ذلت کی علامت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ البتہ کنیزوں اور باندیوں کو وہ مقام نہ حرم میں حاصل تھا اور نہ ہی معاشرے میں۔ تاہم خلفاء کی مائیں اور امراء کی بعض بیویاں، اگرچہ اصل میں غلام یا باندی رہی ہوں، سماج میں بلند مقام و حیثیت کی مالک ہوتی تھیں، خواہ انہیں سیاسی مناصب حاصل ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔

7.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عہدِ امیہ (661–750ء) میں عرب قبائل کا اثر غالب تھا۔ غیر عرب مسلمان (موالی) نسبتاً کمتر سمجھے جاتے تھے۔ درباری اور فوجی اشرافیہ زیادہ تر قریشی اور عرب قبائل سے تعلق رکھتی تھی۔ مذہبی اور سیاسی اختلافات نے بھی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ معیشت بنیادی طور پر زرعی پیداوار پر مبنی تھی۔ شام، عراق اور مصر بڑے زرعی مراکز تھے۔ مالیہ (خراج، جزیہ) حکومت کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھا۔ اس عہد میں کرنسی کو مستحکم کیا گیا اور سونے و چاندی کے سکے ڈھالے گئے۔ اموی عہد میں عرب تاجر بحیرۂ روم، ہندوستان، چین اور مشرقی افریقہ تک تجارت کرتے تھے۔ ریشم، مسالہ جات، قیمتی پتھر اور غلہ اہم تجارتی اشیاء تھیں۔ عدن، اسکندریہ اور بصرہ اہم تجارتی مراکز تھے۔ اموی عہد میں غلامی کا نظام موجود تھا۔ غلام فوج، گھریلو خدمت اور زراعت کے کاموں میں استعمال ہوتے تھے۔ غیر مسلم مفتوحہ علاقوں سے بڑی تعداد میں غلام لائے جاتے تھے۔ بعض غلام علمی، ادبی اور عسکری لحاظ سے بھی نمایاں تھے۔ اموی عہد میں غلامی ایک سماجی ادارے کی صورت میں موجود تھی۔ عہدِ اموی میں معیشت زرعی پیداوار، خراج اور تجارت پر قائم تھی۔ عرب اشرافیہ کو سماجی برتری حاصل رہی۔ غلامی نے معاشرتی اور معاشی ڈھانچے میں اہم کردار ادا کیا، جبکہ تجارت نے خلافت کو عالمی سطح پر مربوط کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

عباسی عہد میں سماجی سطح پر ایک کثیر الثقافتی معاشرہ وجود میں آیا۔ اسلامی روح کے ساتھ غیر اسلامی اثرات کا بھی امتزاج ہوا۔ مختلف قوموں اور مذاہب کے ماننے والوں کے باہمی میل جول کے نتیجے میں معاشرے پر عربی رنگ پہلے کی طرح غالب نہ رہا۔ بنو عباس کے عہد میں عجمی رنگ کو زیادہ غلبہ حاصل ہوا۔ مختلف قوموں کے باہمی اختلاط سے ایک نئی تہذیب نے جنم لیا، جو عباسی دور کی نمایاں سماجی تہذیب بن گئی۔ عہدِ عباسی میں بھی زراعت معیشت کی بنیاد رہی۔ خراج اور عشر سے بیت المال کو مسلسل آمدنی حاصل ہوتی رہی، جبکہ صنعت و دستکاری نے بھی نمایاں ترقی کی۔ بغداد دنیا کا ایک بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ ہندوستان، چین، افریقہ اور یورپ تک تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔ بحری اور بری دونوں راستوں سے تجارت کی جاتی تھی۔ بحیرۂ روم اور خلیج فارس اہم تجارتی مراکز تھے۔ ریشم، کپاس، مسالہ جات، کاغذ، خوشبوئیں، قیمتی پتھر اور غلہ اہم تجارتی اشیاء تھیں۔ تجارت کے فروغ کے ساتھ ہنڈی (بنکاری) کا نظام بھی ترقی کر گیا۔ عباسی عہد میں غلامی ایک مضبوط ادارہ رہی۔ فوج، دربار اور گھریلو خدمت میں غلام اور کنیزیں استعمال ہوتی رہیں۔ غلاموں کی خرید و فروخت بھی بازاروں میں جاری رہی۔ عباسی دور میں معیشت زرعی پیداوار، صنعت اور تجارت کے امتزاج پر استوار تھی۔ بغداد عالمی تجارت اور علم، دونوں کا اہم مرکز بن گیا۔ غلامی فوجی اور معاشی ڈھانچے کا حصہ رہی، جبکہ بین الاقوامی تجارت نے خلافت کو دنیا کی بڑی طاقتوں میں شامل کر دیا۔

7.9 کلیدی الفاظ (Keywords)

داد خواہ : استغاثہ کرنے والا، مدعی

اشرافیہ : امراء، شرفاء، اعلیٰ خاندان

ولایہ : دوستی کا رشتہ

مرکز ثقل : کسی جسم کا وہ نقطہ جس پر اس جسم کے سب اجزاء برابر تلے رہیں اور وہ جسم گرنے نہ پائے۔ یعنی مرکز

7.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

7.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. اموی اور عباسی دور میں غیر عرب نو مسلموں کے طبقے کو کیا کہا جاتا تھا؟

(الف) ذمی (ب) موالی (ج) ام ولد (د) حمال

2. عباسی دور میں بیرونِ ملک محفوظ طریقے سے رقم منتقل کرنے کے لیے کون سا بینکاری (Banking) طریقہ رائج تھا؟

(الف) طراز (ب) جزیہ (ج) سفتجہ (ہنڈی) (د) خراج

3. اسلامی قانون کے مطابق اگر آقا کے نطفے سے کنیز سے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اس کنیز کو کیا کہا جاتا تھا؟

(الف) موالی (ب) ذمی (ج) امِ ولد (د) کنیز زاد

4. عباسی خلفاء نے مختلف صنعتوں اور پارچہ بافی کے لیے اپنے ذاتی کارخانے قائم کیے تھے، انہیں کیا کہا جاتا تھا؟

(الف) بیت المال (ب) دار الطراز (ج) بیت الحکمت (د) مجالس السلام

5. ہارون رشید نے حکومتی آمدنی، زکوٰۃ، جزیہ اور ٹیکس کے قوانین کو منظم کرنے کے لیے کس سے "کتاب الخراج" تصنیف کرائی؟

(الف) امام ابو حنیفہؒ (ب) قاضی ابو یوسفؒ (ج) امام مالکؒ (د) امام شافعیؒ

7.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. موالی پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔
2. امیہ عہد میں ادارۂ غلامی پر ایک مختصر مضمون قلم بند کریں۔
3. عہد عباسیہ میں تجارت کس نوعیت کی تھی؟ اظہار خیال کریں۔

7.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. عہد امیہ کے فن تعمیر پر تفصیلی گفتگو کریں۔
2. عہد عباسیہ کی معاشرتی زندگی پر روشنی ڈالیں۔

جوابات

1۔(ب) موالی 2۔(ج) سفتجہ (ہنڈی) 3۔(ج) امِ ولد 4۔(ب) دار الطراز

5۔(ب) قاضی ابو یوسفؒ

اکائی 8۔اموی اور عباسی دور میں سائنسی و ثقافتی ارتقاء

(Scientific and Cultural Developments during the Umayyads and Abbasids)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 عہد بنوامیہ

8.2.1 علوم وفنون کا ارتقاء

8.2.2 فنون لطیفہ

8.2.2.1 فنِ تعمیر

8.2.2.2 موسیقی

8.2.2.3 مصوری

8.2.2.4 خطاطی

8.3 عہد بنو عباس

8.3.1 سائنسی ارتقا

8.3.1.1 علم طب

8.3.1.2 ریاضی

8.3.1.3 علم ہئیت و نجوم

8.3.1.4 دیگر طبعی علوم

8.3.1.5 ادبی علوم وفنون اور زبان و لغت

8.3.2 فنون لطیفہ

8.3.2.1 فنِ تعمیر

8.3.2.2 موسیقی

8.3.2.3 مصوری
8.3.2.4 خطاطی
8.3.3 بیت الحکمت
8.3.4 فقہی مکاتب فکر
8.4 اکتسابی نتائج
8.5 کلیدی الفاظ
8.6 نمونہ امتحانی سوالات

8.0 تمہید (Introduction)

تاریخِ اسلام کا اموی عہد (661–750ء) اور عباسی عہد (750–1258ء) تہذیب و تمدن اور سائنسی تحقیقات کے ارتقاء میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ وہ عہد ہے جس میں نہ صرف سیاسی استحکام پیدا ہوا بلکہ علم و ادب، فنونِ لطیفہ، سائنسی تحقیقات اور فقہی نظام کی بنیادیں بھی مستحکم ہوئیں۔ خصوصاً عباسی عہد کو اسلام کا سنہری دور (Golden Age of Islam) کہا جاتا ہے، جہاں یونانی، ایرانی اور ہندی علوم کے تراجم اور ان کی ترقی نے عالمی سطح پر ایک علمی انقلاب برپا کیا۔ اموی عہد میں اگرچہ توجہ زیادہ تر فتوحات اور نظمِ حکومت پر رہی، تاہم اسی دور میں عربی زبان کو سرکاری حیثیت دی گئی، جو بعد کی علمی ترقی کی بنیاد ثابت ہوئی۔ طب اور فلکیات کے ابتدائی تراجم کا آغاز بھی اسی عہد میں ہوا۔ اموی خلافت کا مرکز دمشق تھا، جہاں سلطنت کی توسیع اور انتظامی اصلاحات کے ساتھ ابتدائی علمی سرگرمیوں نے بھی فروغ پایا۔ عباسی خلافت کا مرکز بغداد تھا، جو علم و ثقافت کا عالمی مرکز بن گیا۔ اس دور میں سائنسی ترقی اپنے عروج پر پہنچی۔ ریاضی، طب، فلکیات اور فلسفہ کے میدان میں بے مثال کام ہوا۔ الخوارزمی نے الجبرا کی بنیاد رکھی، جبکہ الرازی اور ابنِ سینا نے طب کے شعبے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اسی عہد میں یونانی، سنسکرت اور فارسی زبانوں کی متعدد اہم کتابوں کے عربی تراجم کیے گئے۔ علاوہ ازیں، اسلامی فقہ کو باقاعدہ علمی شکل دی گئی اور فقہِ حنفی، فقہِ مالکی، فقہِ شافعی اور فقہِ حنبلی جیسے مکاتبِ فکر منظم صورت میں سامنے آئے۔

اموی اور عباسی ادوار نے اسلامی تہذیب کو علمی، ثقافتی اور فکری لحاظ سے بامِ عروج تک پہنچایا۔ اموی دور نے اس ترقی کی بنیاد فراہم کی، جبکہ عباسی دور نے اسے وسعت اور گہرائی عطا کی۔ عباسی خلفاء میں ابو جعفر منصور نے سب سے پہلے علم کی اشاعت پر خصوصی توجہ دی۔ حدیث، طب اور نجوم سے متعلق متعدد کتابیں اسی کے عہد میں لکھی گئیں، جبکہ جالینوس اور سقراط کی بعض کتابوں کے تراجم بھی اسی دور میں ہوئے۔ ہارون رشید کے زمانے میں **بیت الحکمت** کے نام سے ایک باقاعدہ علمی ادارہ قائم کیا گیا، جس کے تحت مختلف اقوام اور زبانوں میں موجود اہم کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کی سرپرستی میں یونانی، سریانی، سنسکرت اور فارسی زبانوں میں طب، فلسفہ، منطق، حساب،

ہیئت، الجبرا، لحن اور موسیقی جیسے موضوعات پر لکھی گئی کتابوں کا ترجمہ کرایا گیا، جس کے نتیجے میں یہ علوم وفنون عربی زبان کے علمی ذخیرے کا حصہ بن گئے۔ بیت الحکمت، سائنسی ترقی، فنونِ لطیفہ، ادب اور فقہی مکاتب کی تشکیل نے نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔

8.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- عہد اموی وعباسی میں علم وادب، سائنس اور فنون لطیفہ کے میدان میں ترقی اور بیت الحکمت کی سرگرمیوں کو جان سکیں گے۔
- اس عہد میں زبان وادب کے میدان میں جو ارتقاء ہوا، اس سے واقف ہو جائیں گے۔
- فقہی مکاتب فکر، اہم ائمہ اور ان کی خدمات سے واقف ہو جائیں گے۔

8.2 عہد بنو امیہ

8.2.1 علوم وفنون کا ارتقاء

عہدِ نبوی سے اسلامی علوم و فنون کا جو ارتقاء شروع ہوا تھا، وہ خلافتِ راشدہ کے ابتدائی دور میں مزید تیز ہوا، لیکن اس زمانے میں تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ وغیرہ کے صرف ابتدائی آثار ہی سامنے آسکے تھے۔ بنو امیہ کے عہد میں اسلامی علوم وفنون کو بنیادی فروغ حاصل ہوا اور زبانی روایات کے ساتھ ساتھ کتابت و صحافت کے ذریعے ان علوم کی باقاعدہ تدوین کا آغاز ہوا۔ ذیل میں مختلف علوم کے اعتبار سے اس علمی ارتقاء کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

عربی گرامر: اموی عہد میں عراق کا شہر بصرہ، جس کی آبادی 670ء تک تقریباً تین لاکھ ہو چکی تھی، عربی زبان اور علمِ صرف ونحو کے سائنسی مطالعے کا اہم مرکز بن گیا۔ عربی صرف ونحو کے بانی ابوالاسود الدؤلی تھے، جن کا انتقال 688ء میں بصرہ میں ہوا۔ بعد ازاں بصری محقق خلیل بن احمد (وفات 791ء) نے پہلی عربی لغت کتاب العین تصنیف کی اور علمِ عروض و قوافی کی بنیاد رکھی، جو آج بھی رائج ہے۔ ان کے فارسی شاگرد سیبویہ (وفات 793ء) نے عربی صرف ونحو پر پہلی منظم نصابی کتاب الکتاب مرتب کی۔

قرآن و تفسیر: اموی دور میں قرآنِ مجید، علومِ قرآن اور تفسیر کے میدان میں بنیادی خدمات انجام دی گئیں۔ قرآنِ مجید کی کتابت میں نقطوں اور اعراب کے استعمال کا کام والیٔ عراق حجاج بن یوسف ثقفی کے عہد میں انجام پایا، جبکہ رسم الخط کے بعض اصول بھی اسی دور میں اختیار کیے گئے۔ اسی زمانے میں قراءت کے فن کو نمایاں فروغ ملا اور قرائے سبعہ اسی دور میں سامنے آئے۔ تفسیرِ قرآن کی باقاعدہ بنیاد بھی اسی عہد میں پڑی۔ حضرت عبداللہ بن عباس اس فن کے عظیم ترین امام سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے مکتبِ فکر سے وابستہ عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن بصری اور عطاء بن ابی مسلم خراسانی جیسے مفسرین نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اموی عہد کو تفسیر کے ارتقاء کا بنیادی دور قرار دیا جاتا ہے۔

حدیث: اموی دور کے ممتاز محدثین میں امام محمد بن مسلم، المعروف ابن شہاب زہری، کا نمایاں مقام ہے۔ انہوں نے زبانی روایت کے ساتھ حدیث کی تدوین کا بھی اہتمام کیا۔ اموی خلیفہ ہشام کے حکم سے انہوں نے حدیث کی ایک کتاب مرتب کی، جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں بھی ان سے احادیث کی تدوین کرائی گئی۔ اموی عہد کے اواخر میں موطاامام مالک کے علاوہ صحیفۂ ہمام بن منبہ، صحیفۂ حمید الطویل بصری اور صحیفۂ خراش بن عبداللہ اس دور کی اہم حدیثی تصانیف میں شمار ہوتی ہیں۔

فقہ: فقہِ اسلامی کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے اور اس کا آغاز عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ میں ہو چکا تھا، تاہم ایک مستقل اور منظم علم کی حیثیت سے فقہ کا ارتقاء اموی خلافت میں ہوا۔ ابتدائی دور میں صحابہ بیک وقت مفسر، محدث اور فقیہ تھے، لیکن تابعین کے زمانے میں تخصص کا رجحان پیدا ہوا اور فقہ ایک مستقل علمی شعبے کے طور پر ابھرنے لگی۔ مدینہ منورہ میں عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، ابو بکر محمد بن عبدالرحمن مخزومی اور خارجہ بن زید جیسے فقہاء نے اس علم کو فروغ دیا۔ ان کے علاوہ ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان، زید بن اسلم اور یحییٰ بن سعید انصاری بھی ممتاز مدنی فقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح کوفہ، بصرہ اور دمشق میں ابراہیم نخعی، امام شعبی، قاضی شریح اور امام مکحول جیسے فقہاء نے فقہ کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان خود بھی بڑے فقہاء میں شمار کیے جاتے تھے، جبکہ امام زہری، امام عروہ بن زبیر اور امام مکحول نے فقہ پر مستقل کتابیں بھی مرتب کیں۔ اموی دور کے آخری حصے میں فقہی مکاتبِ فکر کی بنیاد پڑی، جن میں امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے فقہی مکاتب نمایاں تھے، جبکہ دیگر مکاتب کو عباسی دور میں مزید فروغ حاصل ہوا۔

سیرت و مغازی: سیرت و مغازی کا فن حدیث سے نشو و نما پا کر اموی دور میں ایک مستقل علمی شعبہ بن گیا۔ حضرت عروہ بن زبیر اور امام زہری نے المغازی کے عنوان سے کتابیں تصنیف کیں، جو سیرتِ نبوی کی اولین تصانیف میں شمار ہوتی ہیں۔ محمد بن اسحاق اس فن کے سب سے نمایاں مصنف تھے۔ ان کی سیرت رسول اللہ ﷺ اس موضوع کی پہلی جامع کتاب سمجھی جاتی ہے جو بعد میں ابن ہشام کی تدوین کے ذریعے محفوظ رہی۔ امیر معاویہ کے حکم پر یمنی عالم عبید بن شریہ نے کتاب الامثال اور کتاب الملوک تصنیف کیں۔ عوانہ بن حکم کلبی نے کتاب التاریخ اور سیرت معاویہ لکھی، جبکہ وہب بن منبہ نے ملوکِ حمیر کے حالات قلم بند کیے۔ ہشام کے زمانے میں ایرانی تاریخ و علوم سے متعلق بعض کتابوں کے تراجم بھی ہوئے۔ عروہ بن زبیر اور معمر بن راشد نے اسلامی تاریخ کی روایات جمع کیں، جن سے بعد کے مؤرخین نے استفادہ کیا۔ کوفہ اور بصرہ میں تاریخ نویسی کے دو اہم مکاتب وجود میں آئے، جنہیں عراقی مکتبِ تاریخ کہا جاتا ہے۔ ابتدا میں قصہ گو تاریخی واقعات کو عوامی انداز میں بیان کرتے تھے، جن میں صحیح اور غیر صحیح روایات کی آمیزش ہوتی تھی، لیکن بعد میں تاریخ نویسی کو زیادہ منظم شکل ملی۔

علمِ نسب، ادب، لغت، انشاء، خطابت اور سائنسی علوم: اموی خلافت کے دوران علمِ نسب، ادب، شاعری، لغت، خطابت، انشاء، طب، فلکیات، کیمیا اور انجینئرنگ سمیت متعدد علوم نے نمایاں ترقی کی۔ عربی ادب اپنی نثر اور نظم دونوں جہتوں میں عروج پر پہنچا، جبکہ اخطل، فرزدق اور جریر جیسے شعراء اسی دور کی نمایاں شخصیات تھے۔ لغت کے میدان میں قتادہ اور ابو عمرو بن العلاء نے بنیادی خدمات انجام دیں، جبکہ

انشاءپردازی اور خطوط نویسی ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر گئی۔ خطابت کو مذہبی، عسکری اور سیاسی مقاصد کے لیے مؤثر ذریعہ بنایا گیا اور حسن بصری، زیاد بن ابیہ اور حجاج بن یوسف جیسے خطباء کے خطبات اس دور کے ادبی سرمایہ میں شمار ہوتے ہیں۔ طب کے میدان میں یونانی اور فارسی علوم کے تراجم کیے گئے۔ ماسرجویہ نے طب کی پہلی سائنسی کتاب عربی میں منتقل کی، جبکہ خلیفہ ولید نے جذام کے مریضوں کے علاج کے لیے عملی اقدامات کیے۔ عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے طبّی تعلیم کے مراکز کو اسکندریہ سے انطاکیہ اور حران منتقل کیا۔ اسی طرح الکیمیا، فلسفہ، ہندسہ، علمِ نجوم اور انجینئرنگ میں بھی ابتدائی پیش رفت ہوئی۔ خالد بن یزید نے یونانی اور قبطی کتابوں کے تراجم کروائے، جبکہ حضرت معاویہ کے دور میں جہاز سازی اور آب رسانی کے فن کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

8.2.2 فنون لطیفہ

8.2.2.1 فنِ تعمیر

اموی خلفاء نے مذہبی، دفاعی، انتظامی اور رفاہی مقاصد کے لیے عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرائیں، جن کے اثرات بعد کے عباسی، فاطمی، سلجوقی اور عثمانی فنِ تعمیر پر نمایاں طور پر مرتب ہوئے۔ اموی خلافت کے پورے دور میں نئے شہروں کی آبادکاری اور تعمیر کا سلسلہ جاری رہا۔ نئے شہر بسائے گئے اور قدیم شہروں کو ترقی دی گئی۔ حضرت معاویہ کے عہد میں افریقہ میں قیروان کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا گیا، جبکہ شام کے اجڑے ہوئے شہر مرعش کی از سرِ نو تعمیر کی گئی۔ مفتوحہ علاقوں میں اردبیل اور بردعہ کو ترقی دی گئی۔ عبدالملک بن مروان کے دور میں حجاج بن یوسف ثقفی نے کوفہ اور بصرہ کے درمیان واسط کے نام سے ایک شہر تعمیر کرایا، جو بعد میں اسلامی تہذیب کا اہم مرکز بن گیا۔ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں رملہ آباد کیا گیا، جو خلیفہ کا دوسرا پایۂ تخت تھا، جبکہ خلیفہ ہشام نے رصافہ کو اپنا دوسرا دارالحکومت بنایا۔ اسی دور میں سندھ میں محفوظہ اور منصورہ جیسے شہر بھی آباد کیے گئے۔

اموی خلفاء نے مساجد، کاروان سراؤں، مدارس اور شاہی محلات (قصور) کی تعمیر کے ساتھ ساتھ عوامی فلاح کے منصوبوں پر بھی خصوصی توجہ دی۔ نہریں کھدوائی گئیں، کنویں، حوض اور تالاب تعمیر کیے گئے۔ حضرت معاویہ نے مدینہ کے نواح میں نہرِ نظامہ، نہرِ ارزق اور نہرِ شہداء جیسی نہریں جاری کرائیں۔ عبداللہ بن زیاد نے بخارا کے پہاڑی سلسلے سے ایک نہر نکلوائی، جبکہ عبدالملک کے دور میں مکہ مکرمہ میں سیلِ جارف کے سدِّباب کے لیے بند تعمیر کیا گیا۔ ولید اول نے متعدد نہریں جاری کرائیں اور شاہراہوں کے کنارے کنویں کھدوائے، جبکہ سلیمان نے ایک چشمے کا پانی مسجدِ حرام تک پہنچایا۔ ہشام نے مکہ کے مختلف راستوں پر حوض اور تالاب تعمیر کرائے تاکہ حجاج کرام کو سہولت حاصل ہو۔ اموی خلفاء نے نہ صرف سرکاری محلات، مساجد اور امراء کی رہائش گاہوں میں پانی کی مسلسل فراہمی کا انتظام کیا بلکہ عوامی ضروریات کا بھی خیال رکھا۔ حضرت معاویہ نے ڈاک کے نظام کو مضبوط بنانے کے لیے سڑکیں تعمیر کرائیں، جسے عبدالملک نے مزید وسعت دی، جبکہ ولید اول کے دور میں شاہراہوں پر سنگِ میل نصب کیے گئے۔ بنوامیہ کی تعمیرات میں رومی، بازنطینی، ایرانی اور مقامی شامی طرزِ تعمیر کے اثرات نمایاں ہیں، تاہم ان تمام عناصر کو اسلامی جمالیات کے مطابق ہم آہنگ کر کے ایک منفرد اسلامی طرزِ تعمیر تشکیل دیا گیا۔

یروشلم (بیت المقدس) میں خلیفہ عبدالملک بن مروان نے 691ء میں قبۃ الصخرہ تعمیر کرایا۔ یہ آٹھ پہلوؤں پر مشتمل ایک شاندار عمارت ہے، جس کا سنہرا گنبد اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس کی اندرونی اور بیرونی دیواریں موزائیک سے مزین ہیں، جبکہ قرآنی آیات کی خطاطی، سنگِ مرمر اور رنگین شیشوں سے اس کی آرائش کی گئی ہے۔ یہ اسلامی دنیا کی پہلی عظیم یادگار عمارت تصور کی جاتی ہے۔ اس کی تعمیر کا مقصد اسلامی اقتدار کی عظمت کا اظہار، بیت المقدس کی مذہبی اہمیت کو اجاگر کرنا اور اسلامی فنِ تعمیر کی مضبوط بنیاد قائم کرنا تھا۔ اگرچہ اس کی تعمیر میں بازنطینی طرزِ گنبد کا اثر نمایاں ہے، تاہم مجموعی حیثیت سے اس کی شناخت مکمل طور پر اسلامی ہے۔ قبے کے گرد موجود کوفی خط میں لکھی ہوئی تحریریں، جن کا ایک حصہ بعد میں خلیفہ مامون کے زمانے میں تبدیل کیا گیا، آج بھی قدیم ترین اسلامی کتبوں میں شمار ہوتی ہیں۔ بعد کے ادوار میں اس عمارت کی مرمت اور جزوی ترمیم ضرور ہوئی، لیکن اس کی اصل ہیئت بڑی حد تک محفوظ رہی، اسی لیے اسے دنیا کی قدیم ترین محفوظ اسلامی یادگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

مسجدِ اقصیٰ کی توسیع عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک کے عہد میں کی گئی۔ کشادہ ہال، ستونوں کی قطاریں، محرابی چھتیں اور خوبصورت داخلی آرائش اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اسلام کے تیسرے مقدس مقام کی حیثیت سے اس مسجد کو خصوصی توجہ حاصل رہی۔ بعد میں 771ء میں عباسی خلیفہ منصور نے زلزلے کے بعد اس کی تعمیرِ نو کرائی۔ صلیبی دور میں اس میں تبدیلیاں کی گئیں، لیکن 1187ء میں صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کی بازیابی کے بعد دوبارہ اس کی اسلامی حیثیت بحال کی۔ قبۃ الصخرہ کی طرح مسجد اقصیٰ کا ذکر بھی ابتدائی جغرافیہ دانوں، خصوصاً ابن الفقیہ اور مقدسی، نے اپنی تصانیف میں کیا ہے۔

جامع مسجد دمشق، جسے اموی مسجد بھی کہا جاتا ہے، خلیفہ ولید بن عبدالملک کی تعمیر کردہ عظیم یادگار ہے۔ وسیع صحن، کشادہ نماز گاہ، بلند محرابیں اور موزائیک سے مزین دیواریں اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ یہ پہلی عظیم جامع اسلامی مسجد تھی جس نے بعد کی اسلامی مساجد کے لیے ایک نمونہ فراہم کیا۔ اس کی تعمیر میں بازنطینی، یونانی، فارسی اور ایرانی کاریگروں نے حصہ لیا۔ مسجد میں روشنی اور ہوا کے مناسب انتظام کے ساتھ وسیع پیمانے پر سنگِ مرمر استعمال کیا گیا۔ اس کا شمالی مینار، جو بعد میں منارۂ نور کے نام سے معروف ہوا، شام، شمالی افریقہ اور اندلس کی مساجد کے لیے نمونہ ثابت ہوا۔ تین راہداریاں، ایک عرضی بازو اور اس کے اوپر قائم عظیم گنبد بھی ولید بن عبدالملک کی تعمیراتی بصیرت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جغرافیہ دان مقدسی نے دسویں صدی میں اس مسجد کی سونے اور قیمتی پتھروں سے مزین پچی کاریوں کی تعریف کی ہے۔ اگرچہ یہ مسجد مختلف ادوار میں زلزلوں، تیمور کی یلغار اور آتش زدگی سے متاثر ہوئی، تاہم اسلامی تہذیب میں اس کی عظمت اور تاریخی اہمیت ہمیشہ برقرار رہی۔

قصر الحیر الشرقی والغربی نامی شاہی محل شام میں ہشام بن عبدالملک نے تعمیر کرایا۔ اس کا مقصد شاہی رہائش، فوجی مرکز اور تجارتی قافلوں کی نگرانی تھا۔ مضبوط فصیل، بلند دروازے، اندرونی باغات، حمام اور رہائشی کمرے اس محل کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ یہ اموی صحراوی محلات کی بہترین مثالوں میں شمار ہوتا ہے۔

قصر عمرہ ولید بن یزید کے عہد کی ایک اہم تعمیر ہے۔ اس میں شاہی غسل خانہ، گنبدی چھت اور دیواروں پر شکار، موسیقی، شاہی زندگی اور دیگر مناظر کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ تاریخی اعتبار سے یہ اسلامی دنیا میں ابتدائی فریسکو مصوری کی نادر مثال تصور کیا جاتا ہے۔ بنو امیہ کے دور میں قصر المشتی، جامع قیروان کی ابتدائی تعمیر، واسط اور بصرہ کی شہری منصوبہ بندی بھی اہم تعمیراتی کارناموں میں شامل ہیں۔ ان تمام عمارتوں میں سادگی اور عظمت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ رنگین پتھروں، شیشوں، خطاطی، محرابوں اور گنبدوں کے ساتھ رومی، ساسانی اور شامی طرزِ تعمیر کے عناصر کو اسلامی ذوق کے مطابق ہم آہنگ کیا گیا۔ اس طرح بنو امیہ کا عہد اسلامی فنِ تعمیر کی مضبوط بنیاد ثابت ہوا، جس نے بعد کی صدیوں کے اسلامی تعمیراتی ارتقاء کی سمت متعین کی۔

8.2.2.2 موسیقی

عہدِ اموی موسیقی کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دور میں موسیقی نے عرب روایات کی حدود سے نکل کر بین الاقوامی اثرات قبول کیے اور ایک باقاعدہ فن کی صورت اختیار کی۔ اموی عہد نے موسیقی کو محض تفریح کا ذریعہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے تہذیبی اور فنی اظہار کی ایک اہم صورت بنا دیا۔ خلفاء، خصوصاً ولید بن یزید، یزید بن معاویہ اور عبدالملک بن مروان، موسیقی سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے درباروں میں گلوکاروں اور سازندوں کو خصوصی مقام حاصل تھا۔ اموی عہد کے نمایاں موسیقاروں میں ابن مسجح کو عربی موسیقی کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ایرانی اور رومی دھنوں کو عربی موسیقی کے ساتھ ہم آہنگ کر کے نئے آہنگ متعارف کرائے۔ ان کے شاگرد ابن محرز نے فارسی موسیقی کے اثرات کو عربی موسیقی میں مزید وسعت دی۔ معبد اپنے زمانے کے ممتاز گلوکار تھے اور انہیں خلفاء کی محفلوں میں خصوصی طور پر مدعو کیا جاتا تھا۔ جمیلہ مدینہ کی مشہور مغنیہ تھیں، جنہیں ''ملکۂ موسیقی'' کہا جاتا تھا۔ ان کی رہائش گاہ پر ادبی اور موسیقی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ حباب اور سلام بھی درباری موسیقار تھے اور اپنے فن میں مہارت رکھتے تھے۔ موسیقی کے اہم مراکز مدینہ، مکہ اور دمشق تھے۔ مدینہ میں باقاعدہ موسیقی کی تعلیم دی جاتی تھی، جبکہ حج کے موقع پر مکہ میں مختلف علاقوں سے آنے والے افراد کے باعث ثقافتی تبادلہ فروغ پاتا تھا۔ دمشق، اموی دارالحکومت ہونے کی وجہ سے، موسیقی کی شاہی سرپرستی کا مرکز بن گیا۔ اس دور میں عود، طنبور، دف اور مزمار جیسے آلاتِ موسیقی رائج تھے، جن پر ایرانی اور شامی اثرات نمایاں تھے۔ فلپ کے۔ حتی لکھتے ہیں: ''پہلا مکی مغنی اور اموی عہد کا عظیم ترین گلوکار سعید شام اور فارس گیا اور سب سے پہلے اسی نے بازنطینی و فارسی گیتوں کو عربی میں ڈھالا۔''

اموی دور میں مکہ، بالخصوص مدینہ، گیت اور موسیقی کے اہم مراکز بن گئے۔ انہی شہروں سے دمشق کے شاہی دربار کے لیے مسلسل گلوکار فراہم کیے جاتے تھے۔ اگرچہ مذہبی علماء اور راسخ العقیدہ افراد نے موسیقی پر اعتراضات کیے اور اسے شراب نوشی اور قمار بازی کی طرح "ملاہی "(ممنوع مسرتوں) میں شمار کیا، نیز اس ضمن میں بعض احادیث کا حوالہ بھی دیا، تاہم موسیقی کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکا نہ جا سکا۔ فنونِ لطیفہ عوام میں اس قدر مقبول ہو چکے تھے کہ تنقید اور مخالفت کے باوجود ان کی مقبولیت برقرار رہی۔ دوسرے اموی خلیفہ یزید اول نے دمشق کے شاہی دربار میں گلوکاری اور آلاتِ موسیقی کو فروغ دیا۔ انہوں نے شاہی تقریبات اور حبشنوں کی روایت کو رواج دیا، جن میں موسیقی کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ عبدالملک بن مروان نے ابن مسجح کی سرپرستی کی، جبکہ ان کے بیٹے ولید نے ابن سریج اور معبد جیسے ممتاز

فنکاروں کو دارالخلافہ بلا کر عزت واحترام سے نوازا۔ یزید دوم نے حبابہ اور سلامہ کی سرپرستی کے ذریعے شاعری اور موسیقی کو مزید مقبول بنایا، جبکہ ہشام نے حیرہ کے مشہور موسیقار حنین کی سرپرستی کی۔ ولید دوم نے اپنے دربار میں متعدد مغنیوں کو جمع کیا، جن میں معبد بھی شامل تھے۔اس کے عہد میں حجاز کے جڑواں شہر، مکہ اور مدینہ، موسیقی کے فروغ کے اہم مراکز بن گئے۔اموی خلافت کے آخری دور تک موسیقی پورے عالمِ اسلام میں ایک ترقی یافتہ اور مقبول فن کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

8.2.2.3 مصوری

عہدِ اموی (661–750ء) فنِ مصوری کے ارتقاء کا ایک اہم ابتدائی دور ہے، جس میں اسلامی روایات اور مقامی بازنطینی و ساسانی اثرات کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔اس دور میں مصوری بنیادی طور پر شاہی محلات، سرکاری عمارتوں اور تزئین و آرائش تک محدود رہی، تاہم اس نے بعد کے اسلامی فنون کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔اموی عہد کی مصوری کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

- تمثیلی مصوری (Figurative Art) اموی خلفاء نے اپنے محلات، خصوصاً قصر عمرہ، کی دیواروں پر انسانوں، جانوروں اور شاہی زندگی سے متعلق مناظر کی تصاویر بنوائیں۔ یہ تصویریں بازنطینی اور ساسانی فنون کے اثرات کی عکاسی کرتی ہیں اور اس دور کے شاہی ذوق اور جمالیاتی رجحانات کو ظاہر کرتی ہیں۔
- دیواری مصوری (Frescoes): اموی دور میں دیواری مصوری زیادہ تر فریسکو (Frescoes) کی صورت میں شاہی محلات اور رہائش گاہوں کی دیواروں پر کی جاتی تھی۔ان تصویروں میں شکار، رقص، موسیقی، شاہی دربار اور روزمرہ زندگی کے مختلف مناظر پیش کیے گئے ہیں، جو اس عہد کی ثقافتی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔
- موزائیک (Mosaic) اموی فنِ تعمیر میں موزائیک کا استعمال اپنے عروج پر پہنچا۔ جامع مسجد دمشق اور قبۃ الصخرہ اس فن کی بہترین مثالیں ہیں۔ان عمارتوں میں قدرتی مناظر، درختوں اور عمارتوں کی دلکش نقش نگاری کی گئی، جبکہ مذہبی عمارتوں میں جانداروں کی تصاویر سے حتی الامکان اجتناب کیا گیا۔اس طرح مذہبی اور جمالیاتی تقاضوں کے درمیان ایک متوازن اسلوب اختیار کیا گیا۔
- جیومیٹرک اور نباتاتی نقوش اموی دور میں اسلامی خطاطی، جیومیٹرک ڈیزائن اور نباتاتی نقوش کی باقاعدہ بنیاد پڑی، جو بعد میں اسلامی فنون کی نمایاں شناخت بن گئے۔ان نقش و نگار میں توازن، ہم آہنگی اور تزئین کا ایسا امتزاج نظر آتا ہے جو آئندہ اسلامی فنِ مصوری اور آرائش کا بنیادی وصف بن گیا۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اموی عہد میں فنِ مصوری ترقی کے ابتدائی مگر اہم مرحلے میں تھا، جس میں اسلامی اقدار اور قدیم تہذیبوں کے فنی عناصر کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ بالخصوص شاہی محلات کی تزئین و آرائش میں اس فن نے نمایاں ترقی کی اور بعد کے اسلامی فنون کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کی۔

8.2.2.4 خطاطی

اسلامی تاریخ میں عہدِ اموی فنِ خطاطی اور کتابت کے ارتقاء کا ایک نہایت اہم دور ہے۔اسی زمانے میں عربی رسم الخط ابتدائی شکل

سے نکل کر ایک منظم، خوب صورت اور فنی صورت اختیار کرنے لگا۔ سرکاری انتظام، مذہبی ضروریات اور تعمیراتی آرائش کے باعث خطاطی کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ اموی خلفاء نے سرکاری معاملات میں باقاعدہ کتابت کو رواج دیا۔ حضرت معاویہ کے عہد میں دیوانِ کتابت کو منظم کیا گیا، جس کے نتیجے میں تحریری نظام مزید مستحکم ہوا۔ اسی دور میں خطِ کوفی کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ قرآنِ کریم کی کتابت، سرکاری دستاویزات، سکوں اور عمارتوں پر کندہ کاری کے لیے اسی رسم الخط کو اختیار کیا جاتا تھا، اور اموی دور کے سکے آج بھی اس کے خوب صورت نمونے پیش کرتے ہیں۔ اموی عہد میں طی قبیلے کے بعض افراد نے خطِ کوفی کے فروغ اور تعلیم میں اہم کردار ادا کیا۔ خلفاء نے مساجد، محلات اور دیگر سرکاری عمارتوں کی تزئین کے لیے خطاطی کو وسیع پیمانے پر استعمال کیا، جس کے نتیجے میں خطِ کوفی میں فنی حسن، تناسب اور نقش و نگار کی نئی جہتیں پیدا ہوئیں۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ عہدِ اموی نے عربی رسم الخط اور فنِ خطاطی کو مضبوط بنیاد فراہم کی، جس پر بعد میں عباسی دور میں مزید ترقی ہوئی اور اسلامی دنیا میں خطاطی ایک مستقل اور ممتاز فن کی حیثیت اختیار کر گئی۔

8.3 عہد بنو عباس

8.3.1 سائنسی اور ادبی پیش رفت

عباسی خلافت کے تقریباً پانچ سو سالہ طویل عہد میں تمام علوم و فنون میں تدوین و تالیف کا کام اپنے نقطۂ کمال کو پہنچا۔ اس دور میں علمی و فنی میدانوں میں غیر معمولی ترقی ہوئی، جس کی بنیاد اس علمی سرمایہ پر تھی جو عباسی علماء کو اموی عہد سے ورثے میں ملا تھا۔

8.3.1.1 علم طب

طب کے میدان میں عباسی دور کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ اس زمانے میں یونانی طبّی کتابوں کا عربی زبان میں وسیع پیمانے پر ترجمہ کیا گیا۔ اس دور میں طب کے تین بڑے مراکز تھے: اسکندریہ (مصر)، جندی سابور (ایران) اور حران (عراق)، جو یونانی علومِ طب کے اہم مراکز شمار ہوتے تھے۔ دوسرے عباسی خلیفہ المنصور نے اپنا علاج جندی سابور کے معروف عیسائی طبیب جورجیس بن بختیشوع سے کرایا۔ اسی طرح اسکندریہ کا عیسائی طبیب بلیطیان بھی منصور کے عہد کا ممتاز معالج تھا، جس نے ہارون رشید کے زمانے تک اپنی طبّی خدمات جاری رکھیں۔ روایت ہے کہ اس نے بغداد جا کر خلیفہ کی ایک کنیز کا بھی علاج کیا۔ خلفائے عباسی کے شاہی اطباء میں حنین بن اسحاق کا مقام نہایت بلند تھا۔ وہ نہ صرف عظیم طبیب بلکہ ممتاز مترجم بھی تھے۔ ان کی معروف تصانیف میں کتاب المسائل فی الطب اور کتاب المولودین شامل ہیں۔ عباسی خلفاء نے اموی دور کی علمی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے کتابوں کے ترجمے کی سرپرستی کی۔ یہ سلسلہ خلیفہ منصور کے عہد میں شروع ہوا۔ ہارون رشید نے یوحنا بن ماسویہ سے انگورہ اور عموریہ سے حاصل ہونے والی طبّی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ ثابت بن قرہ حرانی حرانی مکتبِ فکر کے ممتاز طبیب تھے۔ وہ فلسفہ، نجوم اور ریاضی کے بھی ماہر تھے اور انہوں نے طب پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ان کے فرزند سنان بن ثابت نے طب اور ہندسہ دونوں علوم میں اپنے والد کی روایت کو آگے بڑھایا۔ وہ خلیفہ مقتدر باللہ اور خلیفہ قاہر باللہ کے شاہی طبیب ہونے کے ساتھ افسر الاطباء بھی تھے۔ ان کے بیٹے ابراہیم بن سنان نے بھی طب اور ریاضی میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

ایرانی اور ہندوستانی اطباء و حکماء نے بھی عباسی دور میں علمِ طب کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ایرانی علماء میں عبداللہ بن المقفع نے فارسی زبان سے فلسفہ اور طب کی متعدد کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ وہ خلیفہ منصور کے اہم کاتب بھی تھے۔ ہندوستانی اطباء اور فلاسفہ میں گنگا، سنجل، باکھر، منکہ، راجہ، داہر، انکر اور زنکل قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں منکہ سب سے زیادہ مشہور طبیب تھے، جن کے علاج سے ہارون رشید صحت یاب ہوئے۔ انہوں نے ہندی اور فارسی طبّی کتابوں کے عربی تراجم کیے، جن میں ہندوستانی طبیب شاناک کی زہروں سے متعلق کتاب کا عربی ترجمہ بھی شامل ہے۔ برامکہ نے ایرانی اور ہندوستانی اطباء کی خصوصی سرپرستی کی، جس کے نتیجے میں مسلمانوں میں طب سے دلچسپی بڑھی اور مسلم اطباء نے اس علم کی عملی اور نظری ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ عباسی اطباء نے صرف یونانی طبّی کتابوں کے تراجم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی اصل تصانیف بھی پیش کیں۔ انہوں نے ایک مستقل طبّی نظام مرتب کیا، جو بعد میں عربی طب کے نام سے معروف ہوا۔ اس دور کے چند نمایاں مسلم اطباء درج ذیل ہیں:

- یعقوب الکندی (وفات 871ء): خلیفہ مامون کے شاہی طبیب تھے اور متوکل کے عہد تک دربار سے وابستہ رہے۔ ان کی کتاب طبقات الاطباء قابلِ ذکر ہے۔
- محمد بن زکریا رازی (854-932ء): عباسی دور کے عظیم ترین اطباء میں شمار ہوتے ہیں۔ ابتدا میں رے کے شفاخانے کے مہتمم رہے، بعد ازاں خلیفہ مکتفی کے زمانے میں بغداد کے شفاخانے کے سربراہ مقرر ہوئے۔ ان کی مشہور تصانیف میں المنصوری، الحاوی، سر الطب، مرشد، کتاب التفہیم والتشجیر، الطب الملوکی اور طب الفقراء شامل ہیں۔ ابن خلکان کے مطابق وہ اپنے زمانے میں علمِ طب کے امام تھے۔ انہوں نے متعدد امراض پر مستقل کتابیں لکھیں، جبکہ الجدری والحصبہ میں پہلی مرتبہ چیچک کے علاج کی مؤثر تشریح کی۔
- موفق بن علی ہروی (وفات 951ء): ممتاز طبیب اور ادویات کے ماہر تھے۔ ان کی کتاب حقائق الادویہ اس فن کی اہم تصنیف شمار ہوتی ہے۔
- ابن الہیثم (965-1039ء): اگرچہ ریاضی کے میدان میں زیادہ معروف ہیں، تاہم علمِ طب میں بھی ان کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔ انہوں نے جالینوس کی طبّی تصانیف کا خلاصہ تیار کیا۔
- شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا: طب پر متعدد کتابیں اور رسائل تصنیف کیے۔ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف القانون طب کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کتاب القولنج اور کتاب الادویۃ القلبیہ بھی ان کی اہم تصانیف ہیں۔
- ابوالقاسم عمار موصلی: امراضِ چشم کے ماہر طبیب تھے اور موتیے کے آپریشن بھی انجام دیتے تھے۔ ان کی کتاب علاج العین اس موضوع کی اہم تصنیف ہے۔ انہوں نے جراحی کے لیے ایک نازک آلہ بھی ایجاد کیا اور علاج کے اصول و قواعد مرتب کیے۔
- ابن مسکویہ: فلسفی، مؤرخ اور طبیب کی حیثیت سے معروف تھے۔ کتاب الاشربۃ اور کتاب البیطخ ان کی اہم تصانیف ہیں۔
- علی بن عیسیٰ: امراضِ چشم کے ماہر طبیب، مصنف اور ادویات کے ماہر تھے۔ ان کی کتاب تذکرۃ الکحالین امراضِ چشم کا ایک اہم دائرۂ معارف سمجھی جاتی ہے۔

ان اطباء کے علاوہ البیرونی، ابوالبرکات بغدادی اور ابن النفیس نے بھی طب کے میدان میں اہم خدمات انجام دیں۔ ابوالبرکات بغدادی نے طبقات الاطباء تصنیف کی، جبکہ ابن النفیس دورانِ خون کے محقق کے طور پر معروف ہیں۔ ان کی مشہور تصانیف میں الکتاب الشامل فی الطب، کتاب المہذب فی الکحل اور موجز القانون شامل ہیں، جو ابن سینا کی القانون کا خلاصہ ہے۔ عباسی عہد کے اطباء میں ابن وافد نے علاج بالغذا پر زور دیا، جبکہ حکیم رضی الدین نے دوا کے مقابلے میں غذائی علاج کو زیادہ اہمیت دی۔ حکیم ابوالبرکات نے بعض وبائی امراض کے علاج میں قطعِ انامل کا طریقہ اختیار کیا۔ اسی دور میں مسلمانوں نے حفظانِ صحت کے اصولوں کو منظم شکل دی اور تشخیص و علاج کے نئے طریقے متعارف کرائے، جنہوں نے بعد کے طبّی ارتقاء پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

8.3.1.2 ریاضی

عباسی خلیفہ منصور نے اپنے وفد کے ذریعے قیصرِ روم سے یونانی علوم و فنون کی متعدد کتابیں منگوائیں، جن میں اقلیدس، ریاضی اور طبیعیات سے متعلق کتابیں بھی شامل تھیں۔ ان کتابوں کے عربی تراجم کیے گئے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں میں علمِ ریاضی سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ اسی خلیفہ کے عہد میں ہندی ریاضی کی مشہور کتاب 'برہم سدھانت' کا بھی ایک ہندو پنڈت کے ذریعے عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ کتاب علمِ مثلث (Trigonometry) سے متعلق تھی اور اس کا عربی ترجمہ 'سند ہند' کے نام سے معروف ہوا۔ خلیفہ ہارون رشید اور خلیفہ مامون نے بھی قیصرِ روم سے متعدد علمی کتابیں منگوائیں، جن میں ارتماطیقی (Arithmetic) اور ریاضی کی دیگر شاخوں سے متعلق تصانیف شامل تھیں۔ مامون کی قائم کردہ رصد گاہوں میں ہونے والے مشاہدات اور تجربات نے ریاضی اور علمِ ہیئت (نجوم) کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی دور میں موسیٰ بن شاکر اور ان کے تینوں فرزند محمد، احمد اور حسن ممتاز ریاضی داں اور منجم تھے۔ انہیں ہندسہ، علم الحیل والحرکات (Mechanics)، اقلیدسی ریاضیات اور دیگر ریاضیاتی علوم سے خاص شغف تھا۔ انہوں نے ان موضوعات پر 'حیل بنو موسیٰ' کے نام سے مشہور کتابیں بھی تصنیف کیں۔ نمایاں ریاضی داں مندرجہ ذیل ہیں:

- احمد عبداللہ حبش حاسب: یہ علمِ ریاضی اور ہندسہ کے ممتاز ماہر تھے۔ انہیں بالخصوص علمِ مثلث سے گہری دلچسپی تھی۔ انہوں نے ٹرگنومیٹری کی بنیاد پر نقشہ مرتب کیا، زاویوں کی چھ نسبتوں میں فصل جیوب (Co-tangent) کا طریقہ دریافت کیا اور قاطع (Secant) کو علمِ مثلث میں رائج کیا۔
- عباس بن سعید جوہری: یہ علمِ ہندسہ سمیت ریاضی کی مختلف شاخوں کے ماہر تھے۔ ان کی معروف تصانیف میں تفسیر اقلیدس اور کتاب الاشکال شامل ہیں۔
- ابوالطیب سند بن علی: یہ علمِ ہندسہ کے ممتاز عالم تھے۔ انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں کتاب المنفصلات والمتوسلات، کتاب الحساب الہندی، کتاب الجمع والتفریق، کتاب القواطع اور کتاب الجبر والمقابلہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔
- بنو موسیٰ بن شاکر: بنو موسیٰ اپنے عہد کے نامور منجم اور ریاضی داں تھے۔ ان میں محمد بن موسیٰ نے ہندسہ، ہیئت، اقلیدس، مجسطی اور ریاضی کی مختلف شاخوں میں مہارت حاصل کی۔ احمد بن موسیٰ نے علم الحیل (Mechanics) میں نمایاں مقام حاصل کیا، جبکہ

حسن بن موسیٰ علمِ ہندسہ کے ممتاز عالم تھے۔انہوں نے اقلیدس کے چھ مقالات کا گہرا مطالعہ کیااور ایسے نظریات پیش کیے جن سے قدیم ریاضی دان بھی واقف نہ تھے۔انہوں نے پہلی مرتبہ زاویے کو مساوی حصوں میں تقسیم کرنے کے اصول کی وضاحت کی۔ محمد بن موسیٰ نے دو مقداروں کے درمیان تناسب معلوم کرنے کا ایک مؤثر طریقہ دریافت کیا، نیز ایک ایسا مفید ترازو بھی ایجاد کیا جس کی مدد سے ہیرے، جواہرات اور قیمتی دھاتوں کا درست وزن معلوم کیا جاسکتا تھا۔

مذکورہ ریاضی دانوں کے علاوہ حجاج بن یوسف عطر، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ثابت بن قرہ حرانی، ابو محمد العدلی القاینی، محمد بن احمد خوارزمی، عمر خیام، ابوالوفا بوزجانی اور ابوریحان البیرونی نے بھی علمِ ہیئت، حساب اور ریاضی کے مختلف شعبوں میں اہم خدمات انجام دیں اور متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

8.3.1.3 علمِ ہئیت و نجوم

علمِ ہیئت و نجوم سے مراد علم الافلاک ہے، جسے انگریزی میں Astronomy کہا جاتا ہے۔عباسی عہد میں اس علم کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔اس دور میں تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ رصد گاہوں کے قیام نے بھی فلکی علوم کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ مسلم علماء کی متعدد فلکیاتی تصانیف بعد میں لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئیں، جن کے نتیجے میں یورپ میں سائنسی ترقی پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔عباسی خلیفہ منصور کو علمِ نجوم سے خاص دلچسپی تھی اور انہوں نے اس علم کے ماہرین کی سرپرستی کی۔ان کے بعد المہدی، ہارون رشید اور مامون کے ادوار میں بھی علمِ ہیئت و نجوم کو مزید فروغ حاصل ہوا۔

معشر (وفات 886ء) خراسان کے شہر بلخ کے رہنے والے تھے۔انہیں ستاروں کے اثرات پر غیر معمولی یقین تھا اور وہ انسانی زندگی کے مختلف واقعات کو اجرامِ فلکی سے وابستہ کرتے تھے۔انہوں نے یورپ کو مدوجزر کے قوانین سے روشناس کرایا اور اپنے ایک مقالے میں چاند کے عروج و زوال کی بھی وضاحت کی۔ ابراہیم بن جندب علمِ نجوم اور علمِ ہیئت کے ممتاز ماہر تھے۔ انہوں نے اصطرلاب (Astrolabe) ایجاد کیا۔ موسیٰ بن شاکر کا شمار بھی اس فن کے ممتاز ماہرین میں ہوتا ہے۔ قفطی نے اپنی کتاب اخبار الحکماء میں انہیں علمِ ہندسہ کا بڑا ماہر قرار دیا ہے۔ماشاءاللہ انجینئر، ماہرِ ہندسہ اور علمِ ہیئت کے ممتاز عالم تھے۔یحییٰ بن ابی منصور نے علمِ ہیئت پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں کتاب الزیج الممتحن، کتاب مقالۃ فی عمل ارتفاع سدس ساعۃ لعرض مدینۃ السلام، کتاب الارصاد اور مجموعہ رسائل ابی جماعۃ فی الارصاد شامل ہیں۔ پہلی کتاب زائچۂ نجوم، دوسری بغداد کے عرض البلد اور باقی کتابیں علمِ ہیئت کے مختلف مباحث سے متعلق ہیں۔ وہ ستاروں کی رفتار کے علم میں بھی مہارت رکھتے تھے۔عباس جوہری بھی ممتاز ہئیت داں تھے اور ان کی زیج کے موضوع پر لکھی گئی کتاب اس فن کی اہم تصنیف شمار ہوتی ہے۔

ابن کثیر فرغانی عظیم جغرافیہ داں اور علمِ ہیئت کے ماہر تھے۔ان کی کتاب جوامع العلوم اس فن میں دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے، جبکہ دھوپ گھڑی (Sundial) کی ایجاد بھی ان سے منسوب کی جاتی ہے۔ علی بن عیسیٰ اصطرلابی نے اجرامِ فلکی کے درمیان مسافت

ناپنے کا طریقہ ایجاد کیا اور اس مقصد کے لیے سدس (Sextant) نامی آلہ تیار کیا۔ محمد بن جابر البنانی نے زیج البنانی تصنیف کی، جس میں زمین کی گردش اور سورج سے متعلق متعدد تحقیقات درج ہیں، نیز انہوں نے دائرۃ البروج (Inclination of Ecliptic) کی درست پیائش کی۔ محمد بن احمد خوارزمی کی کتاب مفاتح العلوم، مختلف علوم و فنون کا ایک اہم دائرۃ المعارف ہے۔ ابوالوفاء جوزجانی نے المنازل اور الزیج جیسی اہم کتابیں تصنیف کیں اور سورج کی کشش، چاند پر اس کے اثرات اور اختلالِ قمر سے متعلق اہم تحقیقات پیش کیں۔ عمر خیام نے شمسی اور قمری تقاویم میں اصلاحات کیں، دونوں کے درمیان توافق کے طریقے وضع کیے، موسمیات پر تحقیقات پیش کیں، لوند سال (Leap Year) کا جدید طریقہ متعارف کرایا، سال کے دنوں کی درست تعداد متعین کی اور اس میدان میں متعدد اہم تحقیقات انجام دیں۔

8.3.1.4 دیگر طبعی علوم

طبعیات (Physics): ماہرینِ علوم نے طبعیات کو العلم الطبیعی کا نام دیا، جبکہ امام فارابی نے اپنی کتاب احصاء العلوم میں اسے الفزیقیا کہا ہے۔ امام یعقوب کندی نے نظری طبعیات پر چوالیس کتابیں تصنیف کیں۔ ویل دیوران (Will Durant) کے مطابق کندی نے مدو جزر کا مطالعہ کر کے ایسے اصول دریافت کیے، جن میں بعض کا تعلق اجسام، خصوصاً گرتے ہوئے مادّوں اور ان کی رفتار سے تھا۔ انہوں نے روشنی کی رفتار پر بھی اپنی تحقیقات پیش کیں۔ بصریات (Optics) کے موضوع پر بھی کندی نے نمایاں کام کیا اور ہندسی (Geometrical) و طبعیاتی (Physiological) بصریات کے حوالے سے اہم تحقیقات پیش کیں۔ ان کی مشہور تصنیف علم البصر ہے۔ ابو بکر رازی نے بھی علمِ طبعیات میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ مادّہ، حرکت، مکان، زمان اور بصریات سے متعلق ان کی متعدد نگارشات ہیں۔ وہ مادّہ کو جوہر سے مرکب قرار دیتے تھے۔ اس موضوع پر ان کی معروف کتاب سبب وقوف الارض فی السماء ہے۔ امام فارابی دیگر علوم کے ساتھ علمِ طبیعی میں بھی مہارت رکھتے تھے، جبکہ امام ابن سینا کا شمار بھی علمِ طبعیات کے ممتاز ماہرین میں ہوتا ہے۔ سارٹن کے بقول، "وہ طبعیات کے تمام اہم موضوعات کے محقق تھے۔" انہوں نے اجسامِ طبیعی کی حرکت و سکون، خلا، روشنی، حرارت اور ثقل مخصوص پر مفصل بحث کی۔

کیمیا (Chemistry): عربوں نے علمِ کیمیا میں نمایاں خدمات انجام دیں، جن میں جابر بن حیان اور ابو بکر رازی کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ جابر بن حیان کا نظریہ تھا کہ جست، سیسہ، لوہا اور تانبے جیسی کم تر دھاتوں کو ایک مخصوص مرکب کی مدد سے سونا یا چاندی بنایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے نظری اور عملی کیمیا دونوں میدانوں میں اہم پیش رفت کی۔ ان کی مشہور کتابوں میں کتاب الرحمۃ، کتاب التجمیع اور النبیق الشرقی شامل ہیں۔ جابر نے کیمیا کے دو اہم اعمال، تکسید اور تخفیف، کو سائنسی انداز میں بیان کیا، جبکہ تبخیر، تصعید، گلائی اور تقلیم کے طریقوں کو بھی بہتر بنایا۔ وہ خام سلفیورک اور نائٹرک ایسڈ کی تیاری سے واقف تھے اور ماء الملوک (Aqua Regia) کی تیاری کا طریقہ بھی بیان کیا، جس کے ذریعے سونے اور چاندی کو حل کیا جا سکتا تھا۔ انہوں نے دھاتوں کے اجزائے ترکیبی سے متعلق ارسطوئی نظریے میں

بھی ترمیم پیش کی۔ جابر بن حیان کے علاوہ امام ابو بکر رازی بھی علمِ کیمیا کے ممتاز ماہر تھے۔ اس موضوع پر ان کی اہم ترین تصنیف سر الاسرار ہے۔ مسلم کیمیادانوں میں دو مکاتبِ فکر پائے جاتے تھے۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ معمولی دھاتوں کو سونے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے، جس میں رازی اور فارابی شامل تھے۔ فارابی کی کتاب مقالہ وجوب صناعۃ الکیمیاء اس ضمن میں اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے برعکس یعقوب کندی قلبِ ماہیت کے نظریے کے مخالف تھے۔ انہوں نے ابطال دعوی المدعین صناعۃ الذہب والفضۃ من غیر معاونہا جیسی اہم کتاب تصنیف کی۔ ابو حیان توحیدی اور ابن سینا بھی اسی رائے کے حامی تھے۔ ان علماء کا موقف تھا کہ کسی دھات کی اصل ماہیت کو کیمیائی عمل سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس کا رنگ وروپ بدلا جاسکتا ہے۔ مشہور کیمیادان الہمدانی نے الجوہر تین العتیقتین کے نام سے کتاب لکھی اور تجربات کی اہمیت پر زور دیا۔ جابر بن حیان نے تکلیس (Calcination) اور تحلیل (Solution) جیسے کیمیائی اعمال کی وضاحت کی، سلفائڈ سے سفید سنکھیا اور کحل حاصل کرنے کے طریقے بیان کیے، لیموں کے تیزاب کے بارے میں معلومات فراہم کیں اور پھٹکری، ہیرا کیسس اور شورے جیسے معدنی تیزابوں کے استعمال کی وضاحت کی۔ یعقوب کندی نے فولاد، رنگ اور عطر سازی کی صنعتوں کو فروغ دیا، جبکہ ابو بکر رازی نے مختلف کیمیائی اعمال میں استعمال ہونے والے آلات کی تشریح کی اور کیمیائی مادّوں کو جمادات، نباتات اور حیوانات میں تقسیم کرکے علمِ کیمیا کے دائرۂ کار کو وسعت دی۔ بعض علماء نے دواسازی کے میدان میں تجربات اور تحقیقات کے ذریعے بھی اس فن کو ترقی دی۔ اس طرح عباسی دور کے مسلم کیمیادانوں نے تجرباتی تحقیق اور عملی مشاہدات کی بنیاد پر علمِ کیمیا کو جدید کیمسٹری کی تشکیل اور ارتقا کی سمت گامزن کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

علمِ نباتیات (Botany): دواسازی کی ترقی کے ساتھ علمِ نباتات کو بھی فروغ حاصل ہوا اور مسلمان سائنس دانوں اور اطباء نے اس میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس فن سے متعلق جابر بن حیان کی الحدود، عبدالملک اصمعی کی کتاب النبات والاشجار، جاحظ کی کتاب الزرع والنخل، امام ابو حنیفہ دینوری کی کتاب النبات اور موفق بن علی ہروی کی الابنیۃ عن حقائق الادویۃ اہم تصانیف شمار ہوتی ہیں۔ ان کتابوں میں نباتات اور زراعت کی مختلف اقسام، ان کے خواص، طبّی اوصاف، جڑی بوٹیوں اور مفردات کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں پودوں کی ہزاروں اقسام اور ان کی خصوصیات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ تجربات کی بنیاد پر دواسازی، رنگ سازی اور دیگر فنون کو فروغ ملا، جبکہ زراعت (Agronomy) کو بھی ایک اہم علمی شعبے کی حیثیت حاصل ہوئی۔

علمِ حیوانات (Zoology): مسلم سائنس دانوں نے کیمیائی مادّوں کو معدنیات، نباتات اور حیوانات میں تقسیم کیا۔ ابو بکر رازی پہلے عالم تھے جنہوں نے اس درجہ بندی کو منظم انداز میں پیش کیا، جو آج تک رائج ہے۔ میکس مئیرہاف لکھتے ہیں ''رازی کیمیائی مادّوں کو نباتات، حیوانات اور معدنیات میں تقسیم کرتا ہے۔ یہ وہ تصور ہے جو جدید سائنس، یا آج کل کی بول چال میں، انہی کی طرف سے آیا ہے۔'' حیوان شناسی کے میدان میں عرب علماء نے یونانی روایت کے ساتھ ساتھ اپنے مقامی ماحول سے بھی استفادہ کیا، جہاں اونٹ، گھوڑے اور بکری جیسے جانور روزمرہ زندگی کا اہم حصہ تھے۔ ابو عبیدہ محمد بن مثنیٰ پہلے عالم تھے جنہوں نے حیوان شناسی کو مستقل موضوع بنایا۔ انہوں نے حیوانیات پر تقریباً ایک سو کتابیں تصنیف کیں، جن میں سے پچاس صرف گھوڑوں سے متعلق تھیں۔ ان کی تصانیف میں طبقات الفرسان، کتاب الفرس،

کتاب الخیل، کتاب الحیات اور کتاب العقارب شامل ہیں۔ انہوں نے گھوڑوں، اونٹوں، سانپوں، بچھوؤں اور دیگر جانوروں کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کیں۔

عبدالملک اصمعی کی کتاب الخیل، کتاب الابل، کتاب الوحوش، کتاب الشاۃ اور کتاب الخلق الانسان بھی اس میدان کی اہم تصانیف ہیں۔ جاحظ بصری اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کتاب الحیوان کی بدولت پوری دنیا میں معروف ہیں۔ الکندی نے بھی پرندوں اور دیگر جانداروں پر متعدد رسائل تحریر کیے، جن میں رسالہ فی الطائر الانسی، فی تمریخ الحمام، فی النحل اور فی الحشرات قابل ذکر ہیں۔ ابن سینا نے کتاب الشفاء میں حیوانات کی نفسیات پر بحث کی، جبکہ ابن مسکویہ نے نظریۂ ارتقا کے بعض پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا۔ ابن قتیبہ دینوری نے عیون الاخبار میں حیوانات سے متعلق اہم معلومات فراہم کیں۔ مغربی ماہرینِ حیاتیات جاحظ کو عظیم حیوان شناس تسلیم کرتے ہیں، بلکہ بعض نے انہیں ارسطو کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ ان کی کتاب الحیوان اگرچہ کسی حد تک یونانی اثرات کی حامل ہے، تاہم بنیادی طور پر ایک عربی تصنیف ہے۔

حیوانیات کا موضوع رسائل اخوان الصفاء میں بھی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اخوان الصفاء نے حیوانات کی درجہ بندی کر کے اس علم کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے حیوانات کو مکمل اور نامکمل اقسام میں تقسیم کیا، پھر ان کی ذیلی درجہ بندیاں بھی بیان کیں۔ مزید برآں ،انہوں نے جانوروں کی پیدائش، نشوونما، جسمانی ساخت اور حواس کے بارے میں بھی بحث کی۔ ان کے مطابق حواس کے اعتبار سے حیوانات میں فرق پایا جاتا ہے؛ بعض جانور ایک حس، بعض دو حواس، جبکہ بعض تین یا چار حواس کے مالک ہوتے ہیں۔

معدنیات (Minerology): علمِ معدنیات میں مسلمانوں کی دلچسپی کا آغاز اس وقت ہوا جب ارسطو کی تصنیف معدنیات کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا۔ حجریات یا معدنیات کے موضوع پر مسلمانوں نے پچاس سے زائد کتابیں تصنیف کیں، جس سے اس علم کی اہمیت اور اس میں ان کی گہری دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جابر بن حیان نے معدنیات کے موضوع پر کیمان المعادن، کتاب جواہر الکبیر اور رسائل فی الحجر کے نام سے تین اہم کتابیں تصنیف کیں۔ عطار بن محمد الکاتب نے اپنے تجربات کی روشنی میں الجواہر والاحجار تصنیف کی۔ خلیفہ مامون کے عہدِ خلافت میں ابو طیب سند بن علی نے اصلی اور نقلی دھاتوں میں تمیز کرنے کے لیے مخصوص مقناطیسیت معلوم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا، جو علمِ معدنیات میں ایک اہم ترقی تھی۔ الجاحظ نے کتاب المعادن کے نام سے ایک کتاب لکھی، جبکہ ابو بکر رازی نے کتاب الاسرار میں معدنیات کی مختلف اقسام پر روشنی ڈالی۔ شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا نے بھی کتاب الاحجار میں معدنیات کو اپنا موضوع بنایا۔ ویل ڈیورانٹ (Will Durant) کے مطابق یہ کتاب تیرہویں صدی تک یورپی ارضیات کا ایک اہم ماخذ رہی۔ علمِ معدنیات میں سب سے نمایاں خدمات ابوریحان البیرونی نے انجام دیں۔ انہوں نے اس موضوع پر الجماہر فی معرفۃ الجواہر کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی۔ ان کے بعد شرف الدین ابو بکر احمد بن یوسف التیفاشی ماہرِ معدنیات کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے معدنیات پر الازہار الافکار فی جواہر، خواص الاحجار اور الاحجار التی توجد فی خزائن الملوک کے نام سے تین اہم کتابیں لکھیں۔ جاحظ کی کتاب المعادن اور دیگر تصانیف نے بھی علمِ معدنیات کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ان علماء نے اصلی اور نقلی دھاتوں میں فرق واضح کیا، قیمتی پتھروں کے اوصاف بیان کیے اور مختلف دھاتوں اور معدنیات کے بارے میں گراں

قدر معلومات فراہم کیں، جس سے اس علم کی ترقی کو نئی جہت ملی۔

علم جغرافیہ (Geography): حج کی ادائیگی، مساجد کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف کرنا اور نماز کے وقت قبلے کے درست تعین کی ضرورت نے مسلمانوں میں علمِ جغرافیہ کی تحقیق کو فروغ دیا۔ سب سے پہلے لفظ "جغرافیہ" کا استعمال رسائل اخوان الصفاء میں ہوا، جس کے بعد یہی اس علم کی مستقل اصطلاح بن گیا۔ رسائل اخوان الصفاء کا چوتھا رسالہ علمِ جغرافیہ سے متعلق ہے، جس میں ریاضیاتی اور طبعی جغرافیہ کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ خلیفہ مامون کے عہد میں محمد بن موسیٰ خوارزمی نے صورۃ الارض کے عنوان سے ایک اہم کتاب تصنیف کی، جس کے ساتھ ایک نقشہ بھی شامل تھا۔ اس کے بعد معروف جغرافیہ داں ابن خرداذبہ نے المسالک والممالک کے نام سے کتاب لکھی، جس کی بنا پر انہیں مسلم جغرافیہ نگاری کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ احمد بن اسحاق ابی یعقوب بن واضح الکاتب یعقوبی نے کتاب البلدان تصنیف کی، جبکہ المسعودی نے اپنا سفر نامہ کتاب القضایا والتجارب کے نام سے مرتب کیا، جس میں وسیع اور اہم جغرافیائی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ان کی دیگر تصانیف مروج الذہب و معادن الجواہر اور التنبیہ والاشراف بھی جغرافیہ سے متعلق اہم کتابیں ہیں۔ ان تمام علماء کا تعلق جغرافیہ کے عراقی مکتبِ فکر سے تھا۔ مسلم جغرافیہ نگاری میں دوسرا اہم مکتبِ فکر بلخ کا مکتبِ فکر کہلاتا ہے۔ ابو زید بلخی نے صور الاقالیم کے نام سے کتاب تصنیف کی۔ اصطخری نے مسالک الممالک کے عنوان سے ایسی کتاب لکھی، جس میں مختلف ممالک کو رنگین نقشوں کے ذریعے پیش کیا گیا تھا۔ ابن حوقل نے صورۃ الارض یا المسالک والممالک کے عنوان سے کتاب تصنیف کی، جس میں جغرافیائی معلومات کے ساتھ نقشے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ ابوالحسن ابن احمد الحمدانی نے الاکلیل اور صفۃ جزیرۃ العرب کے نام سے دو اہم کتابیں لکھیں، جبکہ المقدسی نے احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم تصنیف کر کے علمِ جغرافیہ میں ایک نمایاں اضافہ کیا۔ گیارہویں صدی علمِ جغرافیہ کے عروج وارتقا کا دور تھی۔ اس زمانے میں اس علم کو نئے اسالیب اور نئی جہتیں حاصل ہوئیں۔ اس عہد کے نمایاں جغرافیہ دانوں میں البیرونی، ابن یونس، ناصر خسرو اور البکری شامل ہیں۔ جغرافیائی مقامات، شہروں، دیہات، لغات اور مختلف علاقوں سے متعلق معلومات کے لیے یاقوت حموی کی معجم البلدان کو اس میدان کی اہم ترین تصنیف سمجھا جاتا ہے۔ اس کتاب میں پورے عالمِ اسلام کے شہروں، دیہات اور مقامات کی جغرافیائی، تاریخی اور تہذیبی معلومات نہایت جامع انداز میں پیش کی گئی ہیں۔

8.3.1.5 ادبی علوم وفنون اور زبان ولغت

عباسی عہد میں ادبی علوم وفنون اور زبان ولغت کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ علمِ لغت، علمِ نحو، علمِ صرف، علمِ بلاغت اور علمِ معانی کے میدان میں متعدد علماء اور ادباء نے گراں قدر خدمات انجام دیں اور ایسی تصانیف پیش کیں جنہوں نے عربی زبان وادب کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔

علمِ لغت: اموی اور عباسی ادوار میں علمِ لغت کے کئی مراکز قائم ہوئے، جن میں بصرہ اور کوفہ کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ بصرہ کے ممتاز علماء میں امام ابو عمرو بن العلاء نے کتاب النوادر اور کتاب الامثال تصنیف کیں۔ امام خلیل بن احمد فراہیدی ازدی علمِ لغت کے عظیم امام تھے اور ان

کی کتاب العین عربی لغت کی اولین اور اہم ترین تصانیف میں شمار ہوتی ہے۔ یونس بن حبیب کی کتاب اللغات، کتاب الامثال، کتاب النوادر اور معانی القرآن بھی خاصی شہرت رکھتی ہیں۔ نضر بن شمیل تمیمی نے فصیح عربی سیکھنے کے لیے چالیس سال دیہات میں گزارے اور لغتِ قرآن، حدیث، علمِ صرف اور ادب پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ بصرہ کے دیگر ممتاز علماء میں مورج بن عمر وسدوسی، قطرب، ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ، امام اصمعی اور امام ابو زید انصاری شامل ہیں۔ کوفہ اور دیگر مراکز کے علماء نے بھی علمِ لغت میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ بعد کے دور میں امام جوہری کی الصحاح، ابن فارس کی المجمل، امام ثعالبی کی فقہ اللغۃ اور امام زمخشری کی اساس اللغۃ جیسی اہم لغات مرتب ہوئیں، جن کی بنیاد پر بعد میں عربی کی عظیم لغات تیار کی گئیں۔

علمِ نحو: عربی زبان میں کلمات اور حروف کی صحیح حرکات اور ترکیب کے علم کو علمِ نحو کہا جاتا ہے۔ اس فن کے ابتدائی ماہرین میں عیسیٰ بن عمر ثقفی اور ابو عمرو بن العلاء نمایاں تھے۔ خلیل بن احمد فراہیدی، عیسیٰ بن عمر کے شاگرد تھے اور بعد میں امامِ نحو کہلائے۔ عیسیٰ بن عمر نے اس فن میں کتاب الجامع اور کتاب الاکمال تصنیف کیں۔ امام سیبویہ کو علمِ نحو کا سب سے بڑا عالم تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کی الکتاب اس فن کی بنیادی اور مستند تصنیف شمار ہوتی ہے۔ امام زمخشری کی المفصل بھی علمِ نحو کی اہم کتاب ہے، جس پر بعد میں متعدد شروح لکھی گئیں۔

عربی ادب: عباسی عہد میں عربی ادب نے غیر معمولی ترقی کی۔ اس دور میں شاعری اور نثر دونوں نے نئی وسعتیں حاصل کیں اور ادبی اصناف میں تنوع پیدا ہوا۔ عباسی دور کے متعدد شعراء صرف خلفائے عباسی کے دربار سے ہی وابستہ نہیں تھے بلکہ مختلف صوبائی حکمران خاندانوں سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ المتنبی شام کے آلِ حمدان کے حکمران سیف الدولہ کے درباری شاعر تھے اور انہیں عباسی عہد کا عظیم ترین شاعر مانا جاتا ہے۔ ابوالعلاء معری بھی اس دور کے ممتاز شاعر تھے۔ ان کی جوانی کی شاعری سقط الزند اور بڑھاپے کی شاعری لزومیات میں محفوظ ہے۔ وہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ ادیب اور نثر نگار بھی تھے۔ کوفہ کے شعراء میں ابوالعتاہیہ کو نمایاں مقام حاصل ہے، جبکہ بشار بن برد ملحدانہ اور عاشقانہ شاعری کے بڑے نمائندہ شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ بغداد کے شعراء میں کلثوم بن عمرو العتابی، ابو نواس، ابو تمام اور البحتری عربی شاعری کے اہم ترین نام ہیں۔ ابو تمام کی الحماسہ اور فحول الشعراء عربی شاعری کے بہترین مجموعوں میں شمار ہوتی ہیں۔
عباسی عہد میں قصیدہ، غزل، ہجو، نظمیں، مقطعات اور مرثیہ جیسی مختلف شعری اصناف کو فروغ حاصل ہوا۔ شعر و شاعری کے ارتقا اور شعراء کے طبقات پر بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں، جن میں محمد بن سلام کی طبقات فحول الشعراء اور ابن قتیبہ دینوری کی الشعر والشعراء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

عباسی دور میں عربی نثر نے بھی نمایاں ترقی کی۔ ابتدائی ادیبوں میں عبداللہ ابن مقفع کا نام نمایاں ہے، جنہوں نے سنسکرت کی پنچ تنتر کے پہلوی ترجمے کو عربی میں کلیلہ ودمنہ کے عنوان سے منتقل کیا، جو عربی سادہ نثر کا ایک بہترین نمونہ بن گیا۔ اس دور میں الجاحظ نے عربی نثر کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان کی تصانیف البیان والتبیین، کتاب الحیوان، کتاب البخلاء، کتاب البغال، کتاب العثمانیہ اور کتاب التربیع والتدویر عربی ادب کا گراں قدر سرمایہ سمجھی جاتی ہیں۔ ابن قتیبہ دینوری نے کتاب المعارف تصنیف کر کے عربی نثر کو نئی سمت دی، جبکہ

ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں ادب، سوانح اور موسیقی کو یکجا کر کے منفرد انداز پیش کیا۔ ابن المعتز نے کتاب البدیع میں صنائع و بدائع پر بحث کی، جبکہ ابو ہلال عسکری نے الصناعتین میں نظم و نثر کا جامع تنقیدی جائزہ پیش کیا۔ شریف رضی نے حضرت علیؓ کے خطبات، تقاریر اور رسائل کو نہج البلاغہ کے عنوان سے جمع کیا۔ بدیع الزمان ہمدانی کو فنِ مقامہ کا بانی قرار دیا جاتا ہے، جبکہ الحریری اور ہمدانی کے دور میں مقامہ عربی زبان کی ایک مکمل ادبی اور ڈرامائی صنف کی حیثیت اختیار کر گیا۔ بعد کے ادباء اور نثر نگاروں نے اسی اسلوب کو اپنایا، جو رفتہ رفتہ عربی ادب کی مقبول روایت بن گیا۔

8.3.2 فنون لطیفہ

عہد عباسی (750-1258ء) اسلامی تاریخ میں علوم و فنون کا سنہری دور مانا جاتا ہے۔ اس دور میں فنون لطیفہ نے بھی ایرانی، بازنطینی اور عرب تہذیبوں کے امتزاج سے بے پناہ ترقی کی۔ عباسی خلفاء خصوصاً ہارون رشید اور مامون رشید آرٹ اور فنکاروں کے بڑے سرپرست تھے۔ اس عہد کے فنون لطیفہ کے چند اہم پہلو درج ذیل ہیں:

8.3.2.1 فنِ تعمیر (Architecture)

عباسی عہد اسلامی فنِ تعمیر کا سنہری اور فنی اعتبار سے نہایت ارتقائی دور تھا۔ اس زمانے میں اموی طرزِ تعمیر سے آگے بڑھتے ہوئے ایرانی اور دیگر فنی عناصر کو یکجا کر کے ایک منفرد اسلامی طرزِ تعمیر کو فروغ دیا گیا۔ اس دور کے اہم مراکز بغداد اور سامرا تھے۔ تعمیراتی مواد میں پتھر کی کمی کے باعث پکی اینٹوں (Baked Bricks) اور پلستر (Stucco) کا وسیع پیمانے پر استعمال کیا گیا۔ عباسی شہروں میں وسیع و عریض عمارتیں اور محلات تعمیر کیے گئے۔ بڑے محرابی ایوان، نوکیلے محراب اور گنبد ساسانی فنِ تعمیر سے متاثر تھے۔ سامرا میں پلستر کے کام کے تین الگ الگ اسالیب رائج ہوئے، جو بعد میں پوری اسلامی دنیا میں مقبول ہوئے۔ ان میں ہندسی نقوش اور بیل بوٹے نمایاں تھے۔ عمارتوں کی بیرونی دیواروں پر اینٹوں کو مختلف زاویوں سے لگا کر آرائش کی جاتی تھی۔ چار مرکزی محراب (Four Centred Arch) اور گول ستونوں کے بجائے مضبوط مکعبی ستون (Piers) بھی اسی دور کی نمایاں خصوصیات تھے۔ گنبدوں کے اندرونی حصوں میں چھتے دار سجاوٹ (مقرنس) کا آغاز بھی عباسی عہد میں ہوا۔

خلیفہ ابو جعفر منصور نے بغداد کی بنیاد رکھی، جو دائرہ نما شہر تھا اور اس کے چار بڑے دروازے تھے۔ شہر کے وسط میں ان کا شاہی محل قصر الذہب واقع تھا، جس میں داخلے کے لیے سونے کے ملمع سے آراستہ باب الذہب تھا۔ محل کا فرش سفید سنگِ مرمر کا تھا، دیواریں نقش و نگار سے مزین تھیں، ستون ہاتھی دانت کے اور چھت عمدہ لکڑی کی تھی۔ بعد میں ہارون رشید نے اس کی از سرِ نو تعمیر کرائی۔ محل کے سامنے ایک وسیع میدان تھا، جہاں کھیل، گھڑ دوڑ اور فوجی پریڈ کا انعقاد ہوتا تھا۔ محل کے وسط میں ایک عظیم الشان ہال تھا، جس کے اوپر سبز گنبد قبۃ الخضراء تعمیر کیا گیا تھا، جو پورے شہر سے نمایاں نظر آتا تھا۔ منصور نے اپنے محل کے قریب ایک عظیم جامع مسجد بھی تعمیر کرائی، جو چونے اور گچ سے بنی ہوئی تھی۔ اس کے دروازے لوہے کے تھے، دیواروں پر خطاطی کی گئی تھی اور میناروں میں سفید سنگِ مرمر استعمال ہوا تھا۔ مسجد کی

چھت مضبوط پتھریلے ستونوں پر قائم تھی اور اس کی آرائش میں ایرانی طرزِ تعمیر کے نقوش نمایاں تھے۔ اسی طرح دجلہ کے کنارے قصر الخلد تعمیر کیا گیا، جس میں سرخ پتھر اور سفید سنگِ مرمر کا حسین امتزاج دکھائی دیتا تھا۔ اس کے ستون ہاتھی دانت کے تھے اور دروازے و کھڑکیاں نہایت خوبصورتی سے آراستہ کی گئی تھیں۔ بغداد کی تعمیر پر تقریباً ایک کروڑ اسی لاکھ دینار خرچ ہوئے، پانچ برس تک روزانہ ہزاروں مزدور، کاریگر اور مہندس اس کام میں مصروف رہے۔

منصور نے بغداد سے باہر کرخ کا شہر آباد کیا، جہاں تمام بازار منظم انداز میں منتقل کیے گئے اور مساجد، سڑکیں اور انتظامی عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ اسی طرح ولی عہد المہدی کے لیے دجلہ کے دوسرے کنارے مہدیہ شہر بسایا گیا، جہاں سرکاری عمارتوں، فوجی بیرکوں، مساجد، باغات اور نہروں کا اہتمام کیا گیا۔ بعد میں معتصم نے سرّ من رائی کے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا، جو بعد میں سامرا کہلایا۔ اس شہر میں شاہی محلات، سرکاری دفاتر، امراء کی رہائش گاہیں اور عظیم الشان مسجد تعمیر کی گئی۔ واثق اور متوکل نے بھی سامرا کی توسیع، نئی سڑکوں، محلات اور دیگر عمارتوں کی تعمیر کے ذریعے اس شہر کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ متوکل نے اپنے لیے قصر جعفری تعمیر کرایا، جو درحقیقت ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ قصر الصریہ، قصر التاج، قصر دار الشجرہ، دار الفخریہ، حریم طاہری اور دیگر محلات بھی تعمیر کیے گئے۔ ان محلات کی آرائش میں سفید سنگِ مرمر، قیمتی جواہرات، برجیاں، وسیع ہال اور زیرِ زمین راستوں جیسی خصوصیات نمایاں تھیں۔ خلفاء اور امراء نے متعدد باغات بھی قائم کیے، جن کی آرائش و زیبائش پر خطیر سرمایہ صرف کیا گیا۔

عباسی فنِ تعمیر کی نمایاں خصوصیات میں وسعت، مضبوطی، سادگی، جدتِ آرائش اور مختلف تہذیبی اثرات کا حسین امتزاج شامل ہے۔ اس دور میں محلات، مساجد، مدارس، نہریں، باغات اور منظم شہری منصوبہ بندی کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ جیومیٹریائی نقوش، عربی خطاطی، پھول پتیوں کے ڈیزائن اور گچ کاری کو آرائش کے لیے استعمال کیا گیا۔ عمارتوں کی تعمیر میں روشنی، ہوا، موسمی حالات اور دفاعی تقاضوں کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے عباسی فنِ تعمیر اسلامی تہذیب کی ایک درخشاں اور پائیدار روایت کے طور پر آج بھی نمایاں مقام رکھتا ہے۔

8.3.2.2 موسیقی

عباسی خلیفہ المہدی نے مکہ کے سیاط (739-785ء) کو بلوایا اور اس کی سرپرستی کی۔ اس کے گیت منجمد جذبات کو گرماتے تھے۔ اس کا شاگرد ابراہیم الموصلی (742-804) اپنے استاد کے بعد کلاسیکی موسیقی کا بانی بنا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے چھڑی کی مدد سے تال پیدا کی۔ ہارون رشید نے اسے ڈیڑھ لاکھ درہم عنایت کیے اور دس ہزار درہم ماہانہ تنخواہ مقرر کی۔ اسے اپنے سرپرست سے اکثر تحائف بھی ملتے تھے، جن میں سے ایک کی قیمت ایک لاکھ درہم بتائی جاتی ہے۔ جو صرف ایک گیت کا انعام تھا۔ ہارون رشید نے موسیقی اور گلوکاری کی حد درجہ سرپرستی کی۔ اس کے بیٹے الامین نے شبینہ تفریح کا اہتمام کیا جس میں درباری عہدے دار سورج طلوع ہونے تک رقص کرتے رہے۔ جب المامون کی فوج بغداد کو مالا مال کر رہی تھی تو الامین دریائے دجلہ کے کنارے اپنے محل میں دلگیر بیٹھا اپنی پسندیدہ گلوکاراؤں کے نغمے سنتا رہا۔

المامون اور المتوکل کا ایک ہم پیالہ اسحاق بن ابراہیم الموصلی (850-767ء) اس عہد کے موسیقاروں کا رئیس تھا۔ اسحاق نے اپنے باپ کے بعد کلاسیکی عربی موسیقی کی روح کو مجسم کیا۔ یہ ہر فن مولیٰ موسیقار تھا۔ عہد عباسی میں موسیقی نے لازوال شہرت پائی۔ دربار میں ساز بجانے والے بھی تھے۔ بربط اور رباب کا استعمال کرنے والے بھی۔ گانے والی لڑکیاں بھی ہوتی تھیں، جو اصولی طور پر پردوں کے پیچھے بیٹھ کر فن کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس قسم کی گلوکارائیں حرم کی شان بن گئیں اور انہیں رکھنا اور تربیت دینا ایک اہم صنعت بن گیا۔ اسحاق سے تربیت یافتہ ایک مغنیہ کے لیے حاکم عصر کے قاصد نے تیس ہزار دینار پیش کیے۔ بازنطینی شہنشاہ کے ایلچی نے بھی اتنی ہی رقم پیش کی اور حاکم خراسان کے قاصد نے اسے بڑھا کر چالیس ہزار دینار کر دیا۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے اسحاق نے لڑکی کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لی۔ بغداد میں خلیفہ کے مکان پر متعدد ممتاز بربط نوازوں، گلوکاروں اور موسیقاروں نے تربیت پائی۔ عباسیوں میں ابراہیم ابن المہدی نے بطور موسیقار عظیم ترین شہرت پائی۔ الواثق جو بربط بجاتا تھا اور ایک سو نغمے ترتیب دیے، پہلا موسیقار خلیفہ تھا۔ المستنصر اور المعتز دونوں نے شاعری اور موسیقی میں صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ حقیقی موسیقار خلیفہ المعتمد (92-870ء) تھا جس کے حضور جغرافیہ داں ابن خرداذبہ نے موسیقی پر خطبہ دیا۔ یہ خطبہ اس عہد میں موسیقی کی صورت حال سے متعلق معلومات کا ایک نمایاں ذریعہ ہے۔

عباسیوں کے زریں عہد میں موسیقی کی تھیوری سے متعلق بعض کتابوں کے تراجم بھی ہوئے جیسے ارسطوئی تصانیف کا عربی ترجمہ "کتاب المسائل" (Problemata) اور کتاب "فی النفس" (De anima) کے نام سے حنین بن اسحاق (73-809ء) نے کیا۔ اسی نے جالینوس کی کتاب (De-voce) کا ترجمہ کتاب الصوت کے نام سے کیا تھا۔ یونانی کتب کی بدولت عرب مصنّفین کو موسیقی کے بارے میں اولین سائنسی تصورات ملے اور نظریہ صوت کے طبعی و فزیالوجیکل پہلوؤں سے روشناس ہوئے۔ چنانچہ عربی موسیقی کا سائنسی، ریاضیاتی پہلو یونان سے ماخوذ تھا لیکن عملی پہلو خالص عربی ماڈل پر تھا۔ الفارابی ماہر بربط تھا اور قرون وسطیٰ کے دوران موسیقی پر لکھنے والا عظیم ترین مصنف تھا۔ اس کی کتاب "کتاب الموسیقی الکبیر" بہت مشہور ہوئی۔

عباسی عہد میں موسیقی کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا اور خلفائے عباسی نے اس فن کی بھرپور سرپرستی کی۔ خلیفہ المہدی نے مکہ کے مشہور موسیقار سیاط کو بغداد بلایا اور اس کی سرپرستی کی۔ اس کے گیت سامعین کے جذبات کو متاثر کرتے تھے۔ اس کا شاگرد ابراہیم الموصلی اپنے استاد کے بعد کلاسیکی عربی موسیقی کا سب سے نمایاں نمائندہ بن کر ابھرا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے چھڑی کی مدد سے تال دینے کا طریقہ رائج کیا۔ ہارون رشید نے اس کی غیر معمولی قدر افزائی کرتے ہوئے اسے ڈیڑھ لاکھ درہم انعام دیا، دس ہزار درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کیا اور قیمتی تحائف سے بھی نوازا، جن میں بعض کی قیمت ایک لاکھ درہم تک بتائی جاتی ہے۔ ہارون رشید نے موسیقی اور گلوکاری کی بھرپور سرپرستی کی۔ اس کے بعد الامین کے عہد میں شبینہ محفلوں کا انعقاد کیا جاتا تھا، جن میں درباری صبح تک رقص و موسیقی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب المامون کی فوج بغداد میں داخل ہو رہی تھی، اس وقت الامین دریائے دجلہ کے کنارے اپنے محل میں بیٹھ کر اپنی پسندیدہ گلوکاراؤں کے نغمے سن رہا تھا۔

اسحاق بن ابراہیم الموصلی، جو المامون اور المتوکل کے عہد سے وابستہ تھے، اس زمانے کے ممتاز موسیقار سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے والد کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے کلاسیکی عربی موسیقی کو نئی بلندیوں تک پہنچایا۔ اس دور میں دربار میں مختلف سازندے، بربط اور رباب بجانے والے فنکار، نیز گلوکارائیں موجود ہوتی تھیں، جو عموماً پردے کے پیچھے رہ کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتی تھیں۔ ان کی تربیت اور سرپرستی کو بھی ایک باقاعدہ فن کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اسحاق کی تربیت یافتہ ایک مغنیہ کے لیے مختلف حکمرانوں کے نمائندوں نے بھاری رقوم کی پیش کش کی، لیکن اسحاق نے اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لی۔

بغداد میں خلیفہ کے دربار میں متعدد نامور موسیقاروں، گلوکاروں اور بربط نوازوں نے تربیت حاصل کی۔ ابراہیم ابن المہدی نے بطور موسیقار نمایاں شہرت حاصل کی، جبکہ الواثق پہلا عباسی خلیفہ تھا جو خود بربط بجاتا تھا اور اس نے تقریباً ایک سو نغمے ترتیب دیے۔ المستنصر اور المعتز نے بھی شاعری اور موسیقی میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔ المعتمد کے دربار میں جغرافیہ داں ابن خرداذبہ نے موسیقی پر ایک خطبہ پیش کیا، جو اس عہد کی موسیقی سے متعلق اہم معلومات کا ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ عباسی دور میں موسیقی کی تھیوری سے متعلق متعدد یونانی کتابوں کے عربی تراجم بھی کیے گئے۔ حنین بن اسحاق نے ارسطو کی تصانیف کتاب المسائل (Problemata) اور فی النفس (De Anima) کا عربی ترجمہ کیا، جبکہ جالینوس کی De Voce کو کتاب الصوت کے نام سے منتقل کیا۔ ان تراجم کی بدولت عرب علماء موسیقی کے سائنسی، ریاضیاتی اور صوتی پہلوؤں سے واقف ہوئے۔ اسی دور میں الفارابی نے بطور ماہرِ موسیقی نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہ بربط بجانے میں مہارت رکھتے تھے اور ان کی تصنیف کتاب الموسیقی الکبیر موسیقی کے موضوع پر قرونِ وسطیٰ کی اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

8.3.2.3 مصوری

عباسی عہد کے خلفاء کی تعمیرات، محلات اور ان کی آرائش سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے فنِ مصوری کی سرپرستی کی۔ ابو جعفر منصور نے اپنے محل کے گنبد پر ایک گھڑ سوار کی شبیہ نصب کرائی تھی۔ الامین نے دریائے دجلہ میں اپنی تفریحی محفلوں کے لیے ایسی کشتیاں تیار کروائیں جو شیروں، عقابوں اور ڈالفن مچھلیوں کی شکل میں تھیں۔ المقتدر نے اپنے محل کے تالاب میں سونے اور چاندی کا ایک درخت نصب کرایا، جس کی اٹھارہ شاخیں تھیں۔ تالاب کے دوسری جانب کمخواب کے لباس اور نیزوں سے آراستہ پندرہ گھڑ سواروں کے مجسمے نصب تھے، جو اپنی ترتیب اور ساخت کے باعث یوں محسوس ہوتے تھے جیسے میدانِ جنگ میں متحرک ہوں۔ خلیفہ المعتصم نے اپنے محل کی دیواروں کو قصر عمرہ کی طرز پر آراستہ کرایا۔ ان دیواروں پر برہنہ نسوانی پیکروں اور شکار کے مناظر کی تصویریں بنائی گئی تھیں، جو مسیحی مصوروں کی فنی مہارت کی عکاسی کرتی تھیں۔ المتوکل نے اپنے محل کی آرائش کے لیے بازنطینی مصوروں کی خدمات حاصل کیں، جنہوں نے مختلف تصاویر میں گرجاگھروں اور راہبوں کو بھی نمایاں کیا۔ اس دور میں کتابوں کی تزئین و آرائش اور ان میں تصویریں بنانے کا بھی خاص رواج پیدا ہوا۔ الف لیلہ اور کلیلہ ودمنہ جیسے ادبی شاہکار مصور نسخوں کی صورت میں تیار کیے گئے۔ مورخین کے مطابق کتاب الاغانی کا مصور نسخہ، جو قاہرہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے، عباسی عہد کی ثقافت اور فن کے عروج کی نمایاں مثال ہے۔

عباسی دور کی مصوری میں قدرتی مناظر اور فطرت کی عکاسی کو نمایاں اہمیت حاصل تھی۔ کلیلہ ودمنہ کے مصور نسخوں میں جانوروں کی کہانیوں کو تصویری انداز میں پیش کیا گیا۔ اس طرح عباسی عہد میں مصوری صرف خطاطی کی معاون نہیں رہی بلکہ کتابوں کی آرائش، علمی و ادبی تصانیف کی تزئین اور ایک مستقل فنی روایت کی صورت اختیار کر کے اسلامی تہذیب میں اپنا منفرد مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔

8.3.2.4 خطاطی

عباسی عہد (750ء–1258ء) کو خطاطی کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں بغداد فنِ خطاطی کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ اس دور میں ابن مقلہ اور دوسرے ماہرینِ خطاطی نے خطِ کوفی کے ساتھ خطِ ثلث اور دیگر متناسب خطوط کو فروغ دیا، جبکہ کاغذ کے عام استعمال نے بھی اس فن کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ یہی دور عربی رسم الخط کی فنی پختگی اور قرآنی خطاطی کے ارتقا کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ عباسی دور میں خطِ کوفی کے علاوہ کتابت کے لیے ثلث، نسخ، محقق، ریحان، توقیع اور رقاع جیسے متناسب خطوط رائج ہوئے۔ عربی خطاطی کے ابتدائی ممتاز فنکاروں میں الریحانی کو نمایاں مقام حاصل ہے، جنہوں نے مامون کے عہد میں شہرت حاصل کی۔ ابن مقلہ عباسی دور کے وزیر بھی تھے اور فنِ خطاطی کے عظیم ماہر بھی۔ اگرچہ خلیفہ الراضی کے حکم پر ان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ بائیں ہاتھ سے بھی خطاطی کرتے رہے، بلکہ روایت کے مطابق اپنے کٹے ہوئے دائیں بازو میں بھی قلم تھام کر لکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ابن البواب کو خطِ محقق کے انداز کا موجد قرار دیا جاتا ہے، جبکہ عباسی دور کے آخری زمانے میں یاقوت المستعصمی سب سے ممتاز خطاط اور قلم کار کے طور پر مشہور ہوئے۔ وہ خلیفہ المستعصم کے درباری خطاط تھے۔ متاخر عباسی عہد میں کتابوں کی تزئین و آرائش اور قرآنِ مجید کی طلاکاری کے فن کو بھی خاص فروغ حاصل ہوا، جس کے نتیجے میں خطاطی اسلامی تہذیب کے اہم ترین فنون میں شمار ہونے لگی۔

8.3.3 بیت الحکمت

عباسی دورِ حکومت میں مسلمانوں کے عجمیوں اور دیگر اقوام سے تعلقات میں وسعت آئی تو ان کے علوم و فنون اور حکیمانہ کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسی مقصد کے لیے بیت الحکمت کا قیام عمل میں آیا۔ مسلم تہذیب و تمدن کی تاریخ میں اسے ایک عظیم علمی، تحقیقی اور ترجمہ نگاری کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ اس ادارے کا ابتدائی تصور خلیفہ ابو جعفر منصور کے دور میں پیدا ہوا، جب انہوں نے علم و فن کی ترقی اور علمی کتابوں کے ترجمہ و تالیف پر توجہ دی۔ بعد میں ہارون رشید نے اس کام کو وسعت دیتے ہوئے بغداد میں بیت الحکمت کے نام سے ایک عظیم کتب خانہ قائم کیا، جو ترجمہ، تالیف اور تحقیق کا اہم مرکز بن گیا۔ اس میں مختلف علوم کی نایاب اور بلند پایہ کتابیں جمع کی گئیں اور علماء، فضلاء اور مترجمین کو مناسب وظائف اور تنخواہوں پر مقرر کیا گیا تاکہ وہ پوری توجہ کے ساتھ علمی خدمات انجام دے سکیں۔ اس طرح یونانی، فارسی، سنسکرت اور دیگر زبانوں کے ماہرین اس ادارے سے وابستہ ہوئے اور مختلف زبانوں کی اہم کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر کے علم و فن کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ حکمت، فلسفہ، منطق، طب، ریاضی، اقلیدس، نجوم، ہیئت اور فلکیات جیسے علوم کی بے شمار کتابیں عربی زبان میں منتقل کی گئیں۔ برامکہ نے بھی اس علمی مرکز کی تعمیر و ترقی، علماء و حکماء کی سرپرستی اور علمی سرگرمیوں

کے فروغ میں اہم حصہ لیا۔ اس ادارے کو خزینۃ الحکمت بھی کہا جاتا تھا۔ بیت الحکمت سے بغداد اور دمشق کی رصد گاہیں بھی وابستہ تھیں، جہاں مسلم علماء نے بطلیموس کی قدیم تقاویم کی اصلاح کی اور نئی تقاویم مرتب کیں۔

بیت الحکمت سے وابستہ ممتاز علماء میں حنین بن اسحاق، ثابت بن قرہ، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، یعقوب الکندی اور قسطا بن لوقا شامل ہیں۔ حنین بن اسحاق نے بقراط، جالینوس اور ارسطو کی متعدد کتابوں کے عربی تراجم کیے۔ ثابت بن قرہ ریاضی اور فلکیات کے ممتاز عالم تھے، جبکہ محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے الجبرا اور علمِ حساب میں انقلابی خدمات انجام دیں۔ یعقوب الکندی عرب دنیا کے پہلے عظیم فلسفی سمجھے جاتے ہیں اور قسطا بن لوقا نے طب، فلسفہ اور طبعیات کے میدان میں اہم کام کیا۔ الخوارزمی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الجبر والمقابلہ بھی اسی علمی ماحول میں مرتب کی، جس نے علمِ الجبرا کی بنیاد مضبوط کی۔ بیت الحکمت کا سب سے بڑا کارنامہ مختلف تہذیبوں کے علمی سرمائے کو عربی زبان میں منتقل کرنا تھا۔ اسی کے نتیجے میں ارسطو، افلاطون، اقلیدس، بطلیموس اور جالینوس کی کتابیں عربی میں دستیاب ہوئیں، جنہوں نے اسلامی دنیا میں سائنسی علوم کی مضبوط بنیاد فراہم کی۔ بقراط اور جالینوس کی طبّی تصانیف کے تراجم نے اسلامی طب کو فروغ دیا اور بعد کے عظیم اطباء، جیسے ابن سینا اور الرازی، کے لیے علمی بنیاد فراہم کی۔ بیت الحکمت نے یونانی فلسفے اور اسلامی فکر کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ مامون کے حکم سے دنیا کا ایک نقشہ تیار کیا گیا، جس میں زمین کے مختلف خطوں کی نسبتاً درست نشاندہی کی گئی۔ اس طرح بیت الحکمت محض ایک کتب خانہ نہیں تھا بلکہ تحقیق، ترجمہ، تالیف اور علمی تبادلے کا عظیم مرکز تھا، جس کی خدمات نے اسلامی دنیا ہی نہیں بلکہ بعد ازاں یورپ کی نشاۃ ثانیہ پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ آج بھی یہ ادارہ علمی تحقیق، ترجمہ نگاری اور فکری رواداری کی ایک نمایاں مثال سمجھا جاتا ہے۔

8.3.4 فقہی مکاتب فکر

فقہ وہ علم ہے جس کے ذریعے اسلام کا قانون لوگوں تک پہنچا۔ اس کی بنیاد قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی پر ہے۔ قرآن و حدیث پر گہری نظر اور ان سے حاصل ہونے والی فہم و بصیرت کو فقہ کہا جاتا ہے۔ بعد میں اسی کی بنیاد پر اسلامی قانون کی تشکیل ہوئی۔ فقہِ اسلامی کے ماہرین کے دو بڑے مکاتبِ فکر بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک اہلِ حدیث تھے، جن میں حجاز، خصوصاً مکہ اور مدینہ کے علماء شامل تھے، کیونکہ ان کی فقہی فکر کا انحصار زیادہ تر حدیثِ نبوی پر تھا۔ دوسرا اہلِ رائے کا مکتب تھا، جس سے عموماً عراق، خصوصاً کوفہ اور بصرہ کے علماء وابستہ تھے۔
ابتدائی دور میں مدینہ، کوفہ اور دیگر مراکز کے فقہاء کسی مخصوص مسلک کے پابند نہیں تھے۔ تاہم اموی دور میں باقاعدہ فقہی مسالک کی بنیاد پڑی اور علماء و مفتیان کسی ایک امامِ فقہ کے اصول و فتاویٰ کی پیروی کرنے لگے۔ اگرچہ جس فقیہ یا جماعت کو کسی امام کے اصول سے اتفاق ہوتا، وہ اس کی اتباع کرتی، لیکن فروعی مسائل میں اختلاف کی گنجائش برقرار رہتی تھی۔ فقہی مکاتبِ فکر میں چار مسالک کو سب سے زیادہ شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی۔

فقہ حنفی: عراق، خصوصاً کوفہ، میں متعدد فقہی مکاتب وجود میں آئے، جن میں امام ابو حنیفہ (699-767ء) کی فقہ سب سے زیادہ مقبول ہوئی، جو فقہ حنفی کے نام سے معروف ہے۔ امام ابو حنیفہ اسلام کے اولین اور بااثر فقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی فقہ کی تدوین و ترتیب ان کے

شاگردوں نے عباسی دور میں کی، جن میں امام ابو یوسف (یعقوب بن ابراہیم انصاری) اور امام محمد بن حسن شیبانی نمایاں ہیں۔ ان شاگردوں نے متعدد مسائل میں حدیث یا دلیل کی بنیاد پر اپنے استاد سے اختلاف بھی کیا، کیونکہ اجتہاد کا دروازہ کھلا تھا اور ہر مجتہد کو رائے دینے کا حق حاصل تھا۔ امام ابو حنیفہ کے معاصر اور بعد کے کئی علماء نے بھی اپنے فقہی مسالک قائم کیے، لیکن فقہ حنفی اپنی علمی قوت، ائمہ کی مسلسل فقہی و تصنیفی خدمات اور عباسی خلفاء کی سرپرستی کے باعث زیادہ مقبول ہوئی۔ امام ابو حنیفہ نے خود کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، تاہم ان کے شاگردوں نے ان کے اقوال و آراء کو مدون کیا، جو بعد میں ان سے منسوب تصانیف کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ فقہ حنفی کی بنیاد بالخصوص امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی کی تصانیف پر قائم ہے۔ امام ابو حنیفہ نے قیاس اور استحسان کو فقہی استنباط میں اہمیت دی۔ اگرچہ ان کا مقصد کوئی مستقل فقہی مکتب قائم کرنا نہیں تھا، لیکن بعد میں وہ فقہ حنفی کے بانی کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ آج دنیا کے تقریباً نصف سنی مسلمان اسی مسلک کی پیروی کرتے ہیں۔

فقہ مالکی: امام مالک بن انس (95ھ–179ھ/715-95ء) مدنی مکتبِ فکر کے نمایاں امام تھے۔ وہ سیرتِ نبوی اور سنت سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ ان کی مشہور تصنیف الموطأ اسلامی قانون کے قدیم ترین مجموعوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کتاب میں فقہی روایات کو جمع کیا گیا، سنت کو منظم صورت دی گئی اور اجماع کے اصول کی وضاحت کی گئی، جس نے بعد میں فقہ مالکی کی بنیاد مضبوط کی۔ یہ فقہ مغرب، اندلس، شمالی افریقہ اور مشرقی عربیہ میں وسیع پیمانے پر رائج ہوئی۔ خلیفہ منصور عباسی نے امام مالک کو یہ پیشکش کی کہ الموطأ کو پوری خلافت کا سرکاری فقہی ضابطہ قرار دیا جائے، لیکن امام مالک نے اسے قبول نہیں کیا، کیونکہ ان کے نزدیک اس میں ان کی ذاتی فقہی آراء بھی شامل تھیں اور تمام مسلمانوں کو ان کا پابند بنانا مناسب نہیں تھا۔ امام مالک کے اساتذہ میں امام زہری، جعفر صادق، ربیعہ بن عبدالرحمن اور یحییٰ بن سعید انصاری شامل تھے۔ اگرچہ الموطأ کی تدوین اموی دور کے آخری زمانے میں مکمل ہو چکی تھی، لیکن اس کی اشاعت اور مقبولیت عباسی دور میں زیادہ ہوئی۔

فقہ شافعی: امام شافعی نے امام مالک اور امام محمد بن حسن شیبانی دونوں سے استفادہ کیا، جس کے باعث انہیں مالکی اور حنفی فقہ دونوں پر عبور حاصل ہوا۔ بعدازاں انہوں نے دونوں مکاتب کے اصولوں کو منظم انداز میں یکجا کر کے اپنا مستقل فقہی مکتب قائم کیا، جس میں حدیث اور فقہ کا خوبصورت امتزاج نظر آتا ہے۔ انہوں نے اجتہاد کو فقہی اصول کے طور پر تسلیم کیا۔ اپنی مشہور کتاب الرسالہ میں امام شافعی نے اصولِ فقہ پر مفصل بحث کی، اسی لیے انہیں اصولِ فقہ کے اولین معماروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے قیاس کے قواعد مرتب کیے، لیکن استحسان کو اصولِ استنباط کے طور پر قبول نہیں کیا۔ ان کی اہم تصانیف میں کتاب الام اور مسند امام شافعی شامل ہیں۔ کتاب الام دراصل ان کی مختلف تصانیف کا مجموعہ ہے۔ امام شافعی نے اپنی فقہی آراء میں بعض صحابہ کرامؓ اور فقہاء، جیسے امام ابو حنیفہ، امام مالک، اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ سے اختلاف بھی کیا۔ ان کی تصانیف کی نمایاں خصوصیات حسنِ ترتیب، ایجاز و اختصار اور دلائل کی مضبوطی ہیں۔ ان کے شاگردوں کی تدریسی، تصنیفی اور افتائی خدمات کے باعث فقہ شافعی کو خصوصاً مصر، حرمین شریفین، دمشق، شام، خراسان اور بخارا میں وسیع مقبولیت حاصل ہوئی۔

فقہ حنبلی: امام احمد بن حنبل فقہ حنبلی کے بانی ہیں۔ انہوں نے فقہ کی تعلیم اہلِ حدیث کے علماء سے حاصل کی۔ المامون سے لے کر المتوکل کے

دور تک انہیں معتزلی عقائد کی مخالفت کے باعث سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کا دفاع کیا۔ امام احمد بن حنبل متعدد اہم تصانیف کے مؤلف تھے، جن میں مسند احمد بن حنبل سب سے زیادہ معروف ہے۔ اگرچہ انہیں علمِ حدیث میں بلند مقام حاصل تھا اور زیادہ تر محدث کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے، تاہم وہ فقہ حنبلی کے بانی بھی ہیں۔ ان کے اصول و عقائد کی بہترین وضاحت الرد علی الجہمیۃ اور کتاب السنۃ میں ملتی ہے۔ ان کی دیگر اہم تصانیف میں کتاب الصلاۃ، کتاب العلل اور کتاب الناسخ والمنسوخ شامل ہیں۔ امام احمد بن حنبل کی فقہی اور اعتقادی خدمات نے بغداد میں اہلِ سنت کے عقائد کو مضبوط بنیاد فراہم کی، جبکہ مسند احمد بن حنبل کو طویل عرصے تک علمی حلقوں میں غیر معمولی شہرت حاصل رہی۔

8.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عہدِ بنو امیہ (750-661ء) اسلامی تہذیب میں علمی، ادبی اور فنی ترقی کا ابتدائی اور بنیاد ساز دور تھا۔ اس عہد میں مختلف تہذیبوں، خصوصاً یونانی، رومی، ایرانی اور مصری اثرات کے نتیجے میں علوم و فنون کی نشو و نما ہوئی۔ علمِ حدیث، علمِ تفسیر، علمِ فقہ، عربی نحو و صرف، سیرت، مغازی، تاریخ اور لغت نویسی کی تدوین و تصنیف کا آغاز ہوا، جس نے اسلامی علوم کی مضبوط بنیاد فراہم کی۔ فقہی مسائل پر غور و خوض، احادیث کی جمع و تدوین اور قرآنِ کریم کی تشریح و توضیح کے منظم کام نے بعد کے علمی ارتقا کی راہ ہموار کی۔ فنِ تعمیر میں قبۃ الصخرہ، جامع مسجد دمشق اور مسجد قرطبہ اسلامی فنِ تعمیر کے عظیم نمونے بن کر سامنے آئے، جبکہ موسیقی، مصوری اور خطاطی کو بھی درباری سرپرستی حاصل ہوئی۔ خصوصاً خطِ کوفی اور خطِ نسخ کی ترقی نے اسلامی فنون کو نئی شناخت عطا کی۔ اس طرح اموی دور نے علمی، ادبی اور تہذیبی روایت کی ایسی مضبوط بنیاد قائم کی، جس پر بعد کی اسلامی تہذیب نے اپنی عظمت کی عمارت استوار کی۔ عہدِ بنو عباس (1258-750ء) اسلامی تاریخ کا سنہری دور ثابت ہوا، جس میں اموی دور کی قائم کردہ علمی بنیادوں کو وسعت اور استحکام حاصل ہوا۔ عباسی خلفاء، خصوصاً ہارون رشید، المامون اور المعتصم کی سرپرستی میں طب، ریاضی، کیمیا، فلکیات، طبعیات، فلسفہ، ادب اور دیگر علوم نے غیر معمولی ترقی کی۔ بیت الحکمت علم و تحقیق، ترجمہ اور سائنسی سرگرمیوں کا عظیم مرکز بن کر ابھرا، جہاں مختلف تہذیبوں کے علمی ذخائر کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا اور جنہوں نے بعد میں یورپ کی نشاۃِ ثانیہ پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ اسی دور میں فنِ تعمیر، موسیقی، خطاطی اور مصوری اپنے عروج کو پہنچے اور اسلامی فنون نے منفرد شناخت حاصل کی۔ فقہ کے چار بڑے مکاتبِ فکر، یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی، منظم صورت میں سامنے آئے، جنہوں نے اسلامی قانون اور فقہی روایت کو استحکام بخشا۔ اس طرح اموی اور عباسی دونوں ادوار نے باہمی تسلسل کے ساتھ اسلامی تہذیب و تمدن کو علمی، ادبی، سائنسی اور فنی اعتبار سے عالمی سطح پر ایک ممتاز مقام عطا کیا اور آئندہ نسلوں کے لیے ایک عظیم علمی و ثقافتی ورثہ چھوڑا۔

8.5 کلیدی الفاظ (Keywords)

بیت الحکمت عباسی دور کا عظیم علمی، تحقیقی اور دارالترجمہ ادارہ، جہاں مختلف علوم کی کتابوں کے عربی تراجم کیے جاتے تھے۔

علمِ ہیئت اجرامِ فلکی، سیاروں، ستاروں اور کائنات کے مطالعے کا علم (Astronomy)۔

8.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

8.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. ہارون رشید کے دور میں بغداد میں قائم ہونے والا عظیم سائنسی، تحقیقی اور ترجمہ نگاری کا مرکز کیا کہلاتا تھا؟
(الف) دار الندوہ (ب) دار الطراز (ج) بیت الحکمت (د) جامعہ قرطبہ
2. بیت المقدس میں واقع اسلامی فنِ تعمیر کی عظیم عمارت 'قبۃ الصخرہ' کس نے تعمیر کرائی؟
(الف) عبد الملک بن مروان (ب) ولید بن عبد الملک (ج) ابو جعفر منصور (د) ہارون رشید
3. محمد بن موسیٰ الخوارزمی عباسی دور کے ایک عظیم سائنس دان تھے، ان کی کتاب 'الجبر والمقابلہ' کس علم پر مبنی ہے؟
(الف) طب (ب) علمِ ہیئت (ج) علم الجبرا (ریاضی) (د) جغرافیہ
4. عباسی دور کے مشہور طبیب ابو علی ابن سینا کی کون سی شہرۂ آفاق تصنیف طب کا عظیم انسائیکلوپیڈیا سمجھی جاتی ہے؟
(الف) الحاوی (ب) القانون فی الطب (ج) فردوس الحکمہ (د) کتاب الشفاء
5. عراق (کوفہ) سے تعلق رکھنے والے کس مشہور فقہی مکتبِ فکر کی تدوین امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی کے ذریعے ہوئی؟
(الف) فقہ مالکی (ب) فقہ شافعی (ج) فقہ حنبلی (د) فقہ حنفی

8.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. مسجد قبۃ الصخرہ کی نمایاں خصوصیات بیان کریں۔
2. بیت الحکمت پر اپنی معلومات قلم بند کریں۔
3. امام ابو حنیفہ کی فقہی خدمات پر روشنی ڈالیں۔

8.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. عہد امیہ کی مصوری اور خطاطی کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔
2. عہد عباسی میں سائنسی پیش رفت پر معلومات فراہم کریں۔

جوابات

1۔(ج) بیت الحکمت 2۔(الف) عبد الملک بن مروان 3۔(ج) علم الجبرا (ریاضی) 4۔(ب) القانون فی الطب 5۔(د) فقہ حنفی

Suggested Learning Resources

1. Al-Tabari, Muhammad ibn Jarir, *The History of Al-Tabari: The Ancient History*, (trans. Franz Rosenthal), State University of New York Press, 1989.
2. Ali, Muhammad, *Muhammad The Prophet*, Lahore, 1924.
3. Armstrong, Karen, *Islam: A Short History*, Modern Library, 2002.
4. Crone, Patricia, *God's Caliph: Religious Authority in the First Centuries of Islam*, Cambridge University Press, 1986.
5. _____, Patricia, *Meccan Trade and the Rise of Islam*, Blackwell, 1987.
6. Donner, Fred M., *Muhammad and the Believers: At the Origins of Islam*, Harvard University Press, 2012.
7. Gabrieli, Francesco, *Muhammad and the Conquests of Islam*, London, 1968.
8. Guillaume, A., *The Life of Muhammad*, London, 1970.
9. Hazleton, Lesly, *The First Muslim: The Story of Muhammad*, Atlantic Books, London, 2013.
10. Hinds, Martin, 'The Arabs: A History', in P.J. Bearman et al. eds., *Encyclopaedia of Islam*, 3rd edn., Brill, 2007, pp. 22–27.
11. Hodgson, Marshall G.S., *The Venture of Islam: Conscience and History in a World Civilization, Volume 1: The Classical Age of Islam*, University of Chicago Press, 1974.
12. Holland, Tom, *In the Shadow of the Sword: The Birth of Islam and the Rise of the Global Arab Empire*, Anchor, 2021.
13. Ibn Ishaq, *The Life of Muhammad: A Translation of Ibn Ishaq's Sirat Rasul Allah*, (trans. A. Guillaume), Oxford University Press, Pakistan, 1989.
14. Kennedy, Hugh, *The Prophet and the Age of the Caliphates: The Islamic Near East from the Sixth to the Eleventh Century*, 3rd edn., Routledge, 2016.
15. Lecker, Michael, *The Constitution of Medina: Muhammad's First Legal Document*, The Darwin Press, 2004.
16. Lewis, Bernard, *The Arabs in History*, Harper & Row, London, 1950.
17. Lings, Martin, *Muhammad: His Life based on the Earliest Sources*, Inner Traditions International, 2006.
18. Madelung, Wilferd, *The Succession to Muhammad: A Study of the Early Caliphate*, Cambridge University Press, 1997.
19. Meri, Josef W., *Medieval Islamic Civilization: An Encyclopaedia*, Routledge, 2006.
20. Muir, William, *The Caliphate: Its Rise, Decline, and Fall*, Smith, Elder & Co., 1898.
21. _____, William, *The life of Muhammad*, Edinburgh, 1912.
22. O'Leary, De Lacy, *Arabia Before Muhammad*, London, 1927.
23. Ramadan, Tariq, *In the Footsteps of the Prophet: Lessons from the Life of Muhammad*, Oxford University Press, 2009.
24. Shaban, M.A., *Islamic History A.D 600-750: A New Interpretation*, Cambridge, 1971.
25. Walmsley, Alan, 'The Role of Trade in the Rise of Islam', *International Journal of Middle Eastern Studies*, Vol. 32, No. 1, 2000, pp. 25–46.

اردو کتب

26. ابراہیم، ڈاکٹر حسن، مسلمانوں کی سیاسی تاریخ (جلد دوم)، (مترجم علیم اللہ صدیقی)
27. احمد، برکات، رسول اکرمؐ اور یہودِ حجاز، دہلی، 1985۔

28. اصلاحی، مولانا محمد یوسف، قرآنی تعلیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی۔
29. اصلاحی، مولانا محمد یوسف، اسلامی معاشرہ، مکتبہ ذکریٰ، رام پور۔
30. جامع اردو انسائیکلوپیڈیا: جلد دوم، قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی۔
31. جیراج پوری، مولانا محمد اسلم، تاریخ الامت 8 جلد، مکتبہ جامعہ، دہلی، 2012۔
32. حتی، فلپ۔ کے۔، تاریخ عرب، البلاغ پبلی کیشنز، نئی دہلی، 2022۔
33. حمید الدین، ڈاکٹر، تاریخ اسلام۔
34. شہابی، مفتی انتظام اللہ، تاریخ ملت۔
35. صدیقی، پروفیسر لیٰسین مظہر، تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ دوم و حصہ سوم)، آئی او ایس، نئی دہلی، 2018۔
36. صولت، ثروت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد اول، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، 1992۔
37. علی، سید امیر، تاریخ اسلام۔
38. علی، سید امیر، روح اسلام، دہلی، 1986۔
39. لون، ڈاکٹر غلام قادر، قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، 2014۔
40. مبارک پوری، مولانا صفی الرحمن، الرحیق المختوم، دہلی، 2009۔
41. معین الدین، ڈاکٹر غلام، عہد عباسیہ میں فن تعمیر کا ارتقاء، لکھنؤ، 2007۔
42. مہر، غلام رسول، مختصر تاریخ اسلام، پاکستان۔
43. مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، دہلی، 2001۔
44. میرٹھی، مفتی زین العابدین سجاد اور مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی، تاریخ ملت۔
45. نجیب آبادی، مولانا اکبر شاہ خان، تاریخ اسلام، دیوبند۔
46. ندوی، اشہد رفیق، تعلیمات قرآن، اریب پبلیکشنز، نئی دہلی۔
47. سید ابوالحسن علی، المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، لکھنؤ، 2005۔
48. شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام جلد اول، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، 1975۔
49. علامہ سید سلیمان، سیرۃ النبی جلد ششم، دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔
50. علامہ سید سلیمان، رحمت عالم، دہلی، 1943۔
51. نعمانی، شبلی، سیرت النبیؐ، اعظم گڑھ، 1923۔
52. ہتی، فلپ کے، تاریخ ملت عربی، علی گڑھ، 1972۔

نمونہ امتحانی پرچہ

NEP
4 YEARS UG COURSE

بی اے (تاریخ)، چوتھا سمسٹر

پرچہ: عہد وسطیٰ کی اسلامی دنیا

B.A. (History) 4th Semester – September, 2026

Paper : BNHS401DET : Medieval Islamic World

وقت: دو گھنٹے Time : 2 hours **نشانات:** Marks 35

ہدایات:

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم اور حصہ سوم۔ تمام حصوں سے جواب دینا لازمی ہے۔

1. حصہ اول کے تمام سوالات لازمی ہیں۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔ (5 x 1 = 05 Marks)
2. حصہ دوم میں 08 سوالات ہیں۔ طالب علم کو کوئی 05 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کے لیے 4 نمبرات مختص ہیں۔ (5 x 4 = 20 Marks)
3. حصہ سوم میں 02 سوالات ہیں۔ طالب علم کو کوئی 01 سوال کا جواب دینا ہے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ (1 x 10 = 10 Marks)

حصہ اول

سوال نمبر: 1

i) غار حرا میں حضرت محمد ﷺ پر پہلی وحی کس سال نازل ہوئی؟

(a) 610 (b) 615 (c) 620 (d) ان میں سے کوئی نہیں

ii) قبل از اسلام قریش مکہ کن تین چاند دیویوں کی پوجا کرتے تھے؟

(a) ہبل، اساف، نائلہ (b) لات، منات، عزیٰ (c) عاد، ثمود، طسم (d) کہلان، ازد، حمیر

iii) مشہور و ضخیم تاریخی کتاب 'تاریخ الرسل والملوک' (تاریخ طبری) کس کی تصنیف ہے؟

(a) محمد بن اسحاق (b) ابن ہشام (c) محمد بن جریر الطبری (d) احمد بن یحییٰ البلاذری

iv) میثاقِ مدینہ کو انسانی تاریخ کا پہلا تحریری دستور کس محقق نے قرار دیا ہے؟

(a) علامہ شبلی نعمانی (b) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (c) فریڈ ڈونر (d) سید سلیمان ندوی

v) طارق بن زیاد نے اندلس (اسپین) اور محمد بن قاسم نے سندھ کس اموی خلیفہ کے عہد میں فتح کیا؟

(a) عبدالملک بن مروان (b) ولید بن عبدالملک (c) عمر بن عبدالعزیز (d) سلیمان بن عبدالملک

1/2

حصہ دوم

2. قبل از اسلام عربوں کی سماجی اور قبائلی حالت پر مختصر نوٹ لکھیے۔
3. میثاق مدینہ کے قانونی خدوخال اور اہمیت مختصراً بیان کیجیے۔
4. اسلام کے بنیادی ارکان (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) پر روشنی ڈالیے۔
5. عہدِ نبوی میں صلح حدیبیہ کی بنیادی شرائط کیا تھیں؟
6. خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے انتظامی کارناموں پر مختصر نوٹ لکھیے۔
7. اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کو اموی خلافت کا حقیقی بانی کیوں کہا جاتا ہے؟
8. علم حدیث کی تدوین اور 'اسماءالرجال' کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
9. عباسی خلیفہ ہارون رشید کے دور کو عباسی حکومت کا عہد زریں کیوں کہا جاتا ہے؟

حصہ سوم

10. مدینہ میں ریاست کے ارتقا اور پیغمبر محمد ﷺ کی سیاسی میراث پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
11. خلفائے راشدین کے عہد میں اسلامی ریاست کی توسیع اور نظمِ سلطنت کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

*****

2/2

اہم نکات

اہم نکات